تذکرۃ الفقہاء

(حصۂ اول)

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (ہند)

مَن يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

تذکرۃ الفقہاء

حصہ اول

اس میں امام بویطی شافعی سے امام ابو اسحٰق اسفرائنی تک یعنی تیسری صدی ہجری سے
پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک کے چھبیس نامور فقہائے شافعیہ کے حالات
اور ان کے علمی و فقہی اوصاف و محاسن کا ذکر کیا گیا ہے۔

محمد عمیر الصدیق

دریابادی ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ یوپی (ہند)

سلسلہ دارالمصنفین نمبر ۱۷۶

نام کتاب	:	تذکرۃ الفقہاء (حصہ اول)
مصنف	:	محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی
صفحات	:	۲۷۶
ایڈیشن اول	:	اگست ۱۹۹۷ء
قیمت	:	۹۵/ روپے
مطبع	:	معارف پریس اعظم گڈھ
ناشر	:	دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

باہتمام

عبدالمنان ہلالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

تذکرۃ الفقہا

حصہ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دار المصنفین کی تاسیس کے وقت ہی سے جو علمی و تحقیقی کام اس کے پیش نظر تھے، ان میں ایک ضروری اور مقدم کام اسلامی علوم و فنون کی تاریخ اور ہر ہر فن کے مشاہیر کے حالات لکھنا اور ان کے کارناموں پر تبصرہ کرنا بھی ہے، فقہ کو اسلامی علوم میں جو مرکزیت و اہمیت اور برتری حاصل ہے، اس کی بنا پر اس کی تاریخ مرتب کرنا، اس کے عہد بہ عہد کی ترقی کا حال دکھانا اور پھر ہر عہد کے نمایندہ، مشاہیر اور اصحاب تصانیف فقہاء کے حالات قلم بند کرنا اور ان کی خدمات پر تبصرہ کرنا بھی دار المصنفین کے منصوبے میں شامل تھا۔

فقہ اسلامی کی تاریخ وغیرہ کے سلسلے مولانا عبد السلام ندوی کی کتابیں القضا فی الاسلام اسلامی قانون فوجداری اور علامہ خضری کی کتاب کا اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان میں سے بعض کتابیں اسلامی مدارس کے نصاب میں بھی داخل ہیں لیکن فقہاء کے حالات اور کارناموں پر کوئی مستند کتاب ابھی تک اردو میں شایع نہیں ہوئی تھی۔

دار المصنفین نے یہ ضروری کام اپنے نوجوان رفیق حافظ مولوی عمیر الصدیق صاحب کو سپرد کیا تھا، جن کے زیر مطالعہ یہ موضوع عرصہ سے ہے، بعض وجوہ سے ان کی کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی مگر اس کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ موضوع پوری طرح ان کی دسترس میں آگیا اور ان کا قلم بھی پختہ ہوگیا جس کا اندازہ ان کے مفید مقدمہ سے بھی ہوتا ہے، اور اس عرصہ میں بعض اصحاب علم و نظر کو ان کے مسودے پر نظر ڈالنے کا موقع بھی مل گیا۔

اس طرح یہ دیر آید درست آید کے مصداق ہے، اہل نظر کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ مصنف نے محنت و تحقیق سے کتاب لکھی ہے اور علمی موضوع کی گراں باری کے باوجود زبان و بیان کی روانی و شگفتگی میں فرق نہیں آنے دیا ہے۔

یہ کتاب مسلمانوں کے صرف ایک فقہی اسکول کے اساطین کے تذکرے پر مشتمل ہے جس میں تیسری صدی ہجری کے اوائل سے پانچویں صدی ہجری تک کے ممتاز شافعی فقہاء کے حالات اور کارناموں کا مرقع پیش کیا گیا ہے، ابھی یہ سلسلہ کئی حصوں میں مکمل ہوگا، دوسرا حصہ بھی انشاء اللہ جلد مطبوع ہوگا۔

اس کتاب کی اشاعت سے دار المصنفین کے ایک اہم اور ضروری منصوبہ کی تکمیل کا سامان ہوا ہے، خدا سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ کے دوسرے حصوں کو مکمل کرادے آمین۔

ناچیز

ضیاء الدین اصلاحی

یکم اگست ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ علی سوابغ نعمہ وجلائل کرمہ، وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد رسول ربہ وعلی آلہ وازواجہ وصحبہ وجمیع اتباعہ۔

زیر نظر کتاب تذکرۃ الفقہاء دراصل دارالمصنفین کے سلسلہ تاریخ اسلام کی ایک کڑی ہے۔ اردو زبان میں جدید طرز پر علوم اسلامیہ کی تاریخ کی تدوین و ترتیب کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے تیار کیا تھا، علم الکلام اور شعر العجم کی تاریخ اسی کا ایک حصہ ہے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف نے ان کو اس سلسلہ کے دوسرے اجزا کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں دی تاہم وہ برابر اس کی تکمیل کا ذکر کرتے رہے، سیرۃ النعمان کی تالیف کے محرکات میں انہوں نے لکھا کہ "علوم وفنون کے جداجدا خاندان قائم کیے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ان کو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے"۔ لیکن اس کام کی وسعت کے پیش نظر انہوں نے لکھا کہ "مگر اتنا بڑا کام میرے بس کا نہ تھا"؛ اس کے باوجود انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ کی سیرت کی شکل میں خشت اول رکھ دی، لکھا کہ "چند روز کے لیے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی، فقہ، حدیث، ادب، منطق، فلسفہ، ریاضی، مختلف خاندان سامنے تھے، بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی"۔

خدا کا شکر ہے کہ ان کے قابل فخر اخلاف نے دارالمصنفین کی ابتدا ہی سے اس منصوبہ کی تکمیل پر توجہ کی، سیرت النبیؐ سے تبع تابعین اور پھر تذکرۂ محدثین و مفسرین کے ذریعہ

علوم اسلامیہ کی تاریخ کی تدوین کا عمل جاری ہے۔

فقہ کے موضوع پر سب سے پہلے ایک جامع تاریخ کی ضرورت تھی جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بیان کی گئی ہوں، حسن اتفاق سے علامہ محمد الخضری کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی چھپ کر آئی جو اس مقصد کے لحاظ سے بالکل مناسب تھی اس لیے مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے اسے تاریخ فقہ اسلامی کے اردو قالب میں منتقل کر دیا، لیکن فقہائے امت کے ایک مکمل تذکرہ کی کمی محسوس ہوتی رہی، اردو زبان گو ائمہ اربعہ اور بعض دوسرے نامور فقہاء کے سوانح سے محروم نہیں تاہم مکاتب اربعہ اور دیگر سلسلہ ہائے فقہ کی مفصل تاریخ کی ضرورت دارالمصنفین کے پیش نظر رہی۔

میں جب دارالمصنفین کے بزرگوں کے زیر سایہ و تربیت آیا تو مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم نے امام شافعی کے تلمیذ اجل امام مزنی پر مضمون لکھنے کی ہدایت کی، یہ معارف میں چھپا اور اس کے بعد اس سلسلہ کی تکمیل کا حکم بھی ملا، زیر نظر کاوش اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جس میں امام بویطی (م ۲۳۱ھ) سے امام ابو اسحٰق اسفرائینی (م ۴۱۸ھ) تک یعنی تیسری صدی سے پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک کے ممتاز فقہائے شافعیہ کے حالات اور ان کی مہتم بالشان خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ دور تمدن کی وسعت، مختلف قوموں اور ملکوں میں اسلام کے فروغ، افکار و خیالات کے اختلاط، غیر عربی زبانوں کی کتابوں کے ترجموں اور نئے نئے فقہی مسائل کی کثرت کا زمانہ ہے، فطری طور پر اس عہد میں عقل و دانش کو نئے میدانوں میں حوصلہ افزائی کی راہ ملی، علم الکلام اس کی ایک مثال ہے جس سے علمی فقہ کو نئی جہت ملی، اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار آئیں، بعض اصول حدیث میں علمی نزاع نے فن فقہ میں ایک مستقل بحث کا آغاز کیا، قیاس، استحسان، استصلاح

اور استدلال جیسے اصول اسی نزاع کا نتیجہ ہیں، بحث و نزاع کی اس گرم بازاری نے اصول فقہ کی تدوین اور فقہی اصطلاحات کی وضع کا راستہ ہموار کیا اور نتائج فکر کے فرق و اختلاف نے باقاعدہ متعدد مسلکوں کے قیام کی بنیاد رکھی، ائمہ اربعہ کے مسالک کو بوجوہ زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، ان ائمہ کے نامور تلامذہ نے درس و تدریس، قضاء و افتاء اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اپنے اپنے مکتب فکر کے فروغ میں سرگرم حصہ لیا۔

امام شافعی کی شخصیت کے متعلق عام تاثر ہے کہ وہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے علم اور بدوؤں کی فصاحت کا مجموعہ تھی، ان کے نمایاں اوصاف میں مناظرہ اور خوبی تحریر کا راز یہی ہے، یہی خوبیاں ان کے شاگردوں اور پھر ان کے سلسلۂ رواۃ کا بھی امتیاز قرار پائیں۔

اختلاف فقہاء کے ضمن میں اس حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ تفقہ و اجتہاد کے ذریعہ دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ نصوص یعنی وحی و نبوت کی روشنی و رہنمائی میں عقل و دانش کا استعمال ہی اجتہاد بلکہ علم فقہ کی اساس ہے اور اس باب میں اجتہادی قوتوں کے عمل و اثر کا تفاوت امر طبعی ہے جس کے نتیجہ میں اختلاف فکر کا در وا ہوتا ہے۔ دین فطرت کے حقیقت بیں اور رمز شناس اہل فکر و نظر نے سچ کہا کہ ان اختلافات کی بدولت اسلامی قانون اور اس کے دائرہ میں عظیم وسعت پیدا ہوگئی تیسیر دین یا گنجائش کا امکان ان فقہی اختلافات کی ہی بدولت نظر آیا اور اسی لیے اس کو خیر عظیم تصور کیا گیا، یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اختلافات بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں، ان کا بڑا حصہ دراصل صحابہ کرامؓ ہی کے اختلافات پر مبنی ہے اور ان سے منتقل ہوکر تابعین و تبع تابعین اور مابعد طبقات تک پہنچا ہے، اس موقع پر

حضرت عائشہؓ کے برادر زادہ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے ایک نامور رکن حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا یہ قول ایک بار پھر غور کرنے کے لائق ہے کہ "صحابۂ کرام کے اعمال میں جو اختلافات تھے، خدا نے اس سے یہ نفع پہنچایا کہ مسلمانوں میں سے جو کسی بھی صحابی کے طرزِ عمل کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو گنجائش میں پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے جسے اس سے زیادہ بہتر آدمی نے کیا تھا۔" (الموافقات، ج ۴ ص ۱۰) اسی حقیقت کی بازگشت بعد میں امام عبدالوہاب شعرانی شافعی کے اس قول میں ملتی ہے کہ "تمام ائمہ سیدھی راہ پر ہیں اور ان بزرگوں میں سے کسی کی اہانت وہی کر سکتا ہے جو ان کے مسلک کی دلیل سے ناواقف ہے۔" اس کے باوجود ظاہر بیں اور نکتہ چیں ذہن ابتدا سے یہ سوال بھی اٹھاتا رہا کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی رائے پر کیوں نہ جمع کر دیا جائے، اس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام مالک کے اقوال ہر دور کے لیے سرمایۂ بصیرت ہیں کہ "ہر ملک والے اسی پر عمل درآمد کریں جس پر ان کے فقہا نے اتفاق کیا ہو" اور "چھوڑ دیجیے ہر شہر کے لوگوں کو جو کچھ انہوں نے اپنے لیے اختیار کر لیا ہے۔"

شریعت اسلامیہ اور تاریخ تفقہ و اجتہاد کے اس پس منظر میں ائمہ اربعہ اور ان کے انداز فکر و استدلال پر غور کیا جائے تو ان کے سوانح اور کارنامے شفاف و مصفیٰ ہو کر عقل و نظر کے لیے اور جاذب و پرکشش بن جاتے ہیں، یہاں ایک جامع تبصرہ شاید برمحل ہو کہ "ائمہ اربعہ پر مسلمانوں کے غیر معمولی اعتماد کی وجہ محض قدامت پرستی یا تقلید نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ ائمہ عظام اجتہاد کے شرائط پر بدرجۂ کمال پورے اترتے ہیں، یہ ائمہ کتاب و سنت کے علم میں یکتائے روزگار تھے،

زندگی کے معاملات و حالات کو سمجھنے میں بھی بے نظیر تھے اور کتاب و سنت پر عمل کرنے اور مشکل ترین حالات و امتحانات کے اندر استقامت کی خوبی میں بھی خیر القرون کے مسلمانوں کی مثال تھے، یہ اعتماد امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور مستحکم ہوتا گیا" (اسلامی قانون کی تدوین از مولانا امین احسن اصلاحی)

بہر حال یہ موضوع تفصیل طلب ہے اور یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، لیکن اس اجمال سے دارالمصنفین کے مسلک و نیت کا اظہار ضرور ہوتا ہے تذکرۃ الفقہا کا آغاز حضرات شافعیہ سے کرنے کی کوئی شعوری نیت نہ تھی، دوسرے اور وجوہ کے علاوہ تاریخی حیثیت سے حق تھا کہ ابتدا فقہائے حنفیہ سے کی جائے لیکن ایک مبتدی کو امام مزنی کا موضوع دیا گیا اور یہی اس سلسلہ کا سرآغاز بن گیا، فقہائے شافعیہ کے سوانح و تراجم کی تالیف کا عمل پانچویں صدی ہجری سے شروع ہو گیا اور گیارہویں صدی ہجری تک تاریخ، طبقات و رجال کی کتابوں کے علاوہ طبقات الشافعیہ کے عنوان سے قریباً تیس تذکرے تیار ہو گئے، ابوحفص مطوعی (م ۴۴۰ھ) سے صعلوکی، قاضی ابوالطیب طبری، ابو عاصم عبادی، ابو اسحٰق شیرازی، امام تاج الدین سبکی، اسنوی، ابن ملقن، ابن قاضی شہبہ اور ابن ہدایۃ اللہ تک قریب پانچ صدیوں پر محیط ایک طویل سلسلہ ہے، ان میں امام سبکی کی طبقات زیادہ مفصل اور متداول ہے، اس کے تین حصوں کبریٰ وسطیٰ اور صغریٰ میں صرف طبقات کبریٰ شائع ہوئی، اس میں قریب ساڑھے تیرہ سو فقہاء کا تذکرہ ہے، اسی طرح قاضی ابن شہبہ کی طبقات میں ۷۸۴، فقہاء کا ذکر ہے، ظاہر ہے ان تمام فقہاء کا استقصاء متعدد ضخیم جلدوں کا متقاضی تھا، اس لیے تذکرۃ الفقہا کے لیے انتخاب کا مرحلہ بھی دشوار گزار تھا، چنانچہ نہایت ممتاز و نمایاں، صاحب تصانیف

واجتہاد یا درس وتدریس اور مسند قضاء و افتاء پر امتیازی شان سے فائز یا ورع وتقویٰ میں بلند مرتبہ ہستیوں کا انتخاب ضروری ہوا۔ ان اوصاف کی حامل بعض ایسی شخصیتیں بھی تھیں جن کا ذکرہ نہایت مختصر تھا اس لیے ان کو قلم انداز کرنا پڑا اور سنہ وار ترتیب زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔

اس کتاب کی اشاعت کے وقت مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کی شفقت وعنایت کی یادیں تازہ ہوگئیں، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری مرحوم نے کتاب کے مسودہ پر نظر کی تھی، اللہ تعالیٰ ان مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ محترمی مولانا ضیاءالدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین اور جناب عبدالمنان ہلالی صاحب کی عنایت وتوجہ کا بھی شکرگزار ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خائز ... کے ان ریزہ چیں فقہائے ملت کے تذکرہ کو ایمان کی قوت، دلوں کی حرارت اور فہم وعقل سلیم کا سبب بنائے۔ آمین۔

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

دارالمصنفین۔ اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام یوسف بن یحییٰ بویطی

امام شافعی کے نامور مصری تلامذہ میں امام یوسف بن یحییٰ بویطی مصری کا نام نمایاں ہے۔ ان کے متعلق اصحاب طبقات و تراجم کے متفقہ الفاظ یہ ہیں کہ وہ اکبر اصحاب الشافعیین المصریین ہیں۔ یعنی مصریں اصحاب شافعی میں سب سے بڑھ کر ہیں[1] امام سبکی کے الفاظ میں وہ دین اور علوم دینیہ میں ایک کوہ سر بلند کی طرح عظیم اور نمایاں ہیں[2]

نام و نسبت | امام بویطی کا اسم گرامی یوسف بن یحییٰ ہے۔ ابو یعقوب کنیت ہے۔ بویطی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ اور یہ نسبت بویط سے تعلق رکھتی ہے جو مصر میں بوصیر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اسی نام کا ایک گاؤں، سیوط (امام سیوطی والا) کے بھی قریب ہے۔ یاقوت حموی نے ان دونوں بستیوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ تعیین نہیں کی ہے کہ امام بویطی کا تعلق کس بویط سے ہے۔ انہوں نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ۔ ینسب یوسف بن یحیی البویطی الی احدھما۔ یوسف بن یحییٰ بویطی ان دونوں بستیوں میں سے ایک سے نسبت رکھتے ہیں[3] تاریخ پیدائش کے بارہ میں مورخین خاموش ہیں۔ اس دور کے اکثر دوسرے علماء کی طرح امام بویطی کے خاندان، نشوونما

---

[1] دیکھیے طبقات: سبکی شیرازی، ابن ہدایہ اور وفیات: ابن خلکان۔ تاریخ بغداد خطیب وغیرہ

[2] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۰ [3] معجم البلدان: یاقوت حموی ج ۱ ص ۳۱۲، انساب: سمعانی ج۲ ص ۹۶ سمعانی نے ابو عبداللہ فقیہ بویطی کا بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ بویط کے رہنے والے نہیں تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲ پر

اور تعلیم و تربیت کے باب میں بھی کوئی تفصیلی یا جزوی اطلاع نہیں ملتی. لیکن امام شافعی کے دامن علم سے وابستہ ہونے سے قبل وہ جلیل القدر محدث و فقیہہ امام عبد اللہ بن وہب کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے، امام ابن وہب، امام مالک اور امام لیث بن سعد کی طرح صف اول کے محدث و فقیہہ تھے. یہ ابن وہب وہی ہیں جن کے بارہ میں ابن فرحون نے امام مالک کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ان کے علاوہ امام مالک نے کسی کو فقیہہ تسلیم نہیں کیا،[۱]

مصر میں اس وقت علم حدیث سے اشتغال اور محدثانہ طرز فکر کا دور دورہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ عین اس وقت جب کہ دوسرے قریبی علاقوں مثلاً عراق، شام اور یمن وغیرہ میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی قبولیت اور رواج عام کی منزلوں پر تھی مصر ان دونوں مسلکوں سے سرد مہری برت رہا تھا، امام ابن وہب، عام محدثین کے برخلاف علم فقہ میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے، یقینی بات ہے کہ علم حدیث و فقہ کی جامعیت نے ان کی شخصیت کو ممتاز اور دوسروں کے لیے باعث کشش بنا دیا تھا، چنانچہ امام مزنی اور امام ربیع مرادی کی طرح امام بویطی کا ابن وہب کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہونا محض اتفاقی واقعہ نہیں، بلکہ علم کلام سے بیزاری، علم حدیث سے گرویدگی اور علم فقہ کی دلکشی نے ابتدا ہی سے ان تینوں حضرات کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا، [۲]امام سبکی کا بیان ہے کہ امام بویطی نے ابن وہب کے علاوہ دوسرے

---

[۱] حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۲۱ [۲] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۳۸،

۲۷۵، ۲۷۶- گذشتہ صفحہ کا حاشیہ بلکہ حموی کے خیال کے مطابق چونکہ وہ امام بویطی کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے اس لیے بویطی کی نسبت سے معروف ہوئے معجم حوالہ مذکور،

محدثین سے بھی اکتساب فیض کیا[1] روایت حدیث بھی کی، انہوں نے ان محدثین کے نام نہیں بیان کئے لیکن اس وقت مصر کی سرزمین امام مالک، امام لیث بن سعد، بشر بن بکر عبداللہ بن یوسف تینسی، شعیب بن لیث اور راسد بن موسیٰ اور بہت سے دوسرے نامور محدثین کی موجودگی سے رشک آسمان بنی ہوئی تھی[2] امام بویطی کا ان محدثین سے اکتساب ضوء قرین قیاس ہے، عین اسی زمانہ میں یعنی ۱۹۸-۹۹ھ میں امام شافعی عراق سے مصر تشریف لائے جہاں بقول ان ہی کے، ان کی کامیابی اور راجل مقدر ہو چکی تھی[3] اس وقت امام شافعی کی شہرت کا آفتاب، نصف النہار پر تھا، مصر کا علمی ماحول ان کے طرز استدلال اور طریقہ اجتہاد کے لیے نہایت سازگار تھا، حسب توقع مصر نے ان کی پذیرائی، شایان شان کی، اور جب ان کی خدمت میں ذہین، مخلص اور صالح نوجوانوں کا نذرانہ پیش کیا تو اس اسم بامسمیٰ یوسف علم کی متاع بے بہا، بھی ان کو سونپ دی،

عبداللہ بن دہب سے وابستگی کے بعد حدیث و فقہ کی ہم آہنگی نے جس شعور کی ساخت پرداخت کی تھی، اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس کو جلا و نما امام شافعی کے فیض اثر سے ملے،

امام شافعی سے تعلق

مصر میں امام شافعی کے قیام کی مدت چار برس رہی، اس عرصہ میں امام بویطی امام شافعی کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہے، امام سبکی کے بقول اختص بصحبتہ، امام شافعی کی صحبت کے ہو کر رہ گئے اور اپنے استاد عالی مقام کی،

---

[1] طبقات کبریٰ، ایضاً [2] حسن المحاضرہ: سیوطی ج ۱ ص ۱۳۵۔

[3] وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۶ [4] طبقات کبریٰ، السبکی ج ۱ ص ۲۷۵۔

تعلیم و تربیت سے اس طرح فیضیاب ہوئے کہ جب امام شافعی کے سامنے ان کی جانشینی کا سوال سامنے آیا تو امام مزنی، امام ربیع مرادی اور ابن عبد الحکم کے سے نامور اور باصلاحیت شاگردوں کی موجودگی میں نظر انتخاب امام بویطی پر پڑی اور اور جب ان کا وقت وصال قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کے حلقہ کی مسند نشینی اور قائم مقامی امام بویطی کریں گے۔[1] اس سے پہلے بھی ایک بار امام شافعی نے اپنی مجلس میں فرمایا تھا کہ میری جانشینی کا حقدار یوسف بن یحیٰی بویطی سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔[2] عملاً بھی امام شافعی اپنی حیات ہی میں ان کو اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے اور وہ اس طرح کہ مسائل و استفتاء کے جواب دینے میں امام بویطی پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے ان سے فرماتے تھے کہ ان کے جواب تم دو اکثر مسائل وہ امام بویطی کی جانب منتقل کر دیتے اور ان کے جوابات سے مطمئن ہو کر ان کی تصویب بھی فرما دیتے۔[3] اس طرح ایک بہترین معلم و مربی کی طرح امام شافعی کی جوہر شناسی امام بویطی میں کسی قسم کی کمی نہ رکھنا چاہتی تھی، کبھی کبھی امام بویطی کی اصابت رائے معاملہ فہمی اور حسن استدلال سے متاثر ہو کر امام شافعی فرماتے کہ ابو یعقوب لسانی، ابو یعقوب بویطی میری زبان ہیں۔[4] امام بویطی کے تقوی و تقشف اور حلم و وقار کی وجہ سے بھی امام شافعی کی نگاہوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا، امام ربیع جو امام بویطی کے ہم عصر و ہم درس تھے کہتے ہیں کہ کان ابو یعقوب من الشافعی بمکان مکین، ابو یعقوب بویطی کا امام شافعی کے نزدیک اونچا درجہ و مرتبہ تھا۔[5]

---

[1] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۳ [2] مراۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۰۲ [3] وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۵ [4] ایضاً ص ۴۱۶ [5] تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج ۱۴ ص ۳۰۱۔

امام شافعی کا انتقال ہوا تو ان کی مسند علم کی جانشینی امام بویطی کے نصیب میں آئی، قولاً و فعلاً وہ امام شافعی کے جانشین مقرر ہو چکے تھے، مگر امام شافعی کے انتقال کے بعد ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جو خلاف توقع نہ تھا، ابوبکر بن خزیمہ کے حوالہ سے یہ واقعہ منقول ہے، کہ جانشینی کے سوال پر امام بویطی اور ابن عبدالحکم کے درمیان کشمکش پیدا ہو گئی، ابن عبدالحکم مصر کے سربرآوردہ اور نامور مالکی عالم تھے امام شافعی مصر تشریف لائے تو یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم فقہ کی تحصیل کی، امام شافعی کے انتقال کے بعد انھوں نے جانشینی کے استحقاق کا دعویٰ کیا، جواب میں امام بویطی نے اپنے حق کا اعادہ کیا حسن اتفاق سے اس وقت مصر میں امام شافعی کے قدیم کی شاگرد و محدث امام حمیدی موجود تھے، انہوں نے فیصلہ امام بویطی کے حق میں دیا، امام حمیدی نے فرمایا کہ خود مجھ سے امام شافعی نے فرمایا تھا کہ میری مجلس کا حقدار، امام بویطی سے بڑھ کر کوئی نہیں اور نہ میرے ساتھیوں میں کوئی ان سے زیادہ صاحب علم ہے، ابن عبدالحکم نے یہ سن کر امام حمیدی سے کہا، آپ نے غلط بات کہی، اس پر امام حمیدی نے کہا کذبت انت وابوك وامك غلط بات تو تم نے اور تمہارے ماں باپ نے کہی، اس سخت جواب سے ابن عبدالحکم بہت ناراض ہوئے، حتیٰ کہ اپنے شافعی مسلک کو خیرباد کہہ کر ... سابقہ فقہی مسلک کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔[1]

ایک روایت کے مطابق یہ تنازعہ امام شافعی کی زندگی میں بھی پیش آیا اور جب امام شافعی کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے فرمایا الحلقة للبویطی، مجلس بویطی کی ہے۔[2]

---

[1] تاریخ بغداد؛ خطیب بغدادی ج ۱۴ ص ۳۰۰ [2] طبقات کبریٰ سبکی ج ۱ ص ۲۷۵

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عبدالحکم، امام شافعی کی وفات سے دو ماہ پیشتر ہی مالکی مسلک اختیار کر چکے تھے۔ ابن بدایہ نے تو صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ چونکہ امام شافعی نے امام بویطی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اس سے ناراض ہو کر ابن عبدالحکم نے اپنے والد کے مسلک یعنی مسلک مالکی کو دوبارہ اختیار کر لیا۔[1]

امام شافعی کی دلداری امام شافعی اپنے شاگردوں سے جس شفقت و محبت، دلداری و دل نوازی اور اخلاص والفت سے پیش آتے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے شاگرد ہمیشہ ان کے بارہ میں محبت وعقیدت کے جذبات سے سرشار رہتے تھے اور یہ نشہ ایسا چھایا رہتا کہ تا عمر نہ اترتا۔ امام بویطی بھی محبوب مربی استاد کی یادوں کو فراموش نہ کر سکے ان کی خلوت و جلوت میں امام شافعی کا ذکر بار بار ہوتا۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ میں نے بہتوں کو دیکھا لیکن بخدا کسی بھی صنف علم میں امام شافعی کے ہم پلہ تو کیا کچھ کم تر بھی نہ پایا جو لوگ بھی ورع و تقوی میں حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سب سے ممتاز میں نے امام شافعی کو پایا۔[2]

وہ فرماتے کہ ہم نے امام شافعی کی صحیح قدر تو اس وقت جانی جب اہل عراق کو دیکھا کہ وہ امام صاحب کی خوبیوں کا ذکر اس کثرت اور عقیدت سے کرتے ہیں کہ ہم اس کا نصف بھی نہیں کرتے۔ اہل عراق (حنفی) اہل حدیث اور زبان داں بیک زبان کہتے تھے کہ انہوں نے امام شافعی کا سا اور کسی کو نہیں دیکھا۔[3] امام ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے امام بویطی کو اکثر اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ امام شافعی سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکے، میں نے ایک بار عرض کیا کہ امام شافعی

---

[1] طبقات۔ ابن بدایہ ص ۸ [2] تہذیب الاسماء : نودی ج ۱ ص ۵۸ [3] ایضاً

آپ سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے، اپنے تمام ہم نشینوں پر ترجیح و اولیت دیتے تھے پھر کون سا امر مانع تھا کہ آپ اپنی خواہش کے مطابق استفادہ نہ کر سکے؛ امام بویطی نے جواب دیا یقیناً میرے ساتھ ان کا مقام شفقت و لینیت کا تھا لیکن ان کی نرم گفتاری اور علمی انکسار کے باوجود میرا یہ عالم تھا کہ ان کے جلال علم سے ہمیشہ لرزاں رہتا اور یہ کیفیت مجھ سے ہی خاص نہ تھی، میں نے امام شافعی کی بارگاہ میں باجبروت امرا حتی کہ سلاطین کو دیکھا کہ ان پر امام شافعی کی ہیبت علمی چھائی رہتی تھی،[۱] امام بویطی کا یہ انکسار اور کما حقہ سیرابی نہ ہونے پر اظہار افسوس، ان کے فرط ادب اور درویشانہ طرز عمل کی نشانی ہے، ورنہ وہ علم و فضل اور تقوی و تقشف میں بجا طور پر امام شافعی کے جانشین تھے،

امام احمد بن حنبل امام بویطی کی اس جانشینی کے معترف تھے، ایک صاحب نے علم حدیث میں خاصی واقفیت بہم کر لینے کے بعد جب امام اوزاعی، امام ثوری اور امام مالک کے فقہی مسلکوں کی تحصیل کا ارادہ ظاہر کیا تو امام احمد بن حنبل نے ان کو فقہ شافعی حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے لیے امام بویطی کی خدمت میں حاضر ہونے اور سماعت کرنے کی رائے دی،[۲]

تقوی و ریاضت: امام بویطی اپنی علمی صلاحیت اور فقہی مہارت کے علاوہ خیر کے امور اور اعمال حسنہ میں بھی قابل رشک اور لائق تقلید تھے، وھو متبوع فی صنائع المعروف،[۳]

دن میں ان کے اوقات کا بیشتر حصہ اذکار، تعلیم و تعلم کی مشغولیتوں میں گذرتا

---

[۱] تہذیب الاسماء: نووی ص ۵۹ [۲] الانتقاء: ابن عبد البر ص ۷۶ ......

[۳] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶

اور رات کا اکثر حصہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل کی ادائی سے معمور رہتا، تلاوت پر خصوصی توجہ تھی، اس کثرت سے تلاوت کرتے کہ دن رات گزرنے بھی نہ پاتے اور وہ قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔[1]

تلاوت کی کثرت سے جذبات میں رقت، دل میں گداز اور لہجہ میں سوز پیدا ہو گیا تھا، امام سبکی کہتے ہیں کہ وہ بے حد رقیق القلب تھے، اس لیے اکثر آنسو رواں رہتے کان سریع الدمعہ[2]

ابو الولید بن جارود کا بیان ہے کہ امام بویطی میرے پڑوسی تھے، رات میں جب جب میری آنکھ کھلتی میں ان کو تلاوت یا نماز میں مشغول پاتا[3]

امام مرادی کا قول ہے کہ امام بویطی کے لب ہمیشہ خدا کے ذکر سے لبریز و متحرک رہتے۔

ابن ندیم کے الفاظ میں، امام شافعی کے ساتھیوں میں امام مزنی سے زیادہ فقیہ اور امام بویطی سے زیادہ صالح کوئی نہیں تھا[4] یاقوت حموی کے الفاظ میں وہ امام ربانی تھے،[5]

احکام شریعت اور تقلید سنت میں بڑے سخت تھے، خطیب بغدادی نے نمایاں انداز میں ان کے تقشف کا ذکر کیا ہے،[6] امام ربیع فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہم نوعی حجت لینے میں امام بویطی سے زیادہ استحضار میں نے کسی میں نہ دیکھا،[7]

---

[1] تاریخ بغداد: خطیب جلد ۱۴ ص ۳۰۲ [2] طبقات الشافعیہ سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ [3] طبقات۔ شیرازی صفحہ ۸۰

[4] فہرست ابن ندیم ص ۲۹۵ [5] معجم البلدان۔ یاقوت حموی ج ۱ ص ۳۱۲ [6] تاریخ بغداد خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ [7] طبقات شیرازی ص ۸۰

جامع عمرو بن العاص میں جہاں امام شافعی درس و تدریس کی مسند کو زینت بخشتے تھے، امام بویطی کا فیضان علم اسی رونق سے جاری رہا، دور دراز سے شائقین علم آتے اور امام بویطی کے ہاتھوں امام شافعی کی میراث کی دولت اپنے اپنے علاقوں میں لے جا کر عام کرتے، علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ امام بویطی شخصی طور سے سبک روح اور نرم خو تھے، پردیسیوں سے ان کا برتاؤ قربت و موانست کا رہتا، وہ بڑی خوبی سے ان کے سامنے امام شافعی اور ان کی کتابوں کی فضیلت و کمال کو واضح کرتے، ان کا یہ اسلوب اس قدر دلکش اور موثر ہوتا کہ طالبین و شائقین کی ایک کثیر جماعت ان کی خدمت میں حاضر رہتی۔[۱]

فتنہ خلق قرآن: امام بویطی سالہا سال، امام شافعی کی مسند افتاء و تدریس کی رونق بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ ۲۲۷ھ میں وہ فتنہ خلق قرآن میں شدائد و مصائب کا نشانہ بنے اور اس طرح انہوں نے دنیا والوں کے سامنے ہمت و عزیمت کا درس اعلیٰ بھی پیش کیا۔[۲]

اسلام کی تاریخ عزیمت میں فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کے بعد امام بویطی ہی کی شخصیت ہے جو صبر و ثبات، اثبات علی الحق اور قید و بند میں بھی حریت فکر و عقیدہ کے اظہار میں سرخروئی اور کامیابی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے واثق باللہ[۳]، معتصم کے انتقال کے بعد ۲۲۷ھ میں تخت نشین ہوا اور اسی

---

[۱] الانتقاء: ابن عبد البر ص ۱۰۹، ۱۱۰ [۲] تہذیب الاسماء: نووی ص ۵۸ [۳] یہ وہی واثق باللہ ہے جس نے بہت سے محدثین اور علماء حق کو قید و بند اور قتل کی سزائیں دیں مشہور صاحب عزیمت بزرگ احمد بن نصر خزاعی کو تختہ دار پر چڑھایا، امام احمد کو جلاوطن کیا امام احمد بن حنبل اس کے زمانہ خلافت میں روپوش رہے، جمعہ و جماعت کے لیے بھی باہر نہیں نکلتے تھے البدایہ والنہایہ: ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳۵۔

کے دور میں امام بویطی کو پابند زنجیر وسلاسل کیا گیا، یہاں تک کہ چار برس کے بعد اسی قفس آہنی سے ان کا طائر روح پرواز کر گیا[1]۔

فتنۂ خلق قرآن میں امام بویطی کی آزمائش کے اولین اسباب و محرکات کیا ہیں؟ جب کہ وہ اس فتنہ کے خاص مرکز دارالخلافہ بغداد سے دور مصر میں تھے، مصر کے دوسرے علماء جن میں کثرت سے شوافع بھی تھے، اس فتنہ سے دامن کش، خاموش اور بظاہر بے تعلق سے تھے، حالانکہ بغداد میں امام احمد بن حنبل اور ان کے متبعین اس فتنۂ ضالہ کے ازالہ اور کلمۂ حق کے اعلان اور اس کی پاداش میں اذیت و تعذیب کا شکار رہے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہی کہی جا سکتی ہے کہ امام بویطی کی علمی جلالت شان ان کا تفقہ اور اس سے بڑھ کر ان کا تقویٰ و تقشف جو دین کے امور میں کسی مداہنت کو برداشت نہ کر سکتا تھا، علم کلام اور اہل کلام سے ان کی بیزاری جو ان کو امام شافعی سے ورثہ میں ملی تھی[2] اور خود امام احمد بن حنبل سے قلبی تعلق ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بعض ہم عصر و ہم درس رفقاء کے برخلاف اپنے ضمیر کی آواز کو دبا نہیں سکے اور انجام کار مصائب و محن کا مردانہ وار مقابلہ کیا،

دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ مرجعیت و قبولیت کی نعمتوں کے حصول کے بعد شخصیتیں محسود ہو جاتی ہیں، غلط طینیت، بے صلاحیت اور زمانہ ساز ذہنوں میں ایسی شخصیتوں کے بارہ میں طبعی طور پر رشک و حسد کے سفلی جذبات در آتے ہیں، ہو سکتا ہے

---

[1] تہذیب الاسماء؛ نووی ص ۵۸ [2] امام شافعی، علم کلام اور متکلمین کے بارہ میں بہت سخت تھے ان کا قول تھا کہ اہل کلام کو زود کوب کیا جائے اور اونٹوں پر بیٹھا کر بستیوں اور قبیلوں میں ان کو رسوا کیا جائے اور پکار پکار کہا جائے کہ یہ سزا کتاب و سنت کے ترک کی پاداش میں ہے، معجم المصنفین ص ۲

کہ امام بویطی کے ساتھ بھی المیہ پیش آیا ہو جیسا کہ امام سبکی نے لکھا ہے کہ معاندوں نے زور صرف کیا حاسدوں نے مکروفریب کیا اور واثق باللہ کے وزیر اور مشہور قائل خلق قرآن قاضی احمد بن ابی دواد کے پاس امام بویطی کی شکایت لکھ کر بھیجیں، قاضی ابن ابی دواد نے والی مصر کے پاس خط لکھ کر حکم دیا کہ امام بویطی سے پرسش کی جائے، حسن اتفاق سے والی مصر، امام بویطی کے بارہ میں خود اچھی رائے رکھتا تھا، اس نے امام بویطی سے کچھ گفتگو کے بعد اپنے اطمینان کا اظہار کیا، لیکن بات یہیں آ کر ختم نہ ہوئی اور آخرکار حاسدوں کو اپنی مہم میں اس وقت کامیابی نصیب ہوئی جب امام بویطی کو باجود لال چالیس رطل فولادی بیڑیوں میں جکڑ کر بغداد لے جایا گیا،[۱]

یہ حاسدین کون تھے؟ اس کا بالتعیین جواب دینا مشکل ہے اور یقیناً پردۂ خفا میں ہے،

ابن ہدایہ جو مصنف کے لقب سے معروف اور اپنی کتاب طبقات کی وجہ سے مشہور رہیں، اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک نامور شافعی عالم گذرے ہیں، لکھتے ہیں، کہ قاضی ابن ابی اللیث حنفی، امام بویطی سے حسد رکھتے تھے، انھوں نے امام بویطی کو والیٔ مصر کے سامنے حاضر کرایا کہ ان سے خلق قرآن کے اثبات میں بیان لیا جائے، لیکن امام بویطی کے انکار کے بعد ان کو ایک جماعت کے ساتھ جس میں دوسرے شافعی علماء بھی شامل تھے، روانہ کر دیا گیا،[۲]

علامہ ابن عبد البر قرطبی جو پانچویں صدی ہجری میں گذرے ہیں، ان کا قول بھی اسی قسم کا ہے، ان کے مطابق قاضی ابن ابی اللیث حنفی نے حسد میں امام بویطی کو اس

---

[۱] تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ [۲] طبقات: ابن ہدایہ ص ۴

آزمائش میں ڈالا جب کہ دوسرے شافعی ائمہ بھی تھے. مگر ان سے تعرض نہ کیا، لیکن ابن عبدالبر کا یہ بیان خود ان کی کتاب الانتقاء میں موجود نہیں ہے. ابن خلکان نے اس بیان کو نقل کیا ہے[1]

ایک اور معتبر راوی ابوعمر کندی متوفی ۳۵۰ھ ہیں وہ اتنا اشارہ ضرور کرتے ہیں کہ معتصم نے ہارون بن عبداللہ قاضی مصر سے خلق قرآن کے مخالفین کی فہرست مانگی لیکن وہ دامن بچا گئے، اس کے بعد قاضی ابن ابی دواد نے قاضی محمد بن ابی اللیث سے یہ فہرست مانگی، انھوں نے سربرآوردہ مخالفین کے نام ان کو دیدیے، ان ناموں میں امام بویطی کے علاوہ نعیم بن حماد اور مختنام محدث بھی شامل تھے[2]

مگر خطیب بغدادی م ۴۶۳ھ اور ابواسحٰق شیرازی م ۴۷۶ھ جو زمانی لحاظ سے دوسرے مولفین و مورخین کی بہ نسبت زیادہ قدیم ہیں اس باب میں خاموش ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ امام سبکی م ۷۷۱ھ جن کی طبقات کبری، تقریباً طبقات شافعیہ میں سب سے مکمل و مفصل کتاب ہے اور جس میں بیشتر وہ تفصیلات ملتی ہیں جو طبقات کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں قاضی ابن ابی اللیث حنفی کے اس حسد و انتقام کے افسانہ کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں اور ایک انتہائی ناقابل یقین روایت کو جس کے ضعف کی جانب وہ خود بھی اشارہ کرتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام بویطی کے خلاف سازش میں ان کے ہم درس اور ان ہی کی طرح ممتاز ترین فقیہ امام مزنی امام حرملہ اور خود امام شافعی کے صاحبزادہ شامل تھے، امام سبکی کے الفاظ یہ ہیں،

---

[1] وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۵۱۴۔ ۴۱۶ [2] کتاب الولاۃ و القضاۃ: ابوعمر کندی

وقیل کان المزنی وحرملۃ وابن الشافعی ممن سعی بالبویطی[1]

کہا جاتا ہے کہ مزنی وحرملہ اور ابن شافعی ان لوگوں میں جنہوں نے امام بویطی کے خلاف چغل خوری کی

ابو جعفر ترمذی کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک ثقہ شخصیت نے امام بویطی کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ میرے خون سے سارے لوگ بری ہیں، سوائے تین لوگوں کے اور وہ ہیں حرملہ، مزنی اور ایک صاحب اور۔ امام سبکی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر یہ حکایت وروایت درست ہے تو تیسرے شخص کو مجہول ومبہم رکھنے میں شاید یہ نکتہ ہے کہ امام بویطی نے اپنے استاد امام شافعی کی رعایت سے ان کے صاحبزادے کا نام صراحت سے نہیں لیا، اس روایت کے ناقابل قبول ہونے میں یقیناً کسی تامل کی گنجائش نہیں کہ امام مزنی، امام حرملہ اور صاحبزادہ شافعی کے دینی وعلمی مقام سے یہ فروتر ہے، خصوصاً امام مزنی تو صاحبان ہمت وعزیمت کے مداح تھے، اور راسی فتنہ خلق قرآن میں حکومت وقت کے سب سے بڑے نشانہ بننے والے امام احمد بن حنبل کے بارہ میں ان کا یہ قول بہت مشہور رہا کہ حضرت ابوبکرؓ مرتدین کے بارہ میں فیصلہ کے دن حضرت عمرؓ سقیفہ کے دن، حضرت عثمانؓ شہادت کے دن حضرت علیؓ جنگ صفین کے دن اور احمد بن حنبل فتنہ خلق قرآن کے سبب آزمائش کے دن سرخرو ہوئے۔[2]

اب بات قاضی ابن ابی اللیث کی رہ جاتی ہے، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ قاضی ابن ابی اللیث حنفی پر عائد کردہ یہ جرم بعد کے حضرات کی اپنی اپج ہے، تاہم

---

[1] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۷۷ [2] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۰۰

چھٹی صدی سے گیارہویں صدی ہجری تک مختلف فقہی گروہوں کے درمیان سخت تعصب اور تحزب کی جو فضا قائم تھی، اس میں اس قسم کی گھڑی ہوئی روایتوں کا چل نکلنا بعید از قیاس نہیں ہے جن کو اس دور کے مؤلفین نے نادانستہ مستند سمجھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دیدی، حقیقت حال کا علم تو صرف علام الغیوب کو ہے

بہرحال امام بویطی نے اپنی زندگی کے آخری چار برس قیدخانہ میں گزارے لیکن وہاں بھی ان کی زبان اعلاد کلمۂ حق کے لیے آزاد رہی، امام ربیع ان سے ملنے گئے وہاں انہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ خچر پر سوار ہیں گردن میں بھاری بوجھ لٹکا ہوا ہے، دونوں پیروں میں بیڑیاں ہیں اور زنجیر اور پیروں کے درمیان آہنی زنجیریں ہیں[۱] اس عالم میں جب امام ربیع سے گفتگو ہوئی تو نہ حکومت کا شکوہ زبان پر آیا، نہ ان بیڑیوں اور زنجیروں کا گلہ، بلکہ اس وقت بھی وہ اپنی دلیل پر قائم رہے کہ اللہ تعالٰی نے ساری مخلوقات کو لفظ کُن سے پیدا فرمایا، اگر یہ لفظ کُن بھی مخلوق ہوتا تو دوسری مخلوقات کے ساتھ ہی خلق میں آتا، ان نئے فلسفیوں اور متکلموں کی یہ موشگافیاں کیسے تسلیم کی جائیں کہ اللہ تعالٰی نے مخلوق کو مخلوق سے پیدا کیا، حالانکہ اللہ تعالٰی فنائے خلق کے بعد فرماتا ہے، لمن الملک الیوم، آج کس کی بادشاہی ہے اس وقت نہ کوئی داعی ہوتا ہے اور نہ کوئی مجیب، چنانچہ پھر خدا تعالٰی فرماتا ہے، للّٰہ الواحد القھار، بادشاہی صرف خدائے یکتا و قہار کے لیے زیبا ہے تو اگر یہ کلام خدا مخلوق ہوتا تو دوسری مخلوقات کے ساتھ ہی فنا نہ ہو جاتا،[۲]

وہ اس باب میں اس درجہ متشدد تھے کہ فرماتے جو کلام اللہ کو مخلوق کہے وہ کافر ہے

---

[۱] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ [۲] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶

وہ فرماتے کہ اگر میں خلیفہ واثق باللہ کے روبرو پیش کیا جاؤں گا تو اپنی اسی بات پر قائم رہوں گا، اور بہ بانگ دہل اسی عقیدہ کا اعلان و اقرار کروں گا[1] وہ جذبۂ حق سے ایسے سرشار تھے کہ برجستہ یہ فرماتے: میں ان زنجیروں ہی میں مروں گا حتیٰ کہ لوگ آئیں گے اور تب جانیں گے کہ بویطی نے اس شان سے اپنی جان دی کہ گویا ایک قوم تھی جو بیڑیوں میں جکڑی تھی اور اسی عالم میں وہ آزاد ہوئی۔

بہرحال خلق قرآن کا یہ خالص علمی وکلامی مسئلہ جو موشگافیوں اور فلسفہ وکلام کے غیر ضروری مباحث ومسائل میں الجھنے کا شاخسانہ اور چند جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہنی تگ ودو کی آماجگاہ تھا، جس طرح ایک سیاسی فتنہ بنا اور جس طرح اس فتنہ میں صدہا علماء حق کی ابتلاء وآزمائش ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام بویطی نے جس صبر وثابت قدمی کی مثال پیش کی، وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

امام سبکی فرماتے ہیں کہ امام بویطی پر اللہ تعالیٰ رحمتوں کی بارش کرے یقیناً وہ مقام صدیقیت پر فائز تھے۔[2]

امام ساجی فرماتے ہیں کہ امام بویطی بیڑیوں ہی میں ہر جمعہ کو غسل فرماتے خوشبو لگاتے اپنے کپڑوں کو دھوتے اور جب اذان کی آواز سنتے تو پابجولاں، باب زنداں تک بے قرار آتے لیکن جیل کے نگراں ان کو واپس کردیتے اور عین اسوقت امام بویطی درد و شوق سے کہتے کہ اے اللہ! تو سن اور گواہ رہ کہ تیرے پکارنے والے کی آواز میں نے سنی اس پر لبیک کہا، مگر یہ لوگ مجھے تیرے حضور نہیں آنے دیتے۔[3] ابو عمر و مستملی کا بیان ہے کہ ایک بار محمد بن یحییٰ ذہلی کی مجلس میں امام بویطی

---

[1] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ [2] ایضاً [3] تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲

کا ایک زنداں نامہ پڑھا گیا، جس میں انہوں نے امام ذہلی سے مخاطب ہو کر لکھا تھا کہ میرے حال سے میرے بھائیوں کو باخبر کر دیجئے کہ شاید ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ مجھے رہائی عطا کرے اور رہائی کی تمنا صرف اس لیے ہے کہ میں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں اور طہارت و نماز جیسے فرائض کی ادائی سے عاجز ہوں، مجلس کے حاضرین اس خط کو سن کر بے اختیار رو پڑے [1]

امام ربیع کے نام ایک خط میں لکھا کہ اب تو یہ حال ہے کہ اکثر یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ میرے جسم پر زنجیروں اور بیڑیوں کا بوجھ ہے [2]۔ ایسے ہی ایک خط میں لکھا کہ پردیسیوں اور اجنبیوں کے ساتھ صبر و ضبط کا معاملہ کرنا، اپنے حلقہ کے لوگوں کے لیے حسن اخلاق کا بہتر سے بہتر نمونہ پیش کرنا، کیونکہ میں نے امام شافعی کو اکثر یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے،

[3]
اھین لھم نفسی لکی یکرمونھا ولن تکرم النفس التی لا تھینھا

لوگوں کے لیے میں اپنے نفس کو حقیر رکھتا ہوں، تاکہ لوگ اس کی عزت کریں جس نفس کو تم متواضع نہ بناؤ گے وہ کبھی معزز نہ ہوگا،

آخر کار مسلسل چار برس قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اسی عالم میں وہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، جمعہ کے روز، نماز سے قبل ماہ رجب ۱۳۲ھ میں قید خانہ بغداد میں ان کا وقت رہائی آن پہنچا [4]،

ابن ہدایہ نے سال وفات ۲۳۲ھ اور ابن فرات نے انتقال کا دن

---

[1] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۷ [2] وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۱۶۴

[3] تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ وغیرہ [4] ایضاً،

سہ شنبہ لکھا ہے[۱] لیکن صحیح روایت اول الذکر ہے، کیونکہ امام سبکی، ابن خلکان امام یافعی، علامہ سیوطی، خطیب بغدادی اور ابن ندیم نے اسی کی تائید کی ہے، خطیب بغدادی نے اس رائے کو موسیٰ بن ہارون کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ یہ اس لیے اور بھی معتبر ہے کہ موسیٰ بن ہارون خود جنازہ میں شریک تھے، اس طرح گویا ابویعقوب یوسف کے نام اور مصر کی نسبت سے انہوں نے سنت یوسفی کا ایک بار پھر احیاء کیا اور امام شافعی کی اس پیش گوئی کے حرف بحرف مصداق ہوئے جس کو برسوں پہلے امام شافعی نے ظاہر کیا تھا اور شاید علم کلام کی روز افزوں گرم بازاری اور امام بویطی کی حق پسند اور متقشفانہ رجحان طبع کے پیش نظر امام شافعی کی مومنانہ فراست نے کہلایا تھا کہ،

اما انت یا یعقوب	اور تم اے بویطی
فتموت فی حدیدک	اپنی بیڑیوں میں جان دوگے

تلامذہ امام بویطی کے ورثا میں کسی اولاد حقیقی کا ذکر نہیں ملتا، لیکن ان کی اولاد معنوی کی فہرست میں کئی نام بہت مشہور رہیں، ابراہیم بن اسحاق حربی، محمد بن اسماعیل ترمذی، ابو حاتم احمد بن ابراہیم، قاسم بن ہاشم قاسم بن مغیرہ، احمد بن منصور رمادی، موسیٰ بن ابی الجارود اور امام الائمہ ابن خزیمہ کے سے نامور محدثین اور فقہا، ان کے شاگرد ہیں،[۲]

موسیٰ بن ابی الجارود ابراہیم بن اسحاق حربی، ابوحاتم اور ابن خزیمہ کا شما[ر]

---

[۱] طبقات، ابن ہدایہ ص ۴ حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۲۳ [۲] تاریخ بغداد: خطیب ج ۴ ص ۴۲

[۳] مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۰۲

تو ائمہ کبار میں ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ انکے رفیق درس اور امام شافعی کے سب سے بڑے راوی امام ربیع مرادی نے بھی ان سے روایت کی ہے،

تالیفات: ان شاگردوں کے علاوہ کتاب کی صورت میں ان کی علمی یادگار مختصر البویطی ہے، مختصر المزنی کی طرح امام بویطی کی المختصر بھی مشہور و متداول ہوئی[۱]، یہ دراصل امام شافعی کے کلام کا منتخب خلاصہ ہے اور کتاب المبسوط کے ابواب پر غایت درجہ عمدہ کتاب ہے[۲]، امام سبکی کے زمانہ تک یہ کتاب دستیاب تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب سے واقف ہوں، علماء و فقہاء کے یہاں اُس کی شہرت ہے[۳]، اسی کتاب کے بارہ میں مشہور شافعی عالم ابو العباس اصم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، امام بویطی کی کتاب ہمیشہ اپنے پاس رکھو، یہ ساری کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے[۴] اس کتاب کے علاوہ ابن ندیم نے دو اور کتابوں کے نام گنائے ہیں، ۱۔ کتاب المختصر الکبیر ۲ کتاب الفرائض، لیکن یہ دونوں کتابیں اب کہیں موجود نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ صاحب کشف الظنون نے مختصر البویطی کا تو ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارہ میں کسی قسم کا تشریحی نوٹ نہیں لکھا ہے[۵]، کتاب الفرائض کے بارہ میں بھی علامہ حلبی خاموش ہیں، حالانکہ انہوں نے ابو ثور کرابیسی اور امام ربیع کی کتاب الفرائض کا ذکر کیا ہے[۶]، امام شافعی کی شہرہ آفاق کتاب کتاب الام کے جامع درحقیقت امام بویطی ہیں، لیکن بحیثیت جامع ان

---

[۱] تاریخ التشریع الاسلامی: محمد خضری ص ۲۶ [۲] طبقات کبری: سبکی ج ص ۲۷۶ [۳] ایضاً، [۴] وفیات: ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵ [۵] کشف الظنون: چلپی ج ۲ ص ۱۶۲۵ [۶] ایضاً،

کے نام کا ذکر نہیں ہے، کتاب الام کی تبویب امام ربیع مرادی نے کی تھی چنانچہ وہ ان ہی سے منسوب ہوئی لیکن امام غزالی کا قول یہی ہے کہ اس کتاب کے اصل مرتب امام بویطی ہیں، گو انہوں نے اپنے نام کا کہیں ذکر نہیں کیا اور نہ خود سے منسوب کیا، علامہ عسقلانی کا بھی یہی خیال ہے[1] لیکن زمانہ حال کے ایک محقق کا یہ تبصرہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الام میں امام شافعی کے اقوال کو اولاً امام بویطی نے جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل امام ربیع کے ہاتھوں ہوئی[2] اس سلسلہ میں امام ربیع کے ذکر میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے،

چند اقوال امام سبکی نے امام بویطی سے منقول بعض دقیق و غریب مسائل کا استخراج کیا ہے، اسی طرح امام نووی نے بھی مختصر البویطی کی کتاب العتق، کتاب الولاء کتاب الطلاق، کتاب البینۃ کے بعض دقیق مسائل کا استخراج کیا ہے، جن سے امام بویطی کی صلاحیت استقراء اور اخذ و استدلال میں دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن ان مسائل کو شرح و بسط کے ساتھ ان اوراق میں پیش کرنا باعث طوالت ہوگا، البتہ امام بویطی سے منقول امام شافعی کے چند دلچسپ اقوال پیش ہیں امام بویطی نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شرافت و نجابت میں سے یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی عمر بیان کرتا پھرے فرمایا کہ امام شافعی سے دریافت کیا گیا کہ احکام یا علم فقہ کے اصول کتنے ہیں، فرمایا پانسو، امام مالک کے پاس ان میں سے پینتیس اصول کم ہیں، جبکہ سفیان بن عیینہ کے نزدیک صرف پانچ اصول کم ہیں

---

[1] معجم المصنفین: ٹونکی ج ۲ ص ۱۶۲۵ تا ۱۶۳۰ [2] اختلاف الفقہاء للطبری: معصومی ص ۱۲

ایک اور دلچسپ قول امام بویطی یہ نقل کرتے ہیں کہ ثرید کو پلیٹ کے درمیان سے کھانا، دو پھلوں کو ایک ساتھ کھانا، اور رات کے وقت پردیس سے گھر آنا حرام ہے، وہ یہ مسئلہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھویا جائے گا، اور پہلی و آخری مرتبہ اسے مٹی سے دھویا جائے گا، ورنہ وہ پاک نہ ہوگا خنزیر کو وہ اسی پر قیاس کرتے ہیں، وہ یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ اہل حدیث کی صحبت و اقوال کو اختیار کرو کہ وہ دوسروں کے بہ نسبت بہ زیادہ قریب صواب ہوتے ہیں[1]،

بہرحال امام بویطی کی اس جلالت شان و مرتبت علمی کے باوجود، علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان دس ائمہ کبار میں جن سے مسلک شافعی کی ترویج و اشاعت ہوئی امام بویطی کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ امام بویطی کی زندگی کا وہ حصہ جو امام شافعی کے بعد ان کی فقہ کی اشاعت میں زیادہ مفید و معاون ہوتا، امام بویطی کے فتنہ خلق قرآن کی ابتلاء و آزمائش کی وجہ سے افادہ عام کے نقطہ نظر سے زیادہ سرگرم عمل نہ رہ سکا، ورنہ کبار اصحاب شافعی میں انکا شمار چند اولین ناموں میں ہوتا ہے، جیسا کہ خود امام عسقلانی نے ان کو ایک جگہ امام مشہور اور مرتبت کے لحاظ سے سب سے فائق کے الفاظ سے یاد کیا ہے[2]، اور علامہ سیوطی نے تو ان کو مصر کے علماء مجتہدین میں شمار کیا ہے[3]، لیکن حقیقت یہی ہے کہ امام بویطی کا ذکر ان کے کارناموں کے شایان شان اس تفصیل سے نہیں ہوا جسکے وہ مستحق تھے خطیب بغدادی کا احساس بھی یہی تھا کہ "وقد کتب عنہ شی یسیر" یعنی ان کے بارہ میں بہت تھوڑا لکھا گیا ہے[4]

---

[1] طبقات کبری، سبکی ج ۱ ص ۲۷۷، ۲۷۸ [2] معجم المصنفین ص ۲۶۱ [3] حسن المحاضرہ، سیوطی ج ۱ ص ۱۲۳
[4] تاریخ بغداد، خطیب ج ۱۴، ص ۳۰۲

امام ابو ثور

امام شافعی کے مصری شاگردوں اور جدید فقہ شافعی میں چار نمایاں ترین حضرات یعنی امام مزنی، امام مرادی، امام بویطی، اور امام صدفی کے اسمائے گرامی شامل ہیں، موجودہ فقہ شافعی کا دارومدار انہی حضرات کی روایات پر ہے، تاہم فقہ شافعی کی ترویج و اشاعت میں امام شافعی کے بغدادی شاگردوں اور قدیم فقہ شافعی کے چار اور راویوں اور ناقلوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہ چار حضرات امام احمد بن حنبل[1]، امام زعفرانی، امام کرابیسی اور امام ابو ثور ہیں، ان بزرگوں کی اہمیت یوں اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ یہ فقہ حنفی کے سب سے بڑے مرکز میں، امام شافعی کے مکتب فکر کے شارح اور مبلغ ثابت ہوئے

امام شافعی پہلی بار ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے اور تقریباً دو سال یہاں قیام کیا، یہیں انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی فرمائش پر اصول فقہ میں غالباً سب سے پہلی کتاب، کتاب الرسالہ کو مدون کیا اور یہیں ان کی مجلسوں میں علوم حدیث و فقہ کی گرم بازاری رہی، بغداد کے دینی و علمی حلقوں کے بہترین افراد ان مجلسوں کی زینت رہے، امام احمد بن حنبل، امام زعفرانی، امام کرابیسی، قاسم بن سلام، ابو عبدالرحمٰن احمد بن محمد اشعری اور ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم کے سے نامور اہل علم و فقہ، ان علمی

---

[1] امام احمد بن حنبل گو بعد میں ایک جدا مکتب فکر کے بانی ہوئے، لیکن فقہ شافعی کے قدیم رواۃ میں بہرحال ان کا شمار ہوتا ہے۔

محفلوں کے مستقل حاضر باش تھے اور در حقیقت فقہ شافعی کو اصل اہمیت یہیں ملی اور فقہ حنفی کے بعد اس کے دوسرے اہم مکتب فکر ہونے کی بنیاد یہیں پڑی، امام زعفرانی کے حالات میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، ان کے بعد دوسری اہم شخصیت امام ابو ثور کی ہے، ان کا ذکر گو طبقات و تراجم کی کتابوں میں نہایت شاندار الفاظ میں آتا ہے، مثلاً وہ فقہ علم، ورع، فضل اور خیر میں ائمہ کی صف میں شمار ہوتے ہیں[۱] وہ الامام الجلیل ہیں[۲] لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات کی کماحقہ تفصیلات سے ان کتب کے صفحات کا دامن تنگ نظر آتا ہے، ان کی علمی و فقہی خدمات کا ذکر جس تفصیل سے ملنا چاہیے وہ نہیں ملتا اور اس طرح یہ آئینہ عدم توجہ اور امتداد زمانہ کے غبار سے دھندلا ہو کر رہ گیا ہے تاہم ان کی شخصیت سے متعلق جس قدر معلومات فراہم ہو سکی ہیں وہ سطور ذیل میں پیش ہیں،

نام و نسب نام ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی ہے، ابو عبداللہ کنیت اور لقب ابو ثور ہے، اور اسی لقب نے شہرت دوام حاصل کی، تاریخ و مقام پیدائش کے بارہ میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، لیکن چونکہ ۲۴۰ھ میں وفات کے وقت ان کی عمر ستر برس کی تھی اس لیے سال پیدائش ۱۷۰ھ کہا جا سکتا ہے، بغداد میں مستقل قیام و سکونت کی وجہ سے ظن غالب یہ ہے بغداد ہی ان کی جائے پیدائش ہے،

اساتذہ امام ابو ثور نے جن حضرات سے کسب فیض کیا، ان میں ابو سفیان بن عیینہ، ابن علیہ، عبید بن حمید، ابو معاویہ، وکیع، معاذ بن معاذ، عبد الرحمن بن مہدی اور یزید بن ہارون جیسے ائمہ کبار شامل ہیں[۳]، اکتساب فیض کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب

---

[۱] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۲۸ [۲] تہذیب الاسماء: نودی ج ۲ ص ۲۰۰ [۳] تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج ۶ ص ۶۶

امام ابو ثور کے حسن ذوق اور ابتدا سے ان کی خوب سے خوب تر کی تلاش وجستجو کا ثبوت ہے

امام شافعی سے تعلق عراق اور خصوصاً بغداد میں فقہ حنفی کو رواج عام حاصل تھا، اس لیے امام زعفرانی کی طرح امام ابو ثور نے بھی ابتدا میں علم فقہ کی تحصیل، احناف کے طرز پر کی، ان کا مسلک بھی حنفی تھا[1] اور جس وقت بغداد میں امام شافعی تشریف لائے اس وقت امام ابو ثور بغداد میں امام محمد کے حلقہ فکر اور مجلس درس کے مستقل حاضر باشوں میں تھے، امام شافعی کی آمد کی خبر عام ہوئی تو امام ابو ثور، ایک دن امام کرابیسی کے ساتھ، امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے ابتدا میں وہ امام شافعی سے محض ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے بلکہ امام کرابیسی نے تو ان سے یہ کہا کہ امام شافعی آئے ہوئے ہیں حدیث کے ساتھ ان کو فقہ میں بھی دسترس حاصل ہے، ان کے پاس چلیں، کچھ تفریح ہی رہے گی فقم بنا نسخر بہ[2] خود امام ابو ثور فرماتے ہیں، کہ رواروی میں امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا[3] لیکن پہلی ملاقات میں ہی یہ احساس ہوا کہ امام شافعی کی ساری گفتگو میں صرف قال اللہ اور قال الرسول کی تکرار جمیل ہے، یہ نشست رات گئے دیر تک جاری رہی اور اس درجہ موثر ثابت ہوئی کہ ان دونوں حضرات کے تبدیل مسلک کا سبب بن گئی[4] ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعی سے جس مسئلہ پر ان کی اولین گفتگو ہوئی وہ ہر دور کا معروف اختلافی مسئلہ یعنی مسئلہ رفع یدین تھا، اس مسئلہ پر امام شافعی کے دلائل ان کو دلنشیں معلوم ہوئے، رفتہ رفتہ امام شافعی سے تعلق میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ امام محمد نے ان کی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں

---

[1] الانتقاء : ابن عبدالبر ص ۱۰۷ [2] تاریخ بغداد : خطیب ج ۶ ص ۶۸

[3] طبقات : شیرازی ص ۸۳ [4] تاریخ بغداد : خطیب ج ۶ ص ۶۸

کہ یہ حجازی (امام شافعی) میرے مقابلہ میں تم پر غالب آ رہے ہیں! امام ابوثور نے بغیر کسی اعتذار کے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے اور یہ اس لیے بھی کہ وہ حق پر ہیں، اور اس کے بعد امام شافعی سے مسئلہ رفع یدین پر جو گفتگو ہوئی تھی، اس کو دہرا دیا[1]۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے بعد امام محمد کے جواب یا ردعمل کا ذکر نہیں کیا، ورنہ بات اور واضح اور دلچسپ ہو جاتی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ امام شافعی سے ان کی اس اثر پذیری میں، امام شافعی کی پرکشش شخصیت کے ساتھ خود ان کا فطری ذوق بھی معاون ثابت ہوا، ان کی طبیعت کا رجحان علم حدیث کی جانب تھا ان کے اساتذہ کی فہرست سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ان میں اکثریت نامور محدثین کی ہے۔ وہ خود اعلیٰ پایہ کے محدث تھے، علم حدیث میں ان کی شان کا اندازہ امام احمد بن حنبل کے اس قول سے ہوتا ہے کہ ھو عندی کسفیان الثوری، یعنی میرے نزدیک وہ سفیان ثوری کی طرح (مرتبہ و منزلت میں ہیں[2]) امام احمد بن حنبل نے ایک بار یہ بھی فرمایا کہ ابوثور کو حدیث و سنت سے جو تعلق ہے اس کو میں تقریباً چالیس سال سے جانتا ہوں[3] علم حدیث سے ان کے اس تعلق اور شغف کو دیکھنے کے بعد یہ بات کچھ زیادہ عجیب نہیں معلوم ہوتی کہ وہ امام محمد کے درس فقہ میں عرصہ دراز تک شامل رہنے کے باوجود اچانک امام شافعی سے پہلی ہی ملاقات میں کیوں اس قدر متاثر ہوئے کہ فقہ حنفی کو بدعت قرار دیدیا ان کا ایک قول ہے کہ،

فترکنا بدعتنا واتبعناہ[4]	ہم نے اپنا مسلک بدعت ترک کر دیا اور ان (امام شافعی) کے پیرو ہو گئے

---

[1] طبقات: شیرازی ص ۸۳ [2] طبقات ابن ہدایہ ص ۶ [3] طبقات کبری سبکی ج ۱ ص ۲۲۸ [4] تاریخ بغداد، خطیب ج ۶ ص ۶۸

اور بقول خطیب بغدادی رجع عن الرای الی الحدیث یعنی مسلک اہل رائے سے اہل حدیث کے مسلک کی طرف رجوع کیا، اس کے ساتھ ہی امام شافعی کی ذات جو علم وفضل اور حدیث و فقہ کی جامع تھی، وہ بھی ایک بڑا سبب بنی، امام شافعی کے حسن طریق اور حسن جمع کو دیکھ کر وہ شدت سے متاثر ہوئے[۱] اور ان سے ایسا تعلق قائم کیا کہ امام شافعی کے نامور ترین اصحاب میں ان کا شمار ہوا، امام ابو ثور کے دوسرے اساتذہ بھی اساطین علم تھے، اس دور میں ایسی ہستیاں بھی موجود تھیں جو اسلام کی تاریخ علم وفضل کا سرمایہ ہیں، لیکن امام ابو ثور نے ان سب کی موجودگی میں امام شافعی کی ذات کو نہایت عمدہ طریقہ پر یہ کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا کہ امام شافعی کا نظیر و مثیل ہم نے تو کیا خود انہوں نے بھی نہیں دیکھا[۲] یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی کے ان عراقی شاگردوں یعنی امام زعفرانی، امام کرابیسی اور امام ابو ثور نے اپنے استاد کی جس قدر شاندار، طاقت ور اور والہانہ انداز میں مدح و توصیف کی ہے وہ امام شافعی کے مصری شاگردوں کے تعریفی کلمات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام ربیع مرادی مصری نے ایک بار کہا کہ ہم لوگوں (اصحاب مصر) نے امام شافعی کی صحیح قدر نہ جانی تھی، یہاں تک کہ ہم نے اہل عراق کو دیکھا کہ وہ ان کا ایسا ذکر اور ایسا وصف بیان کرتے ہیں کہ ہم اتنی خوبی سے بیان نہیں کر سکتے[۳]۔

امام شافعی کی یاد امام شافعی کے ساتھ گذری، اگلی صحبتوں کی یادوں کو وہ لطف لے کر بیان کرتے، فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی ان کا شاگرد بن چکا ہوں تو ایک روز فرمایا کہ اے ابو ثور اب اس سوال کا جواب سن لو جس کے بارہ میں میں خاموش

---

[۱] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۰۱ [۲] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۶۲ [۳] ایضاً۔

ہو گیا تھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تم سے لغزش ہو جاتی ہے لانك كنت متعنتا[1] ایک بار ایک مجلس میں بہت سے لوگ موجود تھے، اس میں امام ابو ثور نے ایک مسئلہ کے بارہ میں استفسار کیا تو امام شافعی نے فرمایا، یا ابا ثور الانیاس قبل الاسناس، ابو ثور اس جملہ کا مطلب نہیں سمجھ سکے، امام شافعی نے فرمایا کہ انیاس اونٹنی کے تھن کو ہاتھوں سے صاف کرنے کو کہتے ہیں، اور اسناس، اس کے بعد اس سے دودھ دوہنے کو کہتے ہیں، اس کے بعد اسناس سے پہلے انیاس کا مطلب واضح ہو گیا،[2]

فقہی شان حدیث کے فطری ذوق اور اس کی جانب میلان طبع کے باوجود وہ ایک باکمال فقیہ تھے، ان کی فقہی شان کم درجہ کی نہ تھی، درحقیقت وہ حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے، ابتدا میں امام محمد سے کسب فیض اور فقہائے حنفیہ کے طرز استدلال سے واقفیت اور اس مکتب فکر سے ایک طویل تعلق کی بناپر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان پر فقہ کا رنگ زیادہ گہرا تھا، چنانچہ امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ جب کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے سائل سے کہا کہ یہ مسئلہ میرے علاوہ کسی اور سے پوچھو، فقہاء سے پوچھو ابو ثور سے دریافت کرو[3]، امام نسائی فرماتے ہیں کہ امام ابو ثور غلطیوں سے محفوظ اور ثقہ فقیہ ہیں[4]، ابو عبداللہ حاکم کا قول ہے کہ امام ابو ثور اپنے زمانہ میں اہل بغداد کے واحد مفتی و فقیہ تھے ساتھ ہی ائمہ حدیث میں ان کا شمار ہوتا تھا[5]، امام ابو زکریا محی الدین نووی نے امام ابو ثور کو حدیث و فقہ کے علوم کا جامع قرار دیا ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ امام ابو ثور کی امامت، جلالت، ثقاہت اور براعت پر

---

[1] طبقات: شیرازی ص ۸۳ [2] الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۰۳

[3] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۸۳ [4] ایضاً [5] ایضاً

سب بیک زبان متفق ہیں[1]، سلیمان شاذکونی کہا کرتے تھے کہ امام شافعی کی رائے کو لکھ لو (قبول کرو) اور ابو ثور کے پاس جاؤ، مسائل میں ان سے بھی رجوع کرو، اس لیے کہ ان کا مسلک وہی ہے جس کو ہم سب جانتے ہیں، یعنی فقہ شافعی پر عمل اور اس کا تتبع[2]،

امام تقی الدین سبکی نے ایک ایسی مجلس میں ان کی ذہانت، قوت حفظ اور قوت استدلال کے واقعہ کو بیان کیا ہے جس میں یحیٰی بن معین، ابو خیثمہ اور خلف بن سالم جیسے نامور محدثین موجود تھے، اور ایک خاتون کے استفسار کے جواب میں خاموش اور متردد تھے، امام ابو ثور نے آتے ہی خوبی کے ساتھ مسئلہ کو حل کر دیا، اور ساری مجلس کی داد تحسین حاصل کی[3]،

امام ابو ثور کی فقہی و اجتہادی شان میں ان کے ماضی کا عکس صاف نظر آتا ہے، قیاس اور مسائل کے استنباط میں حنفی طرز فکر کا پرتو بہرحال ان پر اثر انداز ہوتا رہا، شاید اسی لئے ابو حاتم نے سخت الفاظ میں کہا ہے، کہ وہ ایسے شخص ہیں جو قیاس سے کام لیتے ہیں چنانچہ خطا و صواب دونوں ان سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ متعنت (تنگی میں ڈالنے والے) ہیں، ان کا وہ مقام نہیں جو مسمعین حدیث کا ہے، **ولیس محلہ محل المسمعین فی الحدیث**[4]

---

[1] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۰۰، ۲۰۱ [2] تاریخ بغداد: خطیب ج ۶ ص ۶۹ [3] طبقات کبری سبکی ج ۱ ص ۲۸۳، [4] امام سبکی کے خیال میں اصل عبارت میں مسمعین کے بجائے متسعین فی الحدیث یعنی مکثرین فی الحدیث ہے، کیونکہ ابو ثور کا شمار مکثرین فی الحدیث میں نہیں تھا، جب کہ ان کے زمانہ میں اور دوسرے حفاظ حدیث کی کثرت تھی، امام ذہبی نے المتسعین فی الحدیث کے الفاظ نقل کئے ہیں، انہوں نے بھی ابو حاتم کے اس قول کو غلو پر محمول کیا ہے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۵

امام سبکی نے حسب عادت، ابو حاتم کے اس قول کو نقل کرنے کے مابعد اس پر گرفت کی اور صریح الفاظ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ابن ابی حاتم (ابو حاتم) کا غلو ہے۔ مطلقاً قیاس پر یقین رکھنا یا عمل کرنا باعث رد و قدح نہیں ہے اور اس لیے ابو حاتم کا یہ قول ناقابل التفات ہے۔ امام ابو ثور قطعاً اس کے محتاج نہیں کہ ان کی توثیق ابو حاتم کے ذریعہ ہو[1] جب کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی جلالت شان اور علوے مرتبت کی توثیق کی ہے[2] امام سبکی کی یہ صراحت بجا اور برحق ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کئی بار یہ فرمایا کہ ابو ثور کے بارہ میں تو مجھے صرف خیر کا علم ہے تاہم امام احمد بن حنبل یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے ابو ثور کی چند باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں[3]۔ امام ابن عبد البر کا قول ہے کہ ابو ثور کی فکر و نظر صحیح اور رخو تھی، بجز چند شاذ مسائل کے جن میں وہ جمہور سے مختلف تھے[4]۔

کیا امام ابو ثور مجتہد تھے | یہ صحیح ہے کہ امام ابو ثور نے صراحت کے ساتھ مسلک حنفی کو ترک کرنے اور امام شافعی کے مسلک کو قبول کرنے کی بات کہی ہے۔ اور ان کا شمار ائمہ فقہاء شافعیہ میں کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کامل طور پر امام شافعی کی تقلید نہیں کرتے کئی ایسے مسائل ہیں، جہاں ان کو کوئی زیادہ قوی دلیل ملتی ہے تو وہ امام شافعی کی رائے کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ امام سبکی نے ان کے ذکر میں اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے، صرف ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ مسلک شافعی کے قائل اور آخر

---

[1] طبقات کبری، سبکی ج ۱ ص م ۲۸ [2] ایضاً [3] امام احمد بن حنبل کو جو باتیں پسند نہیں آئیں، انہیں سے ایک کی وجہ فتنہ خلق قرآن بھی ہے، جس کے متعلق امام ابو ثور کا نقطہ نظر امام ابن حنبل سے قدرے مختلف تھا یہی وجہ ہے کہ ابو ثور رعین آزمائشوں کے زمانہ شباب و شدت میں ابتلاء سے گویا کنارہ کش ہی رہے۔

[4] یہ چند شاذ مسائل بھی علم حدیث سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ فقہ سے حدیث میں ان شذوذ کے باوجود ان پر کسی نے مجروح ہونے کا الزام نہیں لگایا

تک اس پر عامل رہے مگر ایک دوسرے اہم تذکرہ نگار امام یافعی مالکی نے قطعیت کیساتھ کہا کہ ولم یقلد احداً (انہوں نے کسی کی تقلید نہیں کی)[1] یہ بھی کہا گیا کہ ولہ مذہب مستقل، ان کا خود ایک جدا مسلک تھا۔ امام نووی نے بھی لکھ دیا کہ ابو ثور صاحب مسلک مستقل تھے[2] ابن ندیم کا بھی یہی خیال ہے کہ ان کا اپنا ایک الگ مسلک تھا۔ گو اس مسلک کا بنیادی تعلق مسلک شافعی سے ہی تھا۔ اکثر آذربائیجانی اور آرمینی ان کے مسلک پر کاربند تھے[3]۔ مگر بعد میں یہ مسلک اور اس کی پیروی ختم ہوگئی[4]۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ مسلک شافعی کے ہی متبع تھے۔ مگر ایک غیر معمولی علمی شان کے فطری تقاضہ کے زیر اثر ان میں اجتہادی شان بھی تھی، اس لیے جن مسائل میں وہ اپنے دلائل کو زیادہ قوی سمجھتے تھے، ان میں وہ امام شافعی سے اختلاف کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ ان کے ان ہی تفردات کی وجہ سے یہ شبہ عام ہوا کہ وہ خود ایک صاحب مسلک فقیہ تھے۔ لیکن ظاہر ہے یہ شبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصحاب شافعی اور کبار فقہاء شافعیہ میں امام مزنی، امام بویطی، امام زعفرانی اور بعد میں ابو القاسم انماطی، ابن سریج اور امام الحرمین وغیرہ بھی اپنے تفردات اور اختلافی رایوں کی وجہ سے ممتاز ہوئے، مگر اس بنیاد پر ان کو مسلک شافعی سے منحرف قرار نہیں دیا گیا۔ یہ بات اور ہے کہ انماطی اور ابن سریج وغیرہ کے تفردات کو فقہ شافعی میں اعتماد اور اعتبار کا درجہ حاصل ہے جب کہ امام ابو ثور کے تفردات کو یہ اعتبار حاصل نہیں ہو سکا[5]،

ابن منذر، ابن جریر اور ساجی کا یہی خیال ہے، اعتبار اور اعتماد حاصل نہ ہوسکنے کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، امام ابو ثور کے تفردات، دلائل کے اعتبار سے کمزور نہیں

---

[1] مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۲۹ [2] تہذیب الاسماء؛ نووی ج ۲ ص ۲۰۰، ۲۰۱ [3] فہرست ابن ندیم ص ۲۹۷ [4] تاریخ التشریع الاسلامی خضری ص ۲۵۷ [5] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۰۱، ۲۰۲

ہیں بلکہ امام نووی کے الفاظ میں تو اکثر تفردات ایسے ہیں جن میں ان کا مسلک، مسلک شافعی سے زیادہ قوی نظر آتا ہے[1]۔ بعض متشدد شافعیوں نے امام ابو ثور کے مقابلہ میں دوسرے ایسے اصحاب کو زیادہ اہمیت دی ہے جو علم و فضل میں ان سے کہیں کمتر تھے، امام نووی نے اس رجحان پر سخت گرفت کی اور کہا کہ امام ابو ثور حدیث و فقہ کے جامع اور چند ائمہ مجتہدین میں سے ہیں، ان کے احوال جمیل اور ان کے مناقب جلیل ہیں اور محاسن بے شمار ہیں وہ اس سے بے نیاز ہیں کہ اب ان کو شہرت کے سہارے دیے جائیں[2]، بہرحال اس بحث میں سب سے عمدہ رائے یہ ہے کہ وہ صاحب اختیار فقیہ تھے، ولہ اختیار[3]۔

وفات | سنہ وفات کے بارہ میں دو مختلف رائیں ہیں ابن خلکان نے ان کا سن وفات[4] ۲۴۶ھ ذکر کیا ہے جب کہ دوسرے تمام تذکرہ نگاروں نے ۲۴۰ھ کا ذکر کیا ہے، عبید بن محمد البزاز جو امام ابو ثور کے خاص شاگرد اور صاحب ابی ثور کہلاتے ہیں، ان کا قول ہے کہ امام ابو ثور کا انتقال صفر ۲۴۰ھ میں ہوا، ستر برس عمر پائی، بغداد کے مقبرہ باب الکناس میں تدفین ہوئی عبد اللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ابو ثور کے جنازہ سے واپس آیا تو مجھ سے والد صاحب نے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو، میں نے کہا ابو ثور کے جنازہ سے! یہ سن کر امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اللہ ان پر رحم کرے وہ واقعی فقیہ تھے[5]، ممکن ہے امام احمد بن حنبل اپنے ضعف اور کبر سنی کی وجہ سے نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے ہوں کیونکہ چند مہینوں کے بعد وہ بھی اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

امام احمد بن حنبل کے ممدوح | امام احمد بن حنبل ان کا نہایت احترام کرتے تھے ان کی

---

[1] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۰۰، ۳۰۱ [2] ایضاً [3] توالی التاسیس: عسقلانی ص ۹۳۔ [4] تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، ج ۶ ص ۶۹

تعظیم کو آتے تھے اور ان کا یہ جملہ تو بہت مشہور ہوا کہ میں ابو ثور کو چالیس پچاس برس سے جانتا ہوں اور ان کے بارہ میں صرف خیر کا علم رکھتا ہوں، وہ میرے نزدیک سفیان ثوری جیسے ہیں، امام احمد بن حنبل کی یہ مدح شاید اس لیے بھی تھی کہ گو مسئلہ خلق قرآن میں امام ابو ثور ان کے مکمل ہمنوا نہیں تھے، تاہم وہ اس فتنہ خارزار میں اپنے دامن کو کمال احتیاط سے کانٹوں سے بچائے رکھنے میں کامیاب ہوئے جب کہ ان کے دوسرے رفیق امام کرابیسی ان کانٹوں میں الجھ گئے، اسی بنا پر ان کے بارہ میں امام احمد بن حنبل نے کلام کیا تو وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہوے، جب کہ امام ابو ثور کا مقام پہلے سے بلند ہو گیا[۱]،

تلامذہ امام ابو ثور کے اساتذہ کی طرح ان کے تلامذہ کی فہرست بھی ایک سلسلہ زریں ہے ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں امام مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، ابو حاتم رازی ابوالقاسم بغوی، قاسم بن زکریا مطرز، محمد بن اسحاق السراج، ادریس بن عبد الکریم، ابن جنید اور عبید بن محمد البزاز صاحب ابی ثور جیسے نامور ائمہ فن ہیں اور یہ سب اپنے استاذ کی جلالت و ثقاہت پر متفق ہیں،

سرمایہ معنوی نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج امام ابو ثور کی کسی تالیف یا رسالہ تک ہماری رسائی نہیں، صرف مراجع میں یہ ذکر ملتا ہے کہ ان کی علم الاحکام میں کئی مصنفات ہیں جنہیں حدیث اور فقہ کی جامعیت عمدہ طریقہ پر موجود ہے[۲]، انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں، احادیث پر محنت کی[۳]، ان کی کئی کتابیں ہیں[۴]، جنہیں انہوں نے اختلافی مسائل کا ذکر کر کے اپنے مختار قول کے حق میں دلائل پیش کئے ہیں، ان کی ایک کتاب امام مالک و شافعی کے اختلاف کے باب میں ہے، اس میں وہ اپنے مسلک کی بھی جا بجا وضاحت کرتے جاتے ہیں، اس کتاب میں

---

[۱] تاریخ التشریع الاسلامی: خضری ص ۲۵۹ [۲] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۵ صاحب کشف الظنون کو بھی انہیں سے کسی رسالہ کی خبر نہیں [۳] تاریخ بغداد: خطیب ج ۶ ص ۶۹ [۴] طبقات: ابن ہدایہ ص ۶،

اور دیگر کتابوں میں اکثر جگہوں پر ان کا میلان، امام شافعی کی جانب ہے[1]۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ امام شافعی کی کتاب المبسوط کی ترتیب پر ان کی بھی ایک مبسوط ہے، مگر افسوس کہ اب ان میں سے ایک بھی محفوظ و موجود نہیں ہے[2]۔

بعض مسائل و فوائد امام ابو ثور کے متعلق عبدری نے لکھا ہے کہ وہ دین (قرض) پر وصیت کو مقدم سمجھتے تھے، جب کہ اجماع اس پر ہے کہ قرض مقدم ہے، گویا ان کی یہ رائے اجماع کے خلاف ہے، اور یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے، اس لیے شارحین نے اس کی تاویلیں پیش کیں کہ یا تو ابو ثور کو اجماع کا علم نہیں تھا یا پھر وہ اس اجماع کو خلاف اصل سمجھتے تھے، یا پھر عبدری سے مروی یہ روایت ہی صحیح نہ ہو، کیونکہ ابن منذر نے ابو ثور سے ایک مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کے بارہ میں یہ وصیت کی کہ اگر یہ غلام اس کے بیٹے سے جدا نہ ہو تو اسے آزاد کر دیا جائے اور وصیت کنندہ پر اتنا قرض ہے جو اس کے کل مال سے زیادہ ہے تو اس صورت میں یہ وصیت باطل ہو جائے گی اور اس غلام کو قرض کی ادائی کے لیے فروخت کر دیا جائے گا اور اگر ورثاء اسے آزاد بھی کر دیں تو یہ آزادی جائز نہیں ہو گی، ظاہر ہے یہ قول عبدری کے منقول قول کے خلاف اور قول جمہور کے موافق ہے، اس لیے عبدری کے قول کا صحیح نہ ہونا ہی زیادہ قرین عقل معلوم ہوتا ہے، ایک مسئلہ نورانی نے نقل کیا ہے کہ ابو ثور نے فرمایا کہ پانچ درہم سے کم کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری نہ ہو گی، ان کا یہ قول، ان کے اس دوسرے قول کے مشابہ ہے کہ مہر کی مقدار کم سے کم پانچ درہم ہے، ایک اور مسئلہ میں بیع و شراء کے باب میں وہ کہتے ہیں کہ عیب کی بناء پر رد کا اختیار صرف رضا سے نہ ہو گا بلکہ اس کے لیے رضا بالکلام

---

[1] الانتقاء: ابن عبد البر ص ۱۰۷ [2] الفہرست: ابن ندیم ص ۲۸۷

ضروری ہے اور گویا زبان سے فعلاً اس کا اظہار شرط ہے، جمہور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ رد بالعیب کا اختیار صرف علی الفور ہوگا، ابو ثور سے یہ مسئلہ بھی منقول ہے کہ اگر دو آدمیوں نے سمت قبلہ میں اپنے اپنے ظن غالب سے کام لیا اور ایک نے دوسرے کی مخالف سمت رخ کیا تو اس صورت میں اپنی اپنی سمت پر قائم رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتا ہے جیسا کہ کعبہ کے گرد نماز پڑھتے ہوئے ہوتا ہے کہ ایک کی سمت دوسرے کے معارض ہوتی ہے، پھر بھی وہ اس کی اقتدا کرتا ہے۔ ایک اور مسئلہ میں امام ابو ثور نے تیل اور گھی کو پانی کے حکم پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح دو قلے (قلہ: ایک پیمانہ) پانی میں نجاست خفیفہ غیر مغیرہ (یعنی اس قدر ہلکی نجاست جس سے رنگ، مزہ اور بو نہ بدلے) کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح تیل یا گھی اگر دو قلے ہو اور ان میں نجاست خفیفہ غیر مغیرہ گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا، حالانکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ پانی کی حیثیت، دوسری سیال چیزوں سے جدا ہے، دوسری سیال چیزیں دو قلے کیا کئی قلے ہوں تو بھی نجاست کے گر جانے سے وہ ناپاک ہو جائیں گی، کیونکہ عام طور پر دوسری سیال چیزوں کو محفوظ رکھنا ممکن ہے جب کہ عادۃً پانی کے بارہ میں ایسا نہیں ہے۔[1]

امام ابو ثور کے یہ تفردات بہرحال ان کی ذہانت اور قوت استدلال کا مظہر ہیں

---

[1] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۸۲

امام حرملہ بن یحییٰ تجیبی

نام ونسب | پورا نام ونسب اس طرح ہے، حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ بن عمران بن قراد تجیبی زمیلی مصری، صاحب اللباب نے حرملہ بن عمران کے بجائے حرملہ بن عمرو لکھا ہے[1]، کنیت ابوعبداللہ اور ابوحفص ہے، تجیبی کی نسبت سے مشہور ہیں یہ نسبت قبیلہ تجیب سے ہے جو یمن میں عرب کا مشہور قبیلہ تھا، اس قبیلہ کے افراد جب مصر آئے تو ایک محلہ ان کے نام سے آباد ہوگیا[2]، سمعانی نے بجائے تجیبی کے نجیبی کی نسبت سے ان کا ذکر کیا ہے[3]، لیکن وہ تنہا ہیں جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں ورنہ عام تذکرہ نگاروں نے تجیبی کی نسبت سے ہی ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ تجیب ایک عورت کا نام تھا جس سے اس کی اولاد منسوب ہوئی، زمیل اسی عورت کا بیٹا تھا[4]،

امام حرملہ کے جد امجد حرملہ بن عمران کی کنیت بھی ابوحفص تھی ان کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے یہ جلیل القدر محدث تھے، صاحب تہذیب التہذیب کے الفاظ میں یہ اولوالالباب (دانشوروں) میں سے تھے[5]، ان سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن وہب، لیث اور خود ان کے بیٹے اور امام حرملہ کے دادا عبداللہ بھی تھے، اس طرح امام حرملہ نے ایسے خاندان میں نشوونما پائی جو علم وفضل میں ممتاز تھا،

سال پیدائش | امام حرملہ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے[6]

---

[1] اللباب، ج ۱ ص ۱۶۹ [2] تہذیب الاسماء، نووی ج ۱ ص ۱۵۶ [3] ایضاً [4] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۷ [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۹، [6] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۷۔

اساتذہ و شیوخ | امام شافعی کے علاوہ انہوں نے اپنے والد یحییٰ بن عبداللہ اور سوید رملی بشر بن بکر، موصل بن اسماعیل، ابو صالح عبدالغفار بن داؤد الحرانی، سعید بن مریم اور عبداللہ بن وہب وغیرہ سے روایت حدیث کی امام عبداللہ بن وہب قرشی مالکی جیسے جلیل القدر محدث سے روایت کرنے والوں میں وہ سب سے آگے ہیں، ابو عمر و کندی کے الفاظ میں وہ ابن وہب سے کتابت حدیث کرنے والوں محدثین میں سب سے برتر ہیں[1]، ابن یونس صدفی کا قول ہے کہ وہ ابن وہب کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم تھے[2]، محمد بن موسیٰ حضرمی کہتے ہیں کہ امام حرملہ کے پاس ابن وہب کی ساری حدیثیں موجود تھیں، صرف دو حدیثیں ان کے پاس نہیں تھیں احمد بن صالح مصری کا بیان ہے کہ ابن وہب نے ایک لاکھ بیس ہزار حدیثوں کی جمع و تدوین کی، ان میں سے نصف میرے پاس ہیں اور امام حرملہ کے پاس وہ سارا ذخیرہ موجود ہے[3]. ایک دوسری روایت سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ امام حرملہ کے پاس تقریباً ایک لاکھ احادیث کا مجموعہ تھا[4]، اس طرح امام دوری کا قول تذکرہ نگاروں کی نگاہ میں مستند ہے کہ امام حرملہ ابن وہب کی حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ و راوی تھے[5]. اس کی وجہ در اصل یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن وہب کی عنایت خاص سے سرفراز تھے ایک مرتبہ مصر کے عہدہ قضا کو قبول کرنے کے لیے ابن وہب پر زور دیا گیا، وہ اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ حکومت اور عوام دونوں کے اصرار سے بچنے کی خاطر وہ ڈیڑھ سال تک روپوش رہے اور روپوشی کا یہ پورا عرصہ انہوں نے امام حرملہ کے گھر پر گذارا اسی لیے امام حرملہ کو ان سے حدیثوں کی سماعت روایت اور کتابت کا عمدہ موقع مل گیا، ابن وہب ان کو اپنے عزیز قریب کی طرح مانتے تھے

---

[1] طبقات کبریٰ سبکی ج ۲ ص ۱۲۸ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ [3] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۱ [4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ [5] ایضاً

ایک بار امام حرملہ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے، ابن وہب عیادت کے لیے تشریف لائے تو فرمایا، اے ابوحفص آشوب چشم کے مریض کی عیادت نہیں کی جاتی مگر میرے لیے تم گھر والوں کی ہی طرح ہو[1]، اسی شفقت وعنایت کی وجہ سے ابن وہب نے امام حرملہ کو اپنی ساری حدیثوں کی روایت کی اجازت دیدی تھی، جب کہ ان کے دوسرے شاگرد احمد بن صالح کو اس پورے مجموعہ سے صرف نصف حصہ کی روایت کی اجازت تھی احمد بن صالح کو اس بات کا ہمیشہ احساس رہا چنانچہ مصر میں جب کوئی طالب حدیث آتا اور پہلے امام حرملہ کے پاس جاتا تو پھر بعد میں احمد بن صالح اس کو اپنے حلقۂ رواۃ میں شامل نہیں کرتے تھے[2]۔

حدیث میں ان کا مرتبہ | رجال حدیث کے بعض علماء نے ان کے بارہ میں کلام کیا ہے۔ ابوحاتم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حرملہ۔ لائق حجت نہیں[3] لیکن ان کا یہ قول بے دلیل نقل کیا جاتا ہے، انصاف یہ ہے کہ جرح و تعدیل کے اصولوں پر وہ صحیح ہیں، چنانچہ امام ابن عدی نے کہا کہ میں نے حرملہ کی روایتوں میں نہایت غور وخوض سے کام لیا تو ان کی حدیثوں میں ایسا کوئی سقم یا عیب نہیں پایا جس کی وجہ سے ان کو ضعیف قرار دیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن وہب جب ان کے گھر میں تقریباً ڈیڑھ برس روپوشی کی حالت میں مقیم رہے تو ان کی ساری حدیثوں کو روایت کرنے کا بہترین موقع امام حرملہ کو ملا۔ اس لیے دوسروں کو اگر بعض حدیثوں پر لاعلمی کی وجہ سے کوئی شبہ ہوتا ہے تو اس سے امام حرملہ کی صحت وثقاہت مجروح یا متاثر نہیں ہوسکتی، امام سبکی نے ابن عدی کے اس قول کو پسند کیا اور کہا کہ حق بات یہی ہے، اور امام حرملہ ثقہ اور عادل ہیں[4]، یہاں ابن عدی کا یہ بیان بھی پیش نظر رہے کہ میں

---

[1] طبقات کبری، ج ۲ ص ۱۲۸ [2] تہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۲۳۰

[3] طبقات کبری، ج ۲ ص ۱۲۸ [4] ایضاً۔

نے عبداللہ فریابانی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ امام حرملہ کی حدیثیں املا کرادیں تو انہوں نے کہا کہ بیٹے تم حرملہ کی حدیثوں سے کیسے عہدہ برآ ہو گے، حرملہ کا معاملہ بہت دشوار ہے یعنی ان کی اتنی کثرت سے حدیثیں ہیں کہ ان کو آسانی سے املا نہیں کرایا جا سکتا۔[1] ظاہر ہے کہ جب وہ ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں کے حافظ و راوی تھے تو ان میں بعض حدیثیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کے بارہ میں کلام کیا جا سکتا ہے مگر صرف اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لائق حجت نہیں تھے، چنانچہ امام عسقلانی نے بھی امام سبکی کی طرح ان کو ثقہ اور عادل کے ساتھ صدوق قرار دیا ہے۔[2]

امام شافعی سے تعلق امام حرملہ کے علم حدیث سے خاص تعلق کی وجہ سے یہ بات عین قرین یقین ہے کہ جب امام شافعی مصر تشریف لائے تو وہ امام شافعی کے دامن علم و فضل سے وابستہ ہو گئے۔ امام حرملہ کے خاندان کی علمی وجاہت و شہرت کی وجہ سے یہ بھی قابل ذکر ہے کہ امام شافعی جب مصر تشریف لائے تو امام حرملہ کے مکان پر ہی قیام کیا۔[3]

فقہ شافعی میں ان کا مقام امام حرملہ کا شمار طبقہ محدثین میں ہوتا ہے، وہ حافظ حدیث ہیں ان کی جلالت شان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ امام مسلم نے ان سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں،[4] مگر امام شافعی سے تعلق اور فقہ میں ان سے استفادہ کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے ان کا فقہاء شافعیہ میں اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امام نووی کے الفاظ میں وہ فقہاء شافعیہ میں صاحب وجہ ہیں۔[5] انہوں نے فقہ شافعی میں بعض ایسے مسائل اور مباحث نقل کئے ہیں جن کو امام ربیع مرادی نے بھی بیان نہیں کیا ہے۔ بعض رسالے ایسے ہیں جن کی امام شافعی سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ [2] ایضاً [3] الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۰۹

[4] تہذیب الاسماء: نووی [5] ایضاً۔

سماعت میں وہ اور امام ربیع مرادی شریک ہیں مگر روایت میں امام حرملہ منفرد ہیں[1]۔ اسی لیے ان کا ذکر اکابر فقہاء شافعیہ میں ناگزیر ہے۔ امام سبکی نے ان کو امام اور جلیل الشان کے الفاظ سے یاد کیا ہے[2]۔ یہ صحیح ہے کہ بعض حضرات نے ان کی شخصیت کو امام شافعی کے اصحاب میں سب سے زیادہ مختلف فیہ قرار دیا ہے لیکن انہی لوگوں کا یہ بھی اقرار ہے کہ ان کے اقوال سے اقتباسات بھی سب سے زیادہ لیے جاتے ہیں[3]۔ ان کی شخصیت کے مختلف فیہ ہونے کے سلسلہ میں سب سے عمدہ رائے امام نووی کی ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ امام حرملہ کی زیادہ تر رائیں اور اجتہادات امام شافعی سے ہی منقول ہیں۔ بعض موقعوں پر وہ شوافع کے بنیادی اصولوں سے ہٹ کر اپنی رائے دیتے ہیں مگر اس سے وہ متنازعہ فیہ نہیں بنتے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے امام مزنی نے بعض موقعوں پر اپنی رائے اور اپنے اجتہاد کا اظہار کیا ہے، پھر بھی فقہ شافعی میں ان کی قدر و منزلت میں کوئی تنازعہ نہیں ہے[4]۔

البتہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ فقہ شافعی میں متقدمین فقہاء شافعیہ کے نزدیک جو اعتبار امام مزنی اور امام ربیع مرادی کی روایتوں اور اقوال کو حاصل ہے وہ امام حرملہ اور ربیع جیزی کی روایات کو حاصل نہیں ہے[5]۔ لیکن اس سے ان کی علمی شان میں کوئی کمی نہیں آتی اور تذکرہ نگار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ جدید فقہ شافعی کے اکابر میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے فقہ میں اسی طرح استفادہ کیا جس طرح حدیث میں امام عبد اللہ بن وہب سے کیا۔

چنانچہ امام شافعی کے انتقال کے بعد جب عبد العزیز بن عمران مصری، امام حرملہ کے پاس گئے

---

[1] طبقات کبری ج ۲ ص ۱۳۱ - ۱۲۹ [2] ایضاً۔ [3] وفیات ج ۱ ص ۲۲۶ مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۳۳۲

[4] طبقات کبری ج ۲ ص ۱۳۱ [5] تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۵۶۔

تو انہوں نے ان کے پاس امام شافعی کی ساری کتابیں دیکھیں جو تعداد میں ستر کے قریب تھیں ان میں سے بعض رسالے ایسے بھی تھے جو امام شافعی کے اقوال پر مشتمل نہیں تھے لیکن وہ ان کے آراء وافکار کے مطابق تھے مثلاً حفص الفرد کی کتاب الفرق بین السحر والنبوۃ وغیرہ امام حرملہ نے ان کتابوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہی میرا سرمایہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابوں کی تو میں نے خود سماعت کی ہے اور بعض کو اور طرح سے حاصل کیا ہے[1]۔

انتقال ان کا انتقال پنجشنبہ کے دن ۹ شوال ۲۴۳ھ میں مصر میں ہوا۔ انتقال کے وقت عمر ۷۹ برس کی تھی، امام شافعی کے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ معمر تھے[2]، اس طرح سرزمین مصر نے اپنے سینہ میں حدیث وفقہ اور زہد وتقوی کی ایک اور بڑی ہستی کو سمو لیا، مشہور مالکی عالم ابوعمرو اشہب بن عبدالعزیز نے ایک بار امام حرملہ کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ مسجد والوں میں سب سے بہتر ہیں[3]،

تلامذہ ان سے کسب فیض کرنے والوں کا ایک زریں سلسلہ ہے جس میں امام مسلم، امام ابن ماجہ، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، حسن بن سفیان جیسے عظیم الشان نام شامل ہیں امام نسائی نے بھی احمد بن ہیثم طرسوسی کے واسطہ سے ان کی روایتوں کو نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ ابو دجانہ احمد بن ابراہیم۔ بقی بن مخلد، ابراہیم بن جنید وغیرہ کے نام بھی رواۃ کی فہرست میں ملتے ہیں،

اولاد میں کسی کا ذکر نہیں ملتا، نہ ہی خاندان کے دوسرے عزیز واقارب کے حالات سے کوئی سراغ ملتا ہے،

---

[1] تہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۲۳۰ [2] لیکن علامہ ابن عبدالبر نے سال وفات ۲۶۶ھ لکھا ہے ایک روایت کے مطابق ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا [3] طبقات: قاضی ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۱

کتابیں | ان کی مرتب کی ہوئی دو کتابوں کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے ان میں سے ایک کتاب المبسوط ہے، اور دوسری کتاب المختصر ہے[1]، ان کے علاوہ حرملہ نام سے بھی شاید ایک کتاب مشہور تھی جس میں انہوں نے امام شافعی کے آراء وافکار کو نقل کیا تھا، مہذب اور وسیط وغیرہ میں قال فی حرملہ اور نص فی حرملہ کے الفاظ اسی طرح نقل کیے گئے ہیں جیسے قال فی البخاری وجاء فی المسلم کے الفاظ ادا کئے جاتے ہیں[2]، اسی طرح انہوں نے امام شافعی سے جو کتابیں یا رسالے روایت کیے ان میں کتاب الشروط تین اجزاء میں کتاب السنن ۱۰ حصوں میں اور کتاب الابل والغنم اور کتاب الشجاج وغیرہ ہیں انمیں انہوں نے ایسے مباحث نقل کیے ہیں جن کو امام مرادی نے بھی نقل نہیں کیا تھا، افسوس یہ ہے کہ آج ہم کو صرف ان کتابوں کے ناموں کا علم ہے، کتابوں کے ضیاع کا جو المیہ ہماری تاریخ میں ہے، اس میں مذکورہ کتابیں بھی شامل ہیں،

روایات | البتہ امام سبکی نے ان کی چند باتوں کو نقل کیا ہے، ہم یہاں صرف ان کو ہی پیش کر سکتے ہیں،

ایک اہم بات یہ ہے کہ امام حرملہ نے امام شافعی سے بطریق امام مالک دو ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو موطا امام مالک میں نہیں ہیں ایک تو حدیث یہ ہے، الحمی فیح جہنم فاطفئوھا بالماء اور دوسری حدیث یہ ہے، العجماء جرحھا جبار، والبئر جبار و المعدن جبار، ان کے علاوہ انہوں نے امام شافعی سے چند اقوال نقل کئے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوے سنا کہ سچ اور جھوٹ دونوں صورتوں میں میں نے کبھی خدا کی قسم نہیں کھائی، ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ

---

[1] وفیات الاعیان، ج ۱ ص ۲۲۷ [2] تہذیب الاسماء واللغات: نووی ج ۱ ص ۱۵۶

حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ائمہ عدل ہیں۔

ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ فرائض کی ادائگی کے بعد، قربت الٰہی کا سب سے اچھا ذریعہ طلب علم ہے۔

ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی فرماتے تھے کہ کسی کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ ماشاء اللہ وشئت کہ اس میں دونوں فاعلوں کو جمع کر دیا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ماشاء اللہ ثم شئت

ایک بار انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عیینہ سے حدیث "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" کی تشریح میں لم یتغن کے معنی یستغنی بہ کے سنے ہیں، اس پر امام شافعی نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یتغانا کا لفظ استعمال ہوتا، یتغن کے معنی یتحزن ویترنم بہ (غم آگین طرز کے ساتھ پڑھنا) کے ہوں گے امام رافعی نے امام حرملہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک، مسلمانوں کے امیر یا حاکم کو کوئی ہدیہ دے اور حالت حرب قائم ہو تو یہ ہدیہ مال غنیمت کے حکم میں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وہ مشرک دار الاسلام سے چلے جانے کے پیشتر یہ ہدیہ پیش کرتا ہے تو وہ اسی کا ہوگا جس کو پیش کیا گیا ہے۔ یہاں یہ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ بہر صورت وہ ہدیہ اسی شخص کا ہوگا جس کو وہ پیش کیا گیا ہے

امام حرملہ نے امام شافعی سے یہ دلچسپ قول بھی نقل کیا ہے کہ انبیاء کے سوا اہل عدالت میں سے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا ہے۔ ہم اس کی شہادت کو باطل قرار دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم

بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تم کو ایسے دیکھتا ہے، جیسا تم ان کو نہیں دیکھتے۔

ایک مسئلہ میں امام حرملہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی کے پاس کوئی ایسی چیز رہن رکھی

جو اس شخص کے پاس ودیعت یا امانت کی شکل میں پہلے سے موجود تھی تو ایسی صورت میں قبضہ کی شرط کے اتمام کے لیے کسی مدت کے گزرنے کی شرط نہیں لگائی جا سکتی اور یہ عقد رہن لازم و نافذ ہو جائے گا

اسی طرح ان سے ایک مسئلہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص ماء طاہر اور ماء نجس پاتا ہے اور اسے طہارت کی ضرورت ہے تو وہ ماء طاہر سے وضو کرے گا اور ماء نجس کو پینے کے استعمال میں لائے گا، امام شافعی نے اس قول پر نکیر کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ وہ پاک پانی کو تو پیئے اور طہارت کے لیے تیمم کرے۔

امام کرابیسی

نام ونسبت | حسین بن علی بن یزید نام اور ابو علی کنیت ہے کرابیسی یا کرابسی کی نسبت اس لیے ہے کہ ایک خاص قسم کے کپڑے کرابیس کی وہ تجارت کرتے تھے[1]۔

سنہ ولادت اور مقام پیدائش کا صراحت کے ساتھ کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا ہے، لیکن نام کے ساتھ بغدادی نسبت معروف ہے[2] اس لیے یہ قرین قیاس ہے، کہ پیدائش بغداد ہی میں ہوئی ہو،

اساتذہ | خاندان اور ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارہ میں بھی مورخین خاموش ہیں لیکن سماع حدیث میں جن حضرات سے استفادہ کیا ان میں شبابہ بن سوار، عمرو بن ہیثم، معن بن عیسی، اسحاق بن یوسف، عبید طنافسی کے صاحبزادے یعلی ومحمد کے علاوہ یزید بن ہارون اور یعقوب بن ابراہیم جیسے ائمہ کبار شامل ہیں، موخرالذکر دونوں حضرات کے شاگردوں میں احمد بن حنبل، علی بن مدینی ابوخیثمہ ابن ابی شیبہ، زعفرانی، یحیی بن معین اور محمد بن اسحاق صاغانی جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کے نام موجود ہیں[3]،

نامور تلامذہ | امام کرابیسی کے شاگردوں اور راویوں میں عبید بن محمد خلف البزاز اور محمد بن علی فستقہ زیادہ نامور ہوئے،

---

[1] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۸ [2] ایضاً [3] تاریخ بغداد ج ص ۶۴-

امام شافعی سے تعلق امام کرابیسی ابتداءً حنفی تھے، بغداد کی سکونت اور وہاں حنفی مسلک کی مقبولیت کی وجہ سے انھوں نے فقہ حنفی میں جاذبیت محسوس کی اور وہ اس مسلک کے ایک بڑے فقیہہ کی حیثیت سے نمایاں بھی ہوئے[1] لیکن جب امام شافعی بغداد تشریف لائے اور انہوں نے ایک ایسے مکتب فقہ سے روشناس کیا جس میں حنفی اور مالکی مکاتب فقہ کا اک گونہ امتزاج تھا تو امام کرابیسی نے اس میں کشش محسوس کی چنانچہ باقاعدہ امام شافعی کے درس میں شریک ہوئے،

تفقه اولا علی مذهب اهل الرای ثم تفقه للشافعی[2]	پہلے اہل رائے (احناف) کے مسلک کے مطابق علم فقہ کی تحصیل کی، اس کے بعد امام شافعی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی

امام شافعی سے ان کا یہ ربط مضبوط ہوتا گیا، وہ کثرت سے ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے یہاں تک کہ ان کی مجلسوں میں بار بار آنے کے لیے انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی

اشهرهم بانتياب مجلسه[3]	امام شافعی کی مجلس میں بار بار آنے والوں میں وہ سب سے زیادہ مشہور ہیں

امام شافعی سے اس خاص تعلق کی وجہ سے ان کا رتبہ پہلے سے دوچند ہوگیا، اور بغداد میں فقہ شافعی کے چار ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار امام زعفرانی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو ثور کے ساتھ ہونے لگا۔[5]

---

[1] ضحی الاسلام: احمد امین ج ۲ ص ۲۲۲ [2] طبقات: سبکی ج ۲ ص ۱۱۷، طبع جدید مطبعہ عیسی البابی حلبی۔

[3] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۸ تہذیب الاسماء میں اشہرھم باثبات مجلسہ کے الفاظ ہیں۔

[4] انتقاء: ابن عبد البر ص ۱۰۶ [5] ایضاً۔

انہوں نے امام زعفرانی سے بھی امام شافعی کی بعض کتابوں کی اجازت لی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کتابوں کی قرأت کروں گا چونکہ اس کام کے لیے امام زعفرانی پہلے سے مقرر تھے، اس لیے امام شافعی نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ زعفرانی کی کتابیں دیکھ لو میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں[1] لیکن اس سے امام کرابیسی کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آتا، بلکہ ابو عاصم عبادی کے الفاظ تو یہ ہیں کہ عراق میں امام شافعی کے حلقہ فیض سے امام کرابیسی سے بڑھ کر یا ان کے جیسا کوئی اور نہ نکلا[2]

امام شافعی سے عقیدت | امام شافعی سے ان کو جو عقیدت تھی اس کی وجہ سے وہ ان کے بارہ میں کسی سہل انکاری یا غفلت اور بے احتیاطی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، ابو عبید نے فقہ میں ایک کتاب لکھی، امام کرابیسی نے کتاب کے کچھ حصوں کو دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ ابو عبید نے امام شافعی کے دلائل اور اقوال کو اپنی جانب منسوب کر دیا اور امام شافعی کا کہیں ذکر تک نہیں کیا، اس بات سے امام کرابیسی سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ تم اپنی کتاب میں قال فلان، قال محمد بن الحسن وغیرہ تو کہتے ہو اور امام شافعی کا ذکر نظر انداز کرتے ہو، حالانکہ ان کی کتابوں سے ان کے دلائل تم نے سرقہ کیے، تم خود اچھے فقیہہ بھی نہیں ہو، صرف ان کے راوی ہو، تم نے یہ کتاب کیسے لکھ دی![3]

مرتبہ و مقام | سارے تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ ایک جلیل القدر امام، فقہ و حدیث کے جامع متکلم اہل سنت، نہایت ذی علم و فہم اور فقہ و اصول فقہ، حدیث اور علم رجال میں ایک متبحر عالم تھے، نہایت محتاط، ثقہ، حافظ اور صدوق تھے،[4]

---

[1] طبقات سبکی، ج ۲ ص ۱۱۸ [2] طبقات الشافعیہ: ابن شیبہ ج ۱ ص ۱۲ [3] تہذیب التہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۳۶۲ [4] وفیات الاعیان، طبقات: سبکی، ابن شیبہ، شیرازی، ابن ہدایہ وغیرہ

فتنۂ خلق قرآن | اپنی اس جلالت علمی کے باوجود وہ مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے کی شدت کی وجہ سے طعن و تعریض اور تنقید اور اعتراضات کا نشانہ بن گئے ان کے بارہ میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ غیر ثقہ ہیں، ان کے قول سے رجوع نہ کیا جائے گا. ان کی حدیث گراں گذرتی ہے ان کا مسلک لفظیہ ہے[1] وغیرہ

مسئلہ خلق قرآن کے فتنہ میں ایک طرف بہت سے علماء ابتلاء اور آزمائش سے دو چار ہوئے اور بعض علماء اس مسئلہ میں خاموش رہے. لیکن امام کرابیسی نے اس معاملہ میں جس رائے کا اظہار کیا وہ امام احمد بن حنبل کے مسلک سے مختلف تھی، اور اسی وجہ سے مخالفین نے ان پر سخت اعتراضات کئے، امام احمد بن حنبل سے ان کے تعلقات، شروع میں خوشگوار تھے. لیکن بعد میں ہر دو جانب سے طعن کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا،

ایک واقعہ | ایک بار امام کرابیسی سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کی رائے اس مسئلہ (خلق) قرآن میں کیا ہے. انہوں نے کہا کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے، پوچھنے والے نے پھر سوال کیا کہ قرآن کے جو الفاظ میری زبان سے ادا ہو رہے ہیں، یہ کیا ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا ان الفاظ کو ادا کرنا مخلوق ہے، اس کے بعد وہ شخص امام احمد بن حنبل کے پاس گیا اور اس واقعہ کو دہرایا. انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے. وہ شخص امام کرابیسی کے پاس دوبارہ آیا، اس وقت انہوں نے کہا کہ تمہارا قرآن کو اپنے الفاظ سے ادا کرنا غیر مخلوق ہے، گویا اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا. امام احمد کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ بھی بدعت ہے،

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام احمد کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس مسئلہ میں زیادہ غور و خوض کرنا اور بے ضرورت سوالات کرنا دراصل بدعت جیسا

---

[1] لسان المیزان: ج ۲ ص ۳۰۳-۳۰۴-

فعل شنیع ہے[1]

امام سبکی نے تو اپنی رائے کا اظہار کر دیا لیکن خطیب بغدادی نے اس واقعہ میں چند اور باتیں بھی بیان کی ہیں، مثلاً وہ سائل پھر امام کرابیسی کے پاس پہونچا اور ان سے امام احمد بن حنبل کی بات نقل کی، تب امام کرابیسی نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ہماری دونوں رایوں پر وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، کیا ہم اس بچہ کے قول پر عمل کریں

اس جملہ سے امام احمد اور ان کے اصحاب ناراض ہوئے اور بقول خطیب بغدادی امام کرابیسی کی عیب جوئی اور ان پر طعن و تشنیع کی وجہ دراصل یہی ہے[2]

امام احمد بن حنبل کی ناراضی کی ایک اور روایت ملتی ہے، ابو جعفر موصلی نے امام صاحب سے کہا کہ میں موصل کا رہنے والا ہوں، ہمارے شہر کی بیشتر آبادی کا مسلک جہمیہ عقائد کے مطابق ہے، اہل سنت تھوڑے ہیں، اب امام کرابیسی کا یہ قول ان میں زیر بحث ہے کہ میرا قرآن کہنا اور بولنا یہ فعل مخلوق ہے، یہ سن کر امام احمد نے فرمایا کہ اوے اس کرابیسی سے بچو ان سے بات کرو نہ اس شخص سے بات کرو جو ان سے بات کرے مسلسل کئی بار وہ یہی الفاظ دہراتے رہے پھر فرمایا کہ جو کرابیسی کا قول ہے وہی جہمیہ کا بھی قول ہے[3]

امام احمد بن حنبل کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ بشر مریسی (مشہور متکلم) تو نہیں رہے لیکن حسین کرابیسی کو اپنا جانشین مقرر کر گئے[4] یہ بھی فرمایا کہ کرابیسی بدعتی ہیں[5] کسی نے امام ابن حنبل سے کہا کہ امام کرابیسی کہتے ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان امام شافعی

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۱۸ [2] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۶۵ [3] ایضاً [4] ایضاً

کی مجلس میں کوئی مناظرہ ہوا تھا، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ میں کرابیسی کو حدیث اور غیر حدیث کسی فن میں تسلیم نہیں کرتا[1] بلکہ فرماتے کہ میں نے کرابیسی کو کبھی طلب حدیث میں مشغول نہیں دیکھا[2] بلکہ وہ تو یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کرابیسی کو امام شافعی کی خدمت میں بھی نہیں دیکھا ان کا قول تھا کہ کرابیسی دروغ گو ہیں[3]، ان کے لیے ھتکہ اللہ کے الفاظ بھی امام احمد سے منقول ہیں[4]. اسی طرح کے بعض اقوال امام ابو ثور اور امام زعفرانی سے بھی منسوب ہیں کہ ان حضرات نے امام کرابیسی کی امام شافعی سے ملاقات اور تعلق کی تردید کی ہے[5]،

امام عسقلانی نے اور بھی سخت روایتیں نقل کی ہیں مثلاً جب یحیٰی بن معین کو یہ معلوم ہوا کہ امام کرابیسی کی رائے امام ابن حنبل کے بارہ میں درست نہیں ہے تو انہوں نے امام کرابیسی پر لعنت کی یہاںتک کہ یہ بھی قول نقل کیا گیا کہ ان کو مارنے اور سزا دینے کی ضرورت ہے، ما احوجہ ان یضرب[6].

ابن عبدالبر نے لکھا کہ امام احمد اور امام کرابیسی میں دوستی تھی مگر معاصرانہ چشمک بھی ان کے تعلقات میں کارفرما تھی، مگر جب مسئلہ خلق قرآن میں امام کرابیسی نے امام ابن حنبل کی صریح مخالفت کی تو یہ چشمک عداوت میں بدل گئی[7]،

امام کرابیسی کے سوانح میں اس قسم کی باتوں کا وجود افسوسناک ہے، تاہم یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ ایسی باتوں میں مسلکانہ عصبیت کا بھی اپنا رنگ ہوتا ہے، اس قسم کی روایتیں زیادہ تر اصحاب حنابلہ سے منقول ہیں، یہ حقیقت ہے کہ امام احمد سے امام کرابیسی

---

[1] لسان المیزان، ج ۲ ص ۳۰۵ - ۳۰۴ [2] تہذیب التہذیب، عسقلانی ج ۲ ص ۳۶۲
[3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً ...... [7] ایضاً

کا مسئلہ خلق قرآن میں اختلاف تھا۔ اور اسی وجہ سے ان کے بارہ میں امام احمد کی رائے اچھی نہیں رہی اور عام مسلمانوں میں امام احمد بن حنبل کی عظیم شخصیت کا جو اثر تھا اس کے پیش نظر لوگوں نے امام کرابیسی سے اجتناب و احتراز کیا[۱]۔ لیکن ہم ان روایات کو علمی لحاظ سے گراں سمجھتے ہیں کہ امام کرابیسی میں کبر تھا یا قلت عقل تھی یا یہ کہ وہ امام ابن حنبل میں فی نکالتے تھے[۲]۔ اس بارہ میں مستنصر اموی کی یہ رائے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کرابیسی ثقہ تھے حافظ تھے لیکن اصحاب امام احمد بن حنبل نے ان پر الزامات لگائے، اس سے ناواقف اصحاب حدیث ان کے بارہ میں مشکوک ہو گئے[۳]۔

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی الزام تراشیوں سے امام کرابیسی کا مرتبہ و مقام وہ نہیں رہا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔ محمد بن عبد اللہ صیرفی شافعی کہتے تھے کہ امام کرابیسی اور امام ابو ثور سے عبرت حاصل کرو۔ امام کرابیسی اپنے علم اور حفظ میں امام ابو ثور سے کئی درجے آگے تھے لیکن امام احمد نے ان کے بارہ میں کلام کیا تو وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئے اور امام ابو ثور کی تعریف کی تو وہ مقبولیت میں بڑھ گئے[۴]۔ لیکن خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابو ثور سنت سے اپنے خصوصی تعلق و لزوم کی وجہ سے آگے ہو گئے[۵]۔ ایک روایت میں یہ کہا گیا کہ امام کرابیسی ان لوگوں میں سے تھے جو فقہ اور حدیث دونوں کے جامع اور تصنیف و تالیف میں نمایاں ہیں، لیکن عقل کی کمی کے سبب انہیں ان کا مقام نہیں مل سکا[۶]۔ لیکن قلت عقل کا یہ الزام، انصاف کی نظر میں درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ خطیب بغدادی جیسے صاحب نظر ان کی تصانیف کے بارہ میں کہتے ہیں کہ فقہ اور اصول میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو ان کے حسن فہم اور وسعت علم کو ظاہر

---

[۱] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۱۸ [۲] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۶۴ [۳] لسان المیزان ج ۲ ص ۳۰۵۔

[۴] طبقات سبکی ج ۲ ص ۱۱۸ [۵] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۶۴ [۶] لسان المیزان ج ۲ ص ۳۰۵۔

کرتی ہیں[1]. اصل بات یہ ہے کہ وہ محض ایک محدث وفقیہ ہی نہیں تھے علم کلام سے بھی ان کو دلچسپی تھی اور بقول امام سبکی وہ اہل سنت کے متکلمین میں اسی درجہ کے تھے جس درجہ کے وہ علم فقہ میں تھے[2]، حتی کہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی یہ شہادت دی کہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے مناظر اور متکلم تھے[3]، ان شہادتوں کی موجودگی میں ہم ابن حبان کی اس رائے کو کہ ان میں عقل کی کمی تھی، کس طرح قرین انصاف سمجھ سکتے ہیں،

تصانیف | امام کرابیسی کی تصانیف کے بارہ میں ہمارے سب سے بڑے ماخذ طبقات الشافعیہ الکبری کی شہادت یہ ہے کہ ان کی تصنیفات بہت ہیں[4]، امام سبکی نے ایک کتاب کتاب المقالات کا ذکر کیا ہے، جس میں خوارج اور دوسرے نفس پرست فرقوں کا ذکر ہے، اس کتاب کے بارہ میں امام سبکی کہتے ہیں کہ یہ متکلمین کا مرجع تھی[5]، اسی طرح شہادات کے مسائل پر ان کی تصنیف تھی امام سبکی نے یہ کتاب خود اپنے ہاتھوں سے نقل کی تھی اور اپنے والد کے سامنے پیش کی تھی[6]

امام عسقلانی لکھتے ہیں کہ فقہ اور اصول فقہ میں ان کی کتابوں کی تعداد بہت ہے، ان کی تصنیفات[7] ان کے وسیع مطالعہ وفہم وادراک کا مظہر ہیں[8]، تقریباً یہی الفاظ خطیب بغدادی کے بھی ہیں[8]،

امام ابن عبدالبر نے یہ کہتے ہوئے کہ وہ عالم مصنف تھے ان کی تصنیفات کی تعداد تقریباً دوسو تک بتائی ہے[9]. ابن حبان نے بھی ان کے مصنف ہونے کا ذکر کیا ہے[10]، ابو اسحٰق شیرازی کے قول کے مطابق اصول وفروع فقہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں[11]، امام اسنوی نے ان کی ایک ضخیم کتاب کا ذکر کیا ہے[12]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۶۴ [2] طبقات کبری ج ۲ ص ۱۱۸ [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۶۰ [4] طبقات کبری ج ۲ ص ۱۱۸ [5] ایضاً، [6] ایضاً، [7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۶۰ [8] تہذیب: عقلانی ج ۲ ص ۳۶۰ [9] ایضاً ص ۳۶۰ [10] ایضاً ص ۳۶۱

[11] طبقات الفقہاء: شیرازی ص ۸۳،

یہ اصل میں امام شافعی سے ان کی روایت کی ہوئی کتاب ہے[۱]، قاضی ابن شہبہ نے ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی بعض کتابوں میں ایسے مسائل کا ذکر ہے جن میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن عدی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں عام حالات و واقعات کا ذکر بہت ہے[۲]،

اصول فقہ اور فروع فقہ کے علاوہ ان کی ایک اور کتاب الجرح والتعدیل کا نام بھی ملتا ہے[۳]، حدیث میں ایک کتاب، کا ذکر کتاب المدلسین کے نام سے آتا ہے[۴]، کتاب الامامت کے نام سے بھی ایک کتاب ہے۔ احمد بن حسن کرخی جنہیں صاحب کرابیسی کی نسبت حاصل ہے۔ ان کے پاس امام کرابیسی کی کتابیں تھیں جو اختلاف حدیث پر تھیں[۵]، عسقلانی کہتے ہیں کہ میں ان کی ایک ضخیم کتاب، کتاب القضاء سے واقف ہوں۔ اس میں بہت سی حدیثیں صحابہؓ کے اقوال مباحث اور فوائد جمع کیے گئے ہیں جن سے امام کرابیسی کے مطالعہ کی وسعت اور فقہ میں ان کی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے[۶]،

مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے علم و مطالعہ میں امام کرابیسی کی ان قیمتی کتابوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ ان کتابوں کے ناموں کا ذکر محض طبقات و تراجم کی کتابوں میں ہے اور بظاہر کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ ان گمشدہ نوادر کی بازیافت ہو سکے اور پھر امام کرابیسی کے افادات سے استفادہ کی راہیں ہموار ہوں۔

وفات | امام کرابیسی کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق ۲۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا مگر جن روایتوں میں ۲۴۸ھ کا ذکر ہے ان کو مورخین نے زیادہ درست

---

[۱] طبقات الشافعیہ، اسنوی ص ۱۳ [۲] طبقات الشافعیہ، ابن شہبہ ج ا ص ۴ [۳] اعلام: زرکلی ج ا ص ۲۵۲
[۴] الفہرست: ابن ندیم ص ۲۶۵ [۵] لسان المیزان ج ۲ ص ۳۰۴ [۶] ایضاً [۷] طبقات سبکی، ج ۲ ص ۱۲۰

تسلیم کیا ہے۔[1]

بعض اقوال ان کے بعض اقوال امام سبکی نے نقل کیے ہیں جن سے ان کے ذوق و مزاج کا ہلکا سا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً ان سے یہ کہا گیا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت ام سلمہ کی تنہا شہادت قبول کی جو انہوں نے ایک معاملہ میں اپنے بھتیجے کے لیے دی تھی، اسی طرح زرارہ نے تنہا ابو مخلد کی شہادت قبول کی، قاضی شریح نے ابو اسحاق کی شہادت کافی سمجھی اسی طرح انہوں نے تنہا ابو قیس کی گواہی پر اعتبار کیا، اس طرح سائل شاید ایک شخص کی گواہی کے جواز کو ثابت کرنا چاہتا تھا اس پر امام کرابیسی نے سختی سے کہا کہ اگر کوئی شخص ایک فرد کی شہادت کو جواز بخشتا ہے تو یہ غلط ہے، اس کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے اور اگر یہ جواز کسی اہل علم کے ذریعہ ہے تو یہ اور مہلک ہے کیونکہ عالم کی ایک لغزش سے اسلام کو نقصان پہونچ جاتا ہے جب کہ جاہل یا ناواقف کی ہزار لغزشیں اسلام کو گزند نہیں پہونچا سکتیں امام کرابیسی نے قاضی شریح پر خاص طور سے اعتراض کیا کہ انہوں نے بعض فیصلے کیے ہیں ان پر نہ تو عام مسلمانوں کا عمل ہے نہ ہی وہ کتاب و سنت کی بنیاد پر ہیں۔[2]

ابو عاصم نے امام کرابیسی کا یہ قول نقل کیا کہ حدیث کو جب کوئی عالم محدث بیان کرے تو حدیث متواتر کی طرح وہ علم ظاہری و باطنی کو واجب کر دیتی ہے،

وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ صرف قال الرسول کہنا مکروہ ہے ہمیشہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیئے تاکہ عظمت کا اظہار رہو،

وہ امام شافعی سے یہ بھی نقل کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگ حیران و پریشان تھے تب انہوں نے آسمان کے نیچے حضرت ابو بکرؓ سے بہتر کسی کو نہیں پایا

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۵۔

اسی لیے لوگوں نے ان کو اپنا امیر بنایا، اس دلیل کے تحت امام کرابیسی کا یہ قول ہے کہ مفضول کی امامت جائز نہیں ہے،

عبادی نے ان کا یہ فتوی بھی نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ انت طالق مثل الف یعنی تجھکو ہزار جیسی طلاق ہے تو اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی کیونکہ کہنے والے نے عدد سے تشبیہ دی تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مثل عدد نجوم السماء کہے تو تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں لیکن جب یہ کہا جائے کہ انت طالق مثل الالف یعنی الف پر لام معرفہ داخل کرے تو صرف ایک طلاق واقع ہو گی جب کہ اس نے کسی خاص چیز کی نیت نہ کی ہو، کیونکہ اس نے صرف ایک بڑی چیز سے اس کو تشبیہ دی تو یہ ایسے ہی جیسے کوئی یہ کہے کہ انت طالق مثل الجبل اس میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے،

امام سبکی نے یہ چند باتیں نقل کر دی ہیں، اور ہم صرف انہی کی روشنی میں امام کرابیسی کے علم و تفقہ کی کچھ کرنیں دیکھ سکتے ہیں،

امام زعفرانی

امام شافعی کے بغدادی تلامذہ میں سب سے نمایاں، ان کی فقہ قدیم کے سب سے بڑے راوی اور اپنے عصروں اور ہمسروں میں سب سے زیادہ ممتاز نام امام زعفرانی کا ہے، فقہ کے ساتھ فصاحت و زبان دانی میں بھی ان کا درجہ بلند تھا

نام ونسب | ان کا پورا نام حسن بن محمد بن صباح ہے، ابوعلی کنیت ہے. بغدادی اور زعفرانی دونوں نسبتوں سے مشہور ہیں. سنہ ولادت کا ذکر کہیں نہیں ملتا، لیکن ایک اندازہ کے مطابق وہ ۱۷۵ھ یا اسی سے قریب تر سن میں پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ جب امام شافعی ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے تو خود امام زعفرانی کے بقول ان کے چہرہ پر ابھی خط سبزہ کا نمو بھی نہیں ہوا تھا[1]، زعفرانی کی نسبت ایک گاؤں زعفرانیہ کی جانب ہے. اس نام کے دو گاؤں ہیں، ایک تو ہمدان سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کے ابوالعلاء اور ابن شیبہ کے استاد ابومبرہ زعفرانی مشہور ہیں، اور دوسری بستی، بغداد کے جوار میں ہے. امام زعفرانی کا تعلق اسی گاؤں سے ہے[2]. امام ذہبی کا خیال ہے کہ امام زعفرانی کی نسبت محلہ زعفران سے ہے، لیکن امام سبکی اس کی تردید کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام زعفرانی

---

[1] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۹ [2] معجم البلدان: یاقوت حموی ج ۴ ص ۳۹۰ و مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۷۱.

حصول علم کی غرض سے بغداد آئے اور ایک محلہ میں جو باب الشعیر سے کرخ تک پھیلا ہوا تھا قیام کیا، یہاں تک کہ وہ محلہ، امام زعفرانی کی شہرت کے ساتھ انسے منسوب ہو کر مشہور ہوا[1]۔ اس باب میں قول فیصل خود امام زعفرانی کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی کی مجلس میں پہلی بار میں نے کتاب الرسالہ کی قرأت کی تو امام شافعی نے دریافت کیا، تم عرب کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو میں نے عرض کیا کہ میں عرب نہیں ہوں، زعفرانیہ دیہات کا رہنے والا ایک دیہاتی ہوں، امام شافعی یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا، تب تو تم اس گاؤں کے گل سرسبد ہو[2]۔

اساتذہ و شیوخ امام زعفرانی کے اساتذہ و شیوخ میں جلیل القدر محدثین، فقہاء اور اصحاب کمال کے اسماء گرامی شامل ہیں، مثلاً سفیان بن عیینہ، عبدہ بن حمید، عبد الوہاب ثقفی، وکیع بن جراح، ابن عطاء، ابن علیہ، عفان بن مسلم، یحییٰ بن عباد، شبابہ بن سوار، سعید بن سلیمان واسطی اور یزید بن ہارون وغیرہ[3]۔ لیکن اس سلسلۃ الذہب میں

امام شافعی سب سے زیادہ درخشاں شخصیت امام شافعی کی ہے، وہ ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے اور یہاں تقریباً دو برس قیام کیا، ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ اسی دور میں امام زعفرانی نے امام شافعی سے تقریباً تیس رسالوں پر مشتمل ان کی کتاب پڑھی اور اس کا املا کیا، بعد میں یہ رسالے کتاب البغدادی یا کتاب قدیم کے نام سے مشہور ہوئے[4]، امام زعفرانی فرماتے ہیں کہ ہم امام شافعی کے رسالوں کو ایک ہی دن میں لکھتے اور پڑھتے تھے، اس وقت ہم ان کی اہمیت کے بارہ میں زیادہ

[1] طبقات کبریٰ، سبکی ج ۱ ص ۲۵۰۔ تاریخ بغداد، خطیب ج ۷، ص ۴۰۷ [2] ایضاً [3] تاریخ بغداد خطیب ج ۷، ص ۴۰۷۔ طبقات کبریٰ، سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ [4] الانتقاء: ابن عبد البر ص ۸۴

سنجیدہ نہیں تھے اور نہ ہمارے سان وگمان میں یہ بات تھی کہ ایک دن ان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہوجائے گی، امام زعفرانی کی نگاہوں میں یہ اہمیت اس لیے نہیں تھی کہ اس وقت تک وہ کوفیوں (حنفیوں) سے زیادہ مرعوب تھے[1] بہرحال دو برس میں انہوں نے امام شافعی سے اس درجہ فیض حاصل کیا اور علم فقہ میں اس قدر مہارت و قابلیت حاصل کی کہ امام شافعی کے مصر تشریف لے جانے کے بعد وہ عراق میں ان کے طرز اجتہاد اور طریق استنباط کے نمایاں ترین ترجمان ونمائندہ ہو گئے،

امام شافعی سے تعلق بغداد اس وقت حجاز و مصر کے برعکس، حنفی مکتب فکر کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں کثرت سے علماء اور طالبین علم، امام ابوحنیفہ کے علم وفقہ سے متاثر تھے، امام زعفرانی بھی ان طالب علموں میں تھے جو حنفی المسلک تھے لیکن شاید فطری میلان اور علم حدیث سے خاص شغف کی بنا پر جس کا اندازہ ان کے مذکورہ بالا اساتذہ کے ناموں سے ہوتا ہے، امام شافعی کی آمد کے موقع پر وہ ان کی خدمت میں سب سے پہلے پہونچے اور نوعمری کے باوجود اپنی ذہانت، لیاقت اور غیر معمولی فہم و ادراک کی وجہ سے امام شافعی کے مقرب خاص ہو گے، بغداد میں امام شافعی کی مجلس میں شریک ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل، امام ابوثور اور امام کرابیسی کی سی نامور ہستیاں تھیں، امام احمد بن حنبل تو امام شافعی کی مجلس کے مستقل شرکا میں سے تھے، امام زعفرانی فرماتے ہیں کہ میں جب بھی امام شافعی کی مجلس میں حاضر ہوا یا جب جب کچھ بھی پڑھا تو امام احمد بن حنبل کو موجود پایا،[2] سب سے پہلی مرتبہ امام شافعی کی مجلس علم میں یہ سارے حضرات موجود تھے، اور

---

[1] تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸، [2] طبقات: شیرازی ص ۸۲

جب امام شافعی نے قرأت کتاب کے لیے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سے کون کتاب خوانی کرے گا؛ تو یہ حضرات باوجود اپنی وجاہت علمی کے خاموش رہے، امام شافعی کی جلالت شان، ان کے علمی دبدبہ اور بے مثل زبان دانی کے سامنے کتابوں کی قرأت یوں بھی آسان نہ تھی، لیکن امام زعفرانی نے اس پر لبیک کہا، وہ کہتے ہیں کہ میرے علاوہ کسی نے یہ جرات نہ کی، حالانکہ میں سب سے نوعمر تھا اور میرے چہرہ پر ابھی خط سبزہ تک کا ظہور نہیں ہوا تھا[1]، بعد میں اس واقعہ کو یاد کر کے وہ فرماتے کہ وانی لا تعجب من انطلاق لسانی رجارتی بین یدیہ یعنی اب میں خود امام شافعی کے حضور اس جسارت لسانی پر تعجب کرتا ہوں، اس کے بعد وہ مستقل امام شافعی کی مجلس میں کتاب خواں ہو گئے، انہوں نے تقریباً تمام رسالوں کی قرأت کی، سوائے دو رسالوں کے یعنی کتاب المناسک اور کتاب الصلوۃ، ان دونوں رسالوں کو امام شافعی نے خود ہی پڑھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ احمد بن حنبل اور ابوثور امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن قرأت کا امتیاز امام زعفرانی کو حاصل ہوتا[2]، امام شافعی کو ان پر مکمل اعتماد تھا چنانچہ ۱۹۸ھ میں جب وہ دوبارہ مصر تشریف لائے تو امام کرابیسی نے درخواست کی کہ وہ اپنی کتابوں کی اجازت ان کو دیدیں، لیکن امام شافعی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ زعفرانی کی کتابیں لو اور ان کو لکھ لو، میں ان کتابوں کی اجازت تم کو دیتا ہوں[3]، لیکن امام زعفرانی کی جس صلاحیت نے امام شافعی کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا وہ ان کی عربی زبان میں مہارت وقدرت تھی، بغداد

زبان دانی

---

[1] تہذیب الاسماء؛ نووی ج ۱ ص ۶۰، تاریخ بغداد؛ خطیب ج ۷ ص ۴۰۸، طبقات کبری؛ سبکی ج ۱ ص ۲۵۰ [3] الانتقاء؛ ابن عبد البر ص ۶۷

سے مصر تشریف لے جانے کے بعد بھی وہ اپنے اصحاب مصر کے سامنے امام زعفرانی کی اس صلاحیت کو مدح و ستائش کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے. امام مزنی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے سامنے امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک غیر عربی کو پایا جس کی زبان دانی اور سخن فہمی پر مجھے اتنا ہی اعتماد ہے، جتنا کسی عربی الاصل پر ہو سکتا ہے بسا اوقات تو گمان یہ ہوتا کہ اصلا عربی وہ ہے اور میں نبطی و عجمی ہوں. کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! اس درجہ کامل و ماہر شخص کون ہے؟ فرمایا، زعفرانی![1]

جلالت علمی بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی ان کو لغت کا امام[2]، اپنے دور کا سب سے فصیح اللسان[3] اور اہل زبان تسلیم کیا[4]، اس کے ساتھ ہی ان کی منزلت علمی کا اعتراف بھی اعلیٰ الفاظ میں ہوا. امام سبکی ان کو امام جلیل، فقیہ، محدث، فصیح بلیغ اور ثقہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں. امام ماوردی کا قول ہے کہ قدیم فقہ شافعی کے چار اہم راوی، امام احمد بن حنبل، ابو ثور کرابیسی اور امام زعفرانی ہیں. ان میں زعفرانی کا شمار اثبت راوی کی حیثیت سے ہوتا ہے[5]. امام یافعی مالکی ان کو ذہین ترین علماء میں شمار کرتے ہیں، وہ ان کی حدیث و فقہ میں مہارت تام اور ان کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے فقہ شافعی کی مقبولیت میں ان کے اثرات کا اعتراف کرتے ہیں[6]، امام نسائی ان کو ثقہ اور ابن المنادی احد الثقات قرار دیتے ہیں[7]،

ذکر شافعی امام شافعی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی پر کشش اور جاذب قلب و نظر

---

[1] طبقات کبری، سبکی ج ۱ ص ۲۵۰ [2] طبقات الشافعیہ: ابن ہدایہ [3] اعلام: زرکلی ج ۱ ص ۲۳۸ [4] تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸ [5] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ [6] مرآۃ الجنان: یافعی مالکی ج ۲ ص ۱۸۲ [7] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱۔

شخصیت عطا کی تھی کہ ان کے آستانہ علم پر باریاب ہونے والے طالب علم سے زیادہ ان کے عاشق و فدائی کی حیثیت رکھتے، یہ وصف ان کے ہر شاگرد کی سیرت میں کم وبیش مشترک نظر آتا ہے، امام زعفرانی کی مجلسوں میں بھی عام طور سے امام شافعی کا ذکر رہتا، وہ فرماتے کہ میں نے یحیٰ بن معین سے جب امام شافعی کے بارہ میں اظہار رائے کی خواہش کی تو انہوں نے فرمایا، اگر جھوٹ بھی امام شافعی پر حملہ آور ہو تو امام شافعی کی شرافت نفس اس کو شکست دے دیگی[1]، وہ فرماتے کہ اصحاب حدیث، عالم خواب میں تھے۔ امام شافعی نے ان کو بیدار کر دیا، اور اب جس کے ہاتھ میں بھی قرطاس وقلم کی دولت ہے۔ اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے[2]،

فتنہ خلق قرآن | فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں ان کے ابتلاء و آزمائش کا گو کوئی ذکر نہیں، تاہم بغداد میں جہاں ان کے ہم سبق امام احمد بن حنبل سخت شدائد و محن کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور جہاں اہل کلام کے خلاف آواز بلند کرنا گویا آزمائش کو دعوت دینا تھا، امام زعفرانی اپنے موقف حق پر قائم رہے، وہ فرماتے کہ میں نے خود امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل کلام کے بارہ میں میرا یہ فیصلہ ہے کہ ان کو زدوکوب کیا جائے۔ اونٹوں پر بیٹھا کر ان کی تشہیر کی جائے اور کہا جائے کہ یہ سزا ہے تارکین کتاب و سنت کی[3]، اس قول کی تقریر و تصویب سے گویا خود امام زعفرانی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔

چند روایات | امام سبکی، دیگر اصحاب شافعی کی طرح امام زعفرانی کے سبب

[1] تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ بہ حوالہ بالا۔ [2] وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۹

[3] الانتقاد: ابن عبد البر ص ۸

بڑے سوانح نگاروں میں ہیں. انہوں نے امام زعفرانی سے امام شافعی کی مروی کئی تفسیری اور حدیثی روایتیں اور مسائل کو نقل کیا ہے، آیت کریمہ ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ کی تفسیر تو یہ ہے کہ ایک آدمی بیک وقت مومن و منافق، بدکار و نیکوکار نہیں ہو سکتا، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں ایک عورت کو بیوی اور ماں اور ایک مرد کو ایک ہی وقت میں حقیقی اولاد اور متبنی اولاد کا درجہ نہیں دیتا، یا یہ کہ منافقین حضورؐ کے بارہ میں کہتے تھے کہ آپ کے دو دل ہیں ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا صحابہ کے ساتھ ہے، ان کے اس قول کی اللہ تعالیٰ تکذیب فرماتا ہے[1]. لیکن امام زعفرانی، امام شافعی سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ من قلبین سے مراد من الابوین ہے یعنی ایک بیٹا دو باپوں سے نہیں ہو سکتا، امام سبکی اس تشریح کی تحسین کرتے ہیں[2].

امام زعفرانی سے ایک رافضی کے بارہ میں جو جنگ میں شریک ہوا تھا، یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ اس کو مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے ذکر کے بعد فرمایا:

والذین جاؤا من بعدھم یقولون	اور وہ مال غنیمت، ان لوگوں کیلئے بھی ہے
ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین	جو ان اگلوں کے بعد آتے ہیں جو کہتے ہیں اے
سبقونا بالایمان ولا تجعل	ہمارے رب، ہم کو اور ہمارے ان سب بھائیوں
فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا	کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں
انک رؤف رحیم (حشر ۲)	اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کیلئے بغض

نہ پیدا کر اے ہمارے رب تو بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

---

[1] مدارک التنزیل: نسفی ج ۳ ص ۲۲۴ [2] طبقات کبری ج ۱ ص ۲۵۱.

خود بھی داد سخن دیتے ان کے ایک شاگرد امام ابن مسروق ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جب امام زعفرانی کی نشست جاری تھی، ان کے ہم عصر وہم درس اور ممتاز فقیہ ابوثور تشریف لائے. کچھ دیر تبادلہ خیال کے بعد جس میں کچھ نوک جھونک اور دلچسپ چوٹیں شامل تھیں وہ واپس چلے گئے. ان کے جانے کے بعد امام زعفرانی نے فرمایا لو چند شعر ہو گئے ہیں، سنو. یہ کہہ کر مندرجہ ذیل اشعار سنائے[1]

عجد ابین المحبین   جدال وقتال
فاذا ما عز یا من   ذاک فالحب محال
لا یطیب حب اذا ما   لم یکن فیہ جدال
وامتناع من حبیب   عندہ عز الوصال

محبت کرنے والے دلوں میں چھیڑ چھاڑ، رضامندی و ناراضی رہتی ہی ہے، اگر ان میں یہ بات نہ ہو تو محبت دشوار ہے. محبت وہی اچھی ہے جس میں کچھ چوٹیں ہوں چشمکیں ہوں، محبوب کے وصل کی لذت اس کے بغیر مشکل ہے،

ان اشعار کی سلاست، برجستگی اور خیال کی شوخی سے امام زعفرانی کے حسن ذوق کی ترجمانی ہوتی ہے، اچھے اشعار کی داد وہ گنگنا کر دیتے تھے. ایک موقع پر وہ یہ اشعار گنگنا رہے تھے،

لا والذی تسجد الجباہ لہ   مالی بما دون ثوبها خبر
ولا بفیها ولا هممت بہ   ما کان الا الحدیث والنظر

خدا کی قسم مجھے اس کے بدن اور چہرہ کی خبر نہیں، مجھے تو یار کی دید و شنید سے مطلب ہے

---

[1] تاریخ بغداد : خطیب ج ۷ ص ۴۰۷

سند حدیث | چونکہ رافضی نہ اس کا قائل ہے اور نہ اس پر عامل، اس لیے وہ مال فے (غنیمت) کا مستحق بھی نہیں ہے[1] امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام شافعی عبد اللہ بن مبارک اور حضرت انسؓ سے منقول یہ روایت ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ من البخل، امام زعفرانی سے ہی مروی ہے، اس کے علاوہ شبابہ بن سوار حضرت معاویہؓ اور ابو بکر بکراوی اور حضرت منکدرؓ بن جابر کے سلسلوں سے کئی اور اہم روایتیں بھی امام زعفرانی سے مروی ہیں، ایک اور روایت امام زعفرانی سے حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے بارہ میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے سات کنکریوں سے رمی جمار کیا اور اس طرح کھڑے ہو کر کہ کعبہ بائیں جانب اور عرفہ بائیں جانب تھا، پھر آپ نے فرمایا۔[2]

ھذا المقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ	یہی وہ جگہ ہے جہاں سورۃ بقرہ نازل کی گئی تھی،

ان کے علاوہ عوالی کی بہت سی حدیثیں ایسی ہیں، جن میں سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے میں وہ اور امام شافعی شریک سلسلہ ہیں[3]، امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے[4]،

شعر و سخن کا ذوق | امام زعفرانی کے روز و شب حدیث و فقہ کی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی میں گزرتے تھے، لیکن اس کے ساتھ امام شافعی کے اثر صحبت اور زبان پر خود انکی بے مثل مہارت کی وجہ سے شعر و سخن کا ستھرا ذوق بھی ان کو ودیعت ہوا تھا، کبھی کبھی وہ

---

[1] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ [2] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۴۰۷، ۵۰۷ [3] توالی التاسیس عسقلانی ص ۸۰ [4] طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱۔

ان اشعار کی شوخی نے شاید مجلس کے کسی زاہد خشک شریک کو حیرت میں ڈال دیا وہ پوچھ بیٹھے کہ یا ابا علی ان ھذا لیغنی بہ اے ابو علی، کیا یہ اشعار گنگنانے کے لائق ہیں، امام زعفرانی نے فرمایا،

ثکلتک وھل یغنی الا بالشعر الجید — برا ہو، ارے نفیس شعر ہی تو پڑھے جاتے ہیں،[1]

وفات | تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی اس جامع و باکمال ہستی نے رمضان المبارک ۲۶۰ھ میں وفات پائی[2] سنہ وفات کے بارہ میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے، سمعانی کی روایت ہے کہ ربیع الآخر ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا، ابن خلکان نے شعبان ۲۶۰ھ کا ذکر کیا ہے[3] ایک روایت کے مطابق شعبان کے آخری دن انتقال ہوا[4] فی الجملہ سال وفات ۲۵۹ھ یا ۲۶۰ھ قرار دیتے ہیں، لیکن راجح روایات اول الذکر ہی ہے کہ امام نووی بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں[5]

حسن صورت و سیرت | امام زعفرانی کو اللہ تعالے نے سیرت کی پاکیزگی کے ساتھ بے نظیر حسن صورت کی نعمت سے نوازا تھا، ان کی خوش خوئی و خوش روئی کے بارہ میں امام سبکی لکھتے ہیں،

لم یکن فی عصر الزعفرانی احسن صورۃ منہ وانہ لم یتکلم فیہ احد لسوءٍ — امام زعفرانی کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی اور خوبصورت نہیں تھا، نیز ان کے بارے میں کسی کو کوئی نازیبا بات کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔[6]

اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے باب میں امام احمد بن حنبل کی یہ رائے بھی قابل ذکر ہے

---

[1] تاریخ بغداد خطیب ج ۷ ص ۴۰۸ [2] ایضاً طبقات کبریٰ سبکی ج ۲ ص ۲۵۲ [3] وفیات ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۶

[4] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۴۰۸ [5] تہذیب الاسماء، نووی ج ۱ ص ۲۰۰

جو انہوں نے اپنے برادر زادہ کو مخاطب کرتے ہوئے ظاہر کی تھی کہ ما بلغني عنه بالخير یعنی ان (امام زعفرانی) کے بارہ میں تو مجھے خیر کی خبر ہی ملتی رہی۔[1]

تلامذہ امام زعفرانی کی عظمت واقعی اور جلالت علمی کا اندازہ ان کے شاگردوں کی فہرست سے ہوتا ہے، جس میں امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ جیسے عظیم المرتبت محدثین شامل ہیں، یعنی سوائے امام مسلم کے باقی سارے ائمہ صحاح، ان کے سرچشمہ علم سے فیضیاب ہوئے، ان حضرات کے علاوہ ابوالقاسم لغوی، ابن صاعد، زکریا ساجی، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، محمد بن مخلد، ابوسعید بن الاعرابی اسماعیل بن عباس، ابوعبید بن حربویہ اور محدثین و فقہا کا ایک پورا طبقہ ان کا سلسلۂ تلمذ میں نظر آتا ہے۔[2]

یہ وہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی ذات کے لحاظ سے انجمن اور علم وعمل کی آبرو اور اپنے استاد و شیخ کی متاع ناز ہے، البتہ امام زعفرانی کی تصنیفات کا ذکر نہیں ملتا، وہ امام شافعی کے اقوال قدیم کے راوی ہیں اور امام شافعی کے مصر تشریف لے جانے کے بعد ان کے قدیم اقوال و آرا پر مشتمل ان کی فقہ کا بیشتر حصہ متروک ہوگیا، اس لیے امام زعفرانی کے املا کردہ رسالوں کے مقبول اور رائج ہونے کا امکان بھی زیادہ نہ رہا، انہوں نے امام شافعی سے بیس رسالوں پر مشتمل ایک کتاب پڑھی تھی جس کا املا بھی کیا، یہ کتاب کتاب البغدادی یا کتاب قدیم کے نام سے مشہور ہوئی[3] ابوعاصم کا قول ہے کہ کتاب عراقی یعنی کتاب الام کا حصہ قدیم

---

[1] تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸، [2] طبقات: سبکی، شیرازی، ابن ہدایہ تاریخ بغداد، وفیات اور مراۃ الجنان وغیرہ، [3] الانتقاء: ابن عبد البر ص ۸۰ ۔

امام زعفرانی سے ہی منسوب ہے۔[1] لیکن اب یہ رسالے نایاب ہیں، امتداد زمانہ اور ردو قبول کے عمل کے نتیجہ میں اب صرف ان کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ امام زعفرانی کے ایک قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان کی چند کتابیں اور بھی تھیں۔ ابو محمد بن بنت الشافعی ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میری کتابوں میں کتاب وسنت کے مفاہیم کا مطالعہ کریں اور ان کو عام کریں، خواہ وہ ان کے معانی و مطالب کو مجھ سے منسوب کریں یا نہ کریں۔[2] ان کی یہ خواہش ان کے استاد امام شافعی کی خواہش کے عین مطابق ہے۔ امام شافعی نے اپنے مرض الموت میں تقریباً انہی الفاظ میں اپنی آرزو کا ذکر کیا تھا۔

---

[1] طبقات کبریٰ : سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ [2] ایضاً۔

امام یونس بن عبد الاعلیٰ صدفی

نام و نسب یونس بن عبد الاعلیٰ بن موسیٰ نام ہے ابو موسیٰ کنیت ہے، صدفی، مصری اور مغربی[1] بھی مذکور ہیں، مگر شہرت صدفی کی نسبت سے پائی ہے۔

ذی الحجہ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے، جائے پیدائش کی صراحت نہیں ملتی، لیکن مصری نسبت کی وجہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے۔[2]

اساتذہ و شیوخ خاندان کے حالات تذکرہ نگاروں کی نظر سے مخفی رہے، لیکن ان کے علمی خاندان کا ذکر موجود ہے، ان کے اساتذہ میں سفیان عینیہ، ابن وہب، ولید بن مسلم، معن بن عیسیٰ، ابوضمرہ انس بن عیاض[3] جیسے نامور محدثین کے اسماء گرامی شامل ہیں، ان کے علاوہ اسماعیل بن ابی فدیک، محمد بن عبید اور امام اشہب[4] سے بھی کسب فیض کیا، ابن وہب سے تو وہ بہت سی روایتوں کو نقل کرتے ہیں،[5] آخر میں امام شافعی کے دائرہ فضل و کمال میں شامل ہوئے اور حدیث[6] و فقہ میں مہارت حاصل کی۔

حدیث و فقہ کے علاوہ امام صدفی نے قرأت و تجوید کے علم و فن میں بھی امتیاز حاصل کیا، تذکرہ نگاران کی اس خوبی کا ذکر خصوصیت سے کرتے ہیں، قرأۃ نافع انہی سے ماخوذ ہے، جس کو انہوں نے اپنے وقت کے تجوید کے امام ورش سے حاصل کیا تھا، امام ورش کے علاوہ سقلاب بن شیبہ، یعلی بن دحیہ، نافع اور علی بن الکبشا اور قالون سے بھی علوم قرأت کی تحصیل کی،[7] قرأت حمزہ بھی ان سے نقل کی گئی ہے،[8]

---

[1] مغربی کی نسبت بخارا کے مضافات کی ایک بستی سے ہے جس کا دوسرا نام اودنہ ہے، اللباب ج ۱ ص ۳۷ [2] تو الی التاسیس ص ۱۳ [3] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۹ [4] الانتقاء، ابن عبد البر ص ۱۱۲ [5] وفیات ابن خلکان ص ج ۲ ص ۴۸۵ [6]

تلامذہ و رواۃ امام صدفی سے حدیث کی سماعت و روایت کرنے والوں میں امام مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابو عوانہ، ابوبکر بن زیاد نیشاپوری، ابو طاہر مدینی، ابو عبدالرحمٰن نیشاپوری جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ابن خلکان نے مواس بن سہل، محمد بن الربیع، اسامہ بن احمد محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور محمد بن جریر الطبری کے نام بھی، ان کے شاگردوں کی فہرست میں شمار کیے ہیں[1]۔ ان نمایاں حضرات کے علاوہ ایک بڑی تعداد نے حدیث فقہ اور قرأت کے علوم کو ان کے سرچشمہ فیض سے حاصل کیا۔

جلالت شان امام صدفی کا شمار گو اساطین فقہاء شافعیہ میں نہیں کیا گیا لیکن ان کی جلالت شان، کسی دوسرے ہم عصر فقیہ سے کم بھی نہیں تھی، امام سبکی فرماتے ہیں کہ دیار مصر میں ریاست علم ان پر ختم تھی انتھت الیہ ریاسۃ العلم بدیار مصر[2] ابن عبدالبر کے الفاظ میں وہ اہل فقہ و قرآن و حدیث میں جلیل القدر تھے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالاعلی کے بارہ میں کسی نے کلام نہیں کیا، امام یحیٰی بن حسان فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے یہ یونس تو ارکان اسلام میں سے ہیں یونسکم ھذا من ارکان الاسلام ابو عبداللہ قضاعی (خطط مصر) نے لکھا کہ وہ اپنے دور کے فاضل ترین شخص اور نہایت درجہ دانش مند و عاقل تھے، تقریباً انہی الفاظ میں صاحب حسن المحاضرہ نے اپنا تاثر ظاہر کیا کہ امام یونس صدفی پر، ریاست علم اور کتاب و سنت میں علوئے اسناد ختم تھے ابن خلکان لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں، احادیث کی صحت و سقم میں گویا ایک نشان راہ تھے اور راس فن میں اس درجہ صاحب کمال و مہارت تھے کہ کم از کم ان کے دور میں کوئی ان کا ہم سر و ہم پلہ نہیں تھا[3]، صاحب مرآۃ الجنان کے الفاظ میں وہ فقہاء قراء کے حلقہ میں سر مجلس تھے

---

[1] وفیات: ابن خلکان، ج ۲ ص ۸۸۵: مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۷۷، توالی التاسیس ص ۱۴ [2] طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۷۹، ۲۸۰ [3] وفیات: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۵۸۔

قاضی مصر محمد بن ابی اللیث بیان کرتے ہیں کہ جب قاضی بکار، مصر کے والی مقرر ہوئے تو کسی صائب رائے سے مشورہ کیا کہ مصر میں ایسے حضرات سے باخبر کرو جو اپنی رائے اور مشورہ میں صائب اور صحیح ہوں، اس شخص نے کہا کہ مذکورہ صفات میں دو حضرات نہایت نمایاں ہیں، ان میں سے ایک یونس بن عبدالاعلی صدفی ہیں، جو اعلیٰ درجہ کے صاحب فہم و بصیرت ہیں[1]۔ لیکن امام صدفی کی سب سے زیادہ قابل رشک تعریف امام شافعی نے کی، انہوں نے فرمایا کہ میں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلی سے زیادہ اہل دانش کسی اور کو نہ دیکھا[2]، مصر میں یونس بن عبدالاعلی کے ہم عصر نامور ائمہ حدیث و فقہ کے ناموں کا اگر استحضار رہے تو امام شافعی کی یہ سند یونس بن عبدالاعلی کی جلالت شان کو اعلیٰ وارفع بلندیوں تک پہنچاتی ہے،

تقوی و متانت دین | امام صدفی کے تذکرہ میں ان کے علم و فقہ کے ساتھ تقوی، ورع اور متانت دین کے اوصاف کو بھی نمایاں حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الورع متین الدین (بہت زیادہ تقوی اور متانت دین والے) تھے، صاحب مرآۃ الجنان کے الفاظ میں وہ متقی، صالح، عابد اور کبیر الشان تھے، جلال الدین سیوطی نے بھی انہی الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے، امام عسقلانی نے عارف، عالم، متقی فاضل، شریف اور عاقل کے الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی ایک امتیازی صفت یہ بھی تھی کہ ان کا شمار ایسے چند لوگوں میں ہوتا تھا جن کی گواہیاں، حکام کے نزدیک معتبر اور قابل قبول تھیں، وکان من جملۃ الذین یتعاطون الشہادۃ، اقام یشہد عند الحکام[3]، شہادت کا یہ فریضہ وہ مصر میں ۶۰ برس تک انجام دیتے رہے، فقہ میں ان کو جو رتبہ حاصل تھا، علم حدیث میں بھی

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۲۸۰ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

ان کا وہی مقام تھا، امام نسائی جو ان کے راوی ہیں، ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حاتم کے صاحبزادہ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد کو یونس بن عبد الاعلیٰ کی توثیق کرتے ہوئے سنا۔ وہ ان کی جلالت و مرتبت کا ذکر بڑی قدر کے ساتھ کرتے تھے۔[1]

امام صدفی کی روایات حدیث میں کسی محدث نے کوئی کلام نہیں کیا۔ صرف مندرجہ ذیل حدیث کی امام شافعی سے روایت کرنے میں وہ منفرد ہیں۔

لایزداد الامر الاشدۃ ولا	امر (حکومت یا دنیا) میں شدت ہی بڑھیگی
الدنیا الا ادبارا ولاالناس الا	دنیا پستی و ادبار کی طرف بڑھتی رہیگی لوگوں
شحا، ولاتقوم الساعۃ الا علیٰ شرار	میں حرص و آز بڑھتا جائے گا۔ قیامت صرف
الناس، ولا المھدی الا عیسی	برے لوگوں پر ہی قائم ہوگی اور مہدی
بن مریم[2]	ہی عیسی ابن مریم ہیں،

اس روایت کو امام شافعی سے ان کے علاوہ اور کسی نے بیان نہیں کیا، لیکن منفرد ہونے سے راوی کے ثقہ او ر ثبت ہونے پر اثر نہیں ہوتا اور نہ یہ منفرد ہونا، باعث قبح ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ کتاب یونس میں۔ بجائے حدثنا الشافعی کے حدثت عن الشافعی کے الفاظ ہیں۔ اس طرح بعد میں عن کا لفظ ساقط ہوگیا اور جس راوی نے امام شافعی سے اس روایت کو لے کر ان سے بیان کیا تھا، اس کا نام ساقط ہوگیا، لیکن امام سبکی نے تصریح کی ہے کہ رواۃ نے بصراحت حدثنا الشافعی کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اور انہوں نے ثبوت میں دو طریق سے اس روایت کو نقل کیا اس کے علاوہ اسی حدیث کو امام صدفی سے ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی، ابن ماجہ، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، ابوبکر بن زیاد

---

[1] طبقات کبری بہ حوالہ سابقہ [2] ایضاً۔

نے بھی روایت کیا اور یہ سب ائمہ حدیث ہیں

امام یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی کے مذکورہ حالات کی روشنی میں ان کے فقہی کمالات سے ہم کو واقف ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخ کے عدم اعتناء اور زمانہ اور حالات کی گردش نے ان کے چشمہ فیض کے چند قطرے بھی ہمارے لیے نہیں چھوڑے ان کی کسی کتاب تک ہماری رسائی نہیں، صرف ایک کتاب، کتاب یونس کے محض نام کا علم ہے، کسی بھی تذکرہ نگار نے ان کی کسی کتاب یا رسالہ سے اُن کی تصنیف کا ذکر نہیں کیا البتہ امام سبکی نے حسب معمول، ان کے چند اقوال کو فوائد ومسائل کے نام سے نقل کیا ہے، مثلاً وہ امام شافعی کے اس قول کو بیان کرتے ہیں کہ اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو علم حجازی (حدیث) نہ ہوتا، اسی طرح وہ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب امام مالک آئے تو ستاروں کے مالک ہو گئے۔ اذا جاء مالک فمالک النجم، اسی طرح ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں ان سے مروی، امام شافعی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ اسم غیر مسمی یا اسم مسمی تو سمجھ لو کہ وہ اہل کلام سے ہے اور مذہب سے اس کو سروکار نہیں یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ امام شافعی سے علم کلام اور اہل کلام کے بارہ میں ذم اور مدح دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تبیین کذب المفتری میں ایسے تمام اقوال جمع کر دیے ہیں اور ظاہر ہے یہ رائیں، زمانہ اور عہد کے ماحول کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

اسی طرح امام یونس نے امام شافعی سے ایک فقہی قضیہ نقل کیا ہے جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کا اختلاف ہوا تھا اور امام شافعی نے قیاس کو حضرت علیؓ کے حق میں قرار دیا تھا اس قضیہ میں تین مسئلے تھے ایک مسئلہ تو ایسی عورت کا تھا جس نے اپنے زمانہ عدت میں نکاح کیا اور اس دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کا عمل قائم کیا۔ ایسی صورت میں اس شخص مذکور

پر حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اسی رائے کو امام مالک اور امام احمد نے بھی اپنے قول قدیم میں قبول کیا لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہو گی، ایسے ہی ایک مسئلہ اس عورت کا ہے جس کا شوہر مفقود الخبر ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول یہ ہے کہ انتظار کی ایک مدت کے بعد وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے، لیکن حضرت علیؓ کا قول ہے کہ نہیں وہ ہمیشہ صبر اور انتظار کرے گی اس لیے کہ اس پر یہ ابتلاء ہے اور آفت و آزمائش میں صبر ہی کیا جاتا ہے۔ اور تیسرا مسئلہ ایسی عورت کا تھا جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی، عدت گذرنے کے بعد اس عورت نے نکاح کر لیا، پھر طلاق دینے والا شوہر واپس آگیا اور یہ بینہ (شہادت) قائم کیا کہ اس نے عورت سے عدت کی مدت گذرنے سے پہلے ہی مراجعت کر لی تھی ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کا قول یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کا زیادہ حقدار ہے لیکن حضرت علیؓ کا کہنا ہے کہ پہلا شوہر زیادہ حقدار ہے اور امام شافعی بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

اسی طرح امام یونس یہ مسئلہ بھی نقل کرتے ہیں کہ اگر مسافر قصر کا انکار کرتے ہوئے کسی نماز کو پورا پڑھے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے،

امام شافعی سے وہ ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی سے ایک شخص کا مناظرہ ہوا اور وہ شخص لاجواب ہو گیا، اس کے بعد امام شافعی نے فرمایا کہ اب تم میرے مسلک کو لے لو اور میں تمہارے مسلک کو اور پھر مناظرہ ہو جائے، چنانچہ مناظرہ ہوا اور امام شافعی نے اس کو پھر خاموش کر دیا، اس کے بعد امام شافعی نے امام یونس سے فرمایا کہ اسی کا نام صناعت ہے، امام یونس نے امام شافعی کی بعض تفسیری رایوں کا بھی ذکر کیا، مثلاً آیت واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم کے بارہ میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہو گئی ہے،

خذوا عنی خذوا عنی قد — مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے

جعل اللہ لهن سبیلا، علی البکر — لیے راہ نکالی ہے باکرہ پر سو کوڑے اور

جلد مائۃ وتغریب عام و — ایک سال کی جلاوطنی اور غیر باکرہ پر رجم ہے۔

علی الثیب الرجم

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ شافعی میں آیات قرآن کے احکام کو حدیث کے ذریعہ سے منسوخ کیا جا سکتا ہے، ایک شخص نے امام یونس سے حدیث اقروا الطیر علی مکناتھا کے معنی دریافت کئے، انھوں نے فرمایا کہ اللہ حق بات کو پسند کرتا ہے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کو کوئی اہم ضرورت پیش آتی تو بطور استخارہ وہ کسی چڑیا پرندہ کے گھونسلہ کے پاس جاتا اور چڑیا پرندہ کو ہنکاتا اگر وہ پرندہ دائیں جانب اڑتا تو وہ اپنی اس ضرورت کے لیے نکلتا لیکن اگر پرندہ بائیں طرف اڑتا تو پھر وہ شخص اس کام کے کرنے سے باز رہتا، حضورؐ نے اس عمل سے منع فرمایا اور فرمایا کہ پرندہ کو اپنے گھونسلہ میں رہنے دو،

ایک مسئلہ امام یونس نے امام شافعی سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں جو نماز کی حالت میں ہے اور ایک شخص نماز کی حالت میں نہیں ہے، اس کو چھینک آتی ہے، وہ الحمد اللہ کہتا ہے اس پر مصلی رحمک اللہ کہتا ہے؟ امام شافعی نے فرمایا کہ نماز منقطع نہیں ہو گی، اس پر امام یونس نے کہا کہ کیسے، حالانکہ یہ جملہ تو کلام کے حکم میں ہے، امام شافعی نے جواب دیا اس مصلی نے اصل میں دعا دی ہے اور حضورؐ نے نماز کی حالت میں لوگوں کے لیے دعا کی ہے، اس لیے یہ نماز نہیں ٹوٹے گی،

ایک مرتبہ امام شافعی دو شخصوں کو آپس میں ایک دوسرے کو سخت سست کہتے ہوئے سن رہے تھے، کچھ دیر کے بعد امام شافعی نے فرمایا کہ تم ہر شخص کو خوش نہیں

رکھ سکتے، اس لیے اپنا اور خدا کا معاملہ درست رکھو، اور سارے لوگوں کی پرواہ نہ کرو[1]۔

ایک موقع پر وہ فرماتے ہیں کہ ہم امام شافعی کی مجلس میں تھے، امام صاحب نے فرمایا کہ جو چیز کسی زندہ کے جسم سے الگ کی جائے وہ مردہ کے حکم میں ہے، یہ سن کر ایک کم سن لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ حضرت بال اور اون جو زندہ سے الگ کئے جاتے ہیں وہ تو پاک ہیں اس پر امام شافعی نے جواب دیا کہ میرے قول کا مطلب آدمیوں سے تھا نہ کہ چوپایوں سے،

امام یونس بن عبد الاعلی سے ایک دلچسپ قول اور نقل کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبید اللہ بن الحسن بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھیں، وہی امام شافعی کو لے کر یمن گئی تھیں اور انہی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی تھی، امام یونس بن عبد الاعلی کہا کرتے تھے کہ میں کسی ہاشمی کو نہیں جانتا جس کو کسی ہاشمیہ نے جنم دیا ہو سوائے حضرت علی بن ابی طالب اور امام شافعیؒ کے،

لیکن امام یونس کے اس قول سے ماہرین انساب میں ایک نئی بحث شروع ہو گئی کہ امام شافعی کی والدہ واقعی ہاشمیہ تھیں یا قبیلہ ازد یا اسد سے تھیں جن کا نام تو متعین نہیں لیکن جن کی کنیت ام حبیبہ تھی، امام شافعی کا ایک یہ بھی قول ہے کہ امی من الازد یعنی میری ماں قبیلہ ازد سے ہیں، علماء نے اس قضیہ پر اپنے اپنے انداز سے روشنی ڈالی ہے، اکثر کا میلان جن میں امام سبکی بھی شامل ہیں اس جانب ہے کہ ان کی والدہ ہاشمیہ تھیں لیکن دونوں فریقوں کے دلائل کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی کا یہ قول سب سے بہتر ہے کہ واللہ اعلم ای الامرین اثبت، کہ اللہ کو ہی خوب علم ہے کہ کون سا معاملہ زیادہ صحیح ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ امام شافعی سے امام یونس بن عبد الاعلیٰ کی محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے،

وفات | ان کا انتقال ربیع الثانی ۲۶۴ھ میں مصر میں ہوا، یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی ساری

---

[1] طبقات کبریٰ بحوالہ سابقہ۔

زندگی سرزمین مصر میں ہی گذری کیونکہ ایک بار امام شافعی نے ان سے پوچھا کہ کیا کبھی بغداد گئے ہو، انھوں نے جواب دیا نہیں، تو فرمایا تب تم نے نہ دنیا دیکھی نہ لوگ، درحقیقت ان کی ذاتی بے نفسی تقوی، عبادت اور دنیا سے زہد کی کیفیت نے ان کو شاید اسفار سے دور رکھا، اور وہ صرف سفر آخرت کے لیے روانہ ہوئے، قرافہ میں تدفین ہوئی،

اولاد معنوی کی طرح اولاد ظاہری کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا البتہ ایک پوتے حافظ امام ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد کا ذکر کتابوں میں اہتمام سے ملتا ہے، یہ علوم تاریخ و ایام میں بڑے نامور ہوئے، ان کی تاریخ مصر بقول جلال الدین سیوطی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے،

امام مزنیؒ

نام ونسب | اسمٰعیل بن یحییٰ نام ابوابراہیم کنیت عرب کے مردم خیز قبیلہ مزنیہ تمیم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں، یہ نامور قبیلہ عثمان اور اوس دو بھائیوں کی اولاد پر مشتمل ہے، مزنیہ بنت کلب ان کی والدہ تھیں۔[1]

صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ حضرت معقلؓ، حضرت نعمان بن معرنؓ وغیرہ اسی قبیلہ کے نامور فرزند ہیں، [2]صاحب تاج العروس نے مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کو اسی قبیلہ میں شمار کیا ہے، تابعین میں معاویہ بن قرہ، بکر بن عبداللہ اور خالد بن عبداللہ طحاوی جیسے جلیل القدر حضرات بھی قبیلہ مزنیہ کی طرف منسوب ہیں [3] مزنی کے ذکر میں علامہ ذہبی نے اس نسبت کی ایک اور توجیہ کی ہے، ان کا بیان ہے کہ سمرقند کا ایک قریہ مُزن یا مُزنہ کے نام سے مشہور رہے، محدث شہیر احمد بن ابراہیم مزنی اور دوسرے مشاہیر اسی قریہ سے تعلق رکھتے ہیں اس نسبت کے لوگ (بسکون زا) مزنی کہلاتے ہیں،[4] اور قبیلہ مزنیہ سے تعلق رکھنے والے (بفتح زا) مزنی کہلاتے ہیں، بہرحال .... امام مزنی جن کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں وہ قبیلہ مزنیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور مزنی کہلاتے ہیں۔

---

[1] الانساب۔ سمعانی ج ۲ ص ۵۲۷ [2] اللباب فی الانساب۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۲ [3] المغنی، پٹنی ص ۱۱۱

[4] تاریخ اسلام۔ ذہبی ج ۲ ص ۴۴

پیدائش | امام مزنی ۱۷۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، سارے سوانح نگار اس سنہ پر متفق ہیں[1] لیکن علامہ سبکی نے ربیع مرادی (امام مزنی کے رضاعی بھائی) کے حالات میں امام طحاوی کی رائے کسی قدر مختلف نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ بکر بن نصر، ربیع مرادی اور مزنی تینوں ایک ہی سنہ یعنی ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے، طحاوی، امام مزنی کے بھانجے ہیں اس لئے ان کے بیان کو اہمیت دی جانی چاہئے، مگر دوسرے مورخین کا کیا ذکر خود سبکی نے بھی اس پر زور نہیں دیا، اور سرسری طور پر ذکر کردیا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ روایت زیادہ قوی نہیں ہے اور عام سوانح نگاروں ہی کا بیان صحیح ہے۔

نشو و نما | امام مزنی کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے، ان کے خاندانی حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ والد کے مشاغل کا بھی کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ہے، صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے رہنے والے تھے مصر پورے ملک کو بھی کہتے تھے، اور یہ اس شہر کا نام بھی تھا، جو فسطاط کے قریب تھا، اسلامی فتوحات سے پہلے اسے بڑی مرکزیت حاصل تھی، فاطمیوں کے زمانہ میں قاہرہ آباد ہوا اور وہ مصر کا دار السلطنت قرار پایا، اور ایسی ترقی کی کہ پھر کوئی دوسرا شہر اس کا ہمسر نہ رہا، لیکن مصر و فسطاط اب بھی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، مزنی کے زمانہ میں مصر بہت بارونق تھا، اور تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کے بڑے بڑے ائمہ یہاں مقیم تھے۔ اور تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور بحث و نظر کے مستقل حلقے قائم تھے، لیکن حدیث کی طرف خاص توجہ تھی۔

امام لیث بن سعد، نعیم بن حماد، مفضل بن فضالہ، حیوہ بن شریح، یحییٰ بن ایوب اور عمرو بن حارث جیسے اکابر ائمہ حدیث یہاں موجود تھے، اور ان کی وجہ سے یہ علاقہ طالبان علوم حدیث کی خصوصی

---

[1] طبقات، ابن ہدایہ ص ۵، سبکی ج ۱ ص ۲۳۸، ابن شہبہ قلمی ص ۲۰۲ موجود خدا بخش لائبریری پٹنہ، توالی التاسیس ص ۴۱ وغیرہ

توجہ کا مرکز تھا۔[1] اس ماحول میں امام مزنی نے شعور کی آنکھیں کھولیں اللہ تعالٰی نے حفظ وذہانت سے خوب نوازا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے، یوں تو اکثر ائمہ حدیث سے انہوں نے اکتساب فیض کیا، لیکن نعیم بن حماد سے زیادہ مناسبت تھی، نعیم بن حماد کے علمی کمال اور جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ امام ترمذی، دارمی اور امام بخاری کے راوی ہیں، وہ اصحاب رائے کے طرز عمل کو پسند نہیں کرتے تھے، اور قیاس و رائے کے بجائے صرف حدیث کے الفاظ کو پیش نظر رکھتے تھے، اس بنا پر محدثین کے حلقہ میں ان کی بڑی عزت تھی، ان کی صحبت میں مزنی کو اصحاب حدیث سے بڑا تعلق پیدا ہوا، نعیم بن حماد کے علاوہ امام مزنی نے علی بن معبد العبدی سے بھی سماعت حدیث کی، ان کا شمار بھی اہم محدثین میں ہوتا ہے علی بن معبد کے اساتذہ میں مالک بن انس، خالد بن حبان، سفیان ابن عُیینہ اور عبداللہ ابن مبارک اور تلامذہ میں امام مزنی کے علاوہ اسحاق بن منصور ابن معین اور محمد بن اسحاق صغانی کی سی عظیم المرتبت ہستیوں کے نام آتے ہیں، امام مزنی نے اپنی کتاب مختصر المزنی کے باب الاضحیۃ میں ان کا ذکر کیا ہے، لیکن امام نودی کا خیال ہے کہ یہ ان کے ہم نام علی بن معبد الصغیر ہیں۔[2]

مصر میں امام شافعی کی آمد

سماعت حدیث کا سلسلہ جاری تھا، اور امام مزنی کبار محدثین سے استفادہ کر رہے تھے، کہ امام شافعی کی مصر میں آمد کا غلغلہ بلند ہوا، مصر میں امام شافعی کی یہ تشریف آوری اس وقت ہوئی جب ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ چکا تھا وہ یمن، مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور عراق سے گذر کر یہاں پہونچے تھے، وہ امام مالک

---

[1] خطط۔ مقریزی، ص ۱۴۵،

[2] تہذیب الاسماء، نودی ج ۱ ص ۳۵۲ ،تہذیب عسقلانی جلد دوم ص ۳۸۴

کی خدمت میں بھی رہے تھے، اور امام محمد کے یہاں بھی انھوں نے ان بزرگوں سے استفادہ بھی کیا تھا، اور ان کے افکار وخیالات پر ناقدانہ نگاہ بھی ڈالی تھی۔ وہ عراق وحجاز اور دوسرے علمی مراکز کے نقطۂ نظر سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور ان ائمہ کے مسلک ان کے اجتہاد اور طرز استدلال کو اچھی طرح سمجھتے اور اپنے علم وبصیرت کی روشنی میں ان پر نقد بھی کرتے تھے ان خصوصیات کی بنا پر وہ سارے اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ مصر میں ان کا بڑا اخیر مقدم ہوا، اور ان کا کاشانہ شائقین علم کا مرکز عقیدت بن گیا۔ مزنی نے بھی ان کی خدمت میں حاضری کو اپنے لیے باعث سعادت جانا اور علم کے اس بحر زخار سے اپنی تشنگی کی سیرابی اور ذہنی آسودگی حاصل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ محض حدیث کے سامع اور راوی ہی نہیں بلکہ کتاب وسنت کے اسرار ورموز سے بھی آگاہ ہو گئے، اجتہاد واستدلال کی نئی راہیں ان پر منکشف ہوئیں اور انھوں نے امام شافعی کے علم واجتہاد کو دور دور تک پھیلا دیا، اور نہ صرف مصر بلکہ سارے بلاد اسلامیہ میں فقہ شافعی کی اشاعت وترویج کا اہم ذریعہ بن گئے۔ ان کے بارے میں بجا طور پر کہا جاتا ہے،

اکبر اصحابنا علماً و اعلم غلمان الشافعی الذی مهّد مذهب ولین کلام الشافعی[1]	وہ ہمارے اصحاب میں علم کے لحاظ سے سب سے برتر اور امام شافعی کے شاگردوں میں عالم ترین شخص تھے جنھوں نے شافعی مسلک کی راہ ہموار کی اور کلام شافعی کو آسان بنایا،

امام شافعی | امام مزنی کی فکری وفقہی ساخت وپرداخت کو سمجھنے کے لیے،

---

[1] خطط۔ مقریزی ص ۳۴۴

امام شافعی کے علمی منازل کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مدینہ میں امام مالک سے کسب فیض کے بعد امام شافعی ۱۸۴ھ میں بغداد تشریف لائے جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں انھوں نے امام محمد سے فقہ حنفی کا درس لیا۔ اثنائے درس میں امام محمد سے تبادلہ خیالات اور علمی مباحث نے امام شافعی کے علمی و فکری رجحانات پر گہرے نقوش ثبت کئے اور بقول ابن حجر وہ اہل حدیث اور اہل رائے کے علوم کے جامع بن گئے۔ بغداد میں ان کے قیام کی مدت یقینی طور پر معلوم نہیں ہے۔ لیکن شیخ ابو زہرہ کا خیال ہے کہ دو برس سے کم ان کا قیام بغداد میں نہیں رہا،

قیام مکہ اس کے بعد وہ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ یہاں امام احمد بن حنبل سے انکی ملاقات ہوئی ۹ برس یہاں ان کا قیام رہا۔ مسجد حرام میں باقاعدہ ان کا ایک حلقہ قائم تھا۔ اس طرح فکر شافعی کی ترویج کا پہلا دور شروع ہوا۔ ۹ برس کا یہ دور امام شافعی کی حیات علمی کا شاداب ترین دور تھا۔ ایک تو عمر کے لحاظ سے وہ عقلی پختگی کے حدود میں پہونچ گئے تھے دوسرے وہ امام مالک اور امام محمد کے اجتہادات اور طرز استدلال سے آگاہ ہو چکے تھے، اور ان کی روشنی میں بحث و نظر کے ایک نئے رخ کی تعیین میں کامیاب ہو چکے تھے اپنے علمی اسفار کی بنا پر مختلف علماء کے آراء و افکار سے واقفیت کے علاوہ انہیں حدیث کے وسیع لیکن منتشر ذخیرہ کی فراہمی کا بڑا موقع ملا جس سے اصول کی تشکیل مسائل کے تجزیہ و تحلیل، تفریع و تشریح اور استنباط و اجتہاد میں اصابت رائے اور فیصلۂ محکم کی صلاحیت پورے طور پر نمایاں ہو چکی تھی، امام احمد بن حنبل نے جو مکہ میں ہی مقیم تھے، اور ابن عینیہ کے حلقوں سے اٹھ کر امام شافعی کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے تھے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ فقہ کا قفل بند تھا، اللہ تعالٰی نے شافعی کے ذریعہ اسے کھلوا دیا۔ مکہ معظمہ میں نو برس

قیام کے بعد امام شافعی دوبارہ ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے۔ اس مرتبہ تقریباً ۳ برس قیام رہا، اس عرصہ میں ان کی علمی اور فقہی کسوٹی کے لئے وسیع تر مسائل پیش ہوئے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی کے اختلافات کا تجزیہ، واقدی اور اوزاعی کا تقابلی جائزہ اور خود اپنے اصولوں پر عرض و نقد کا عمل۔ اس طرح بغداد کے اس قیام کو بجا طور پر امام شافعی کے فقہی سفر کی دوسری منزل قرار دیا جاتا ہے،

مصر کا سفر | تکمیل و تاسیس کی تیسری اور آخری منزل کے لیے سرزمین مصر مقدر ہو چکی تھی، بغداد سے مصر کی ہجرت کے اسباب میں کاتب تقدیر کی مصلحت بینی کے علاوہ خلیفہ وقت مامون کے عقائد معتزلہ کا روز افزوں اقتدار اور علوم اسلامیہ میں علم کلام کی تیزی کے ساتھ اثر پذیری کو بھی دخل ہے، یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان حقایق کی موجودگی میں امام شافعی کی دور رس نظروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی، کہ کسی بھی مکتب فکر کی تاسیس و تکمیل کے لئے جس قسم کی یکسوئی اور فراغ خاطر درکار ہے۔ بغداد میں اس کی گنجائش دور دور نظر نہیں آتی، ان کے علوم و معارف اور تفقہ و اجتہاد کی راہ خطرات سے دوچار تھی۔ ایسے موقع پر امام شافعی کی فراست نے انھیں مصر کی طرف ہجرت کی صلاح دی۔ انھوں نے بغداد سے روانگی کے وقت جو اشعار کہے ہیں ان سے بھی اس خیال کو تائید حاصل ہوتی ہے،

لقد اصبحت نفسی تتوق الی مصر　　ومن دونها قطع المهامة والقفر

فواللہ ما ادری الفوز والغنی　　اساق الیها ام اساق الی القبر

ترجمہ، میرا دل مصر کے لئے مشتاق ہے حالانکہ اس کی راہ میں دشواریاں ہیں بخدا میں نہیں جانتا کہ کامرانی و بے نیازی کے لئے جایا جا رہا ہے، یا مصر کی خاک میں مدفون ہونے کے لئے،

قیام مصر کی اہمیت | جو لوگ امام شافعی کی فراست فہم اور تفقہ سے واقف ہیں، ان کے لئے یہ بات باعث حیرت واستعجاب نہیں ہے کہ قیام مصر نے امام شافعی کے امید واندیشہ دونوں کا جواب اثبات میں دیا، سرزمین مصر اس آفتاب عالمتاب کو اپنی آغوش میں لے کر جہاں رشک افلاک بن گئی، وہیں اسے علوم شافعیہ کے ایک نئے آفتاب کے طلوع کی سعادت بھی حاصل ہوگئی، فقہ شافعی کی ساری عطر بیزی اسی چہار سالہ قیام مصر کا نتیجہ ہے، فقہ شافعی کی نمو و تکمیل اس کی تشکیل و تشریح اور اشاعت و ترویج کے مراحل کی تعیین مصر ہی میں ہوئی، اور یہیں اس نے استحکام حاصل کیا،

اصحاب مصر | امام شافعی کی فقہ کے فروغ میں ان کے مصری شاگردوں کی بڑی اہمیت ہے، امام شافعی اپنے تلامذہ و اصحاب کے باب میں بہت خوش قسمت ہیں کہ ہر دور میں بڑے باصلاحیت، حوصلہ مند اور مخلص ترین رفقا کی ایک جماعت کثیر ان کے دامن علم سے وابستہ رہی، مکہ معظمہ کے قیام کے دوران ابو بکر حمیدی، موسیٰ بن ابی الجارود ابو بکر محمد بن ادریس اور بغداد کی مجالس میں زعفرانی کرابیسی، ابو ثور کلبی اور مصر کے آخری دور میں حرملہ بن یحییٰ، بویطی، ابن عبد الحکم ربیع جیزی، ربیع مرادی، اور مزنی جیسے نادرہ روزگار تلامذہ ان کے دامن فیض سے وابستہ رہے[1] مصری رفقا کی حیثیت اس لئے اور اہم ہو جاتی ہے کہ فقہ شافعی کے سارے مستند مقبول اور متداول سرمایہ کے امین و پاسبان، ان کے علم کے حامل اور ان کے تنقیح شدہ مسائل کے ترجمان یہی اصحاب مصر ہیں اور اس گنج گرانمایہ کا گوہر آبدار اور مصر کے بازار علم کی متاع بیش بہا امام مزنی کی ذات صد افتخار ہے۔

مزنی کی امام شافعی سے ملاقات | علامہ سبکی نے کوہ علم، مسلک شافعی کا ناصر و مددگار اور

[1] توالی التاسیس، عسقلانی، الانتقاء ابن عبد البر اور شافعی، ابو زہرہ وغیرہ سے ملخصاً۔

آسمان شافعی کے ماہِ کامل [1] کے بظاہر مبالغہ آمیز الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن امام مزنی کی شخصیت کی جلوہ طرازی خود اعلان کرتی ہے کہ آسمان شافعی کے بدر کامل کی یہ تعبیر مبالغہ سے قطعاً پاک ہے مصر میں امام شافعی کی آمد کے وقت امام مزنی کی عمر صرف ۲۴ برس کی تھی، نوعمری میں وہ نعیم بن حماد، علی بن معبد جیسے کبار اساتذۂ حدیث سے اکتساب علم کر چکے تھے لیکن انھیں علمی سیرابی کے لیے کسی بحر ذخار کی ضرورت تھی، امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھیں اس بحر ناپیدا کنار میں شناوری کا ڈھنگ آیا،

امام شافعی سے ان کی پہلی ملاقات کب، کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس کا ذکر صراحت سے نہیں ملتا لیکن اندازہ ہے کہ امام شافعی کی مصر میں تشریف آوری کے ساتھ ہی امام مزنی ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے ابن حجر کے الفاظ ولزم الشافعی حین قدم مصر [1] سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، ابتدا میں وہ امام شافعی کی مجلسوں میں شاید ان کے کلام کو سننے کے شوق اور پیچیدہ علمی مسائل کے بارے میں استفسار کی غرض سے حاضر ہوئے گو وہ اس وقت حدیث کے طالب علم تھے، اور مصر میں اس وقت اسی کا دور دورہ تھا، لیکن بغداد سے بُعد مسافت کے باوجود مصر، بغداد کے جدید علمی رجحانات سے بالکل غیر متاثر نہ تھا علم کلام نے ذہنوں کے لئے خاصا پرکشش تھا، امام مزنی کا کلامی طرز فکر و استدلال سے متاثر ہونا قرین قیاس ہے چنانچہ امام شافعی سے مسائل کے استفسار میں ان کا انداز اہل کلام کا سا ہوا کرتا تھا، امام شافعی علم کلام اور متکلمین کے بارہ میں بہت سخت تھے، اس موقع پر ان کا یہ قول لائق ذکر ہے

حکمی فی اھل الکلام ان	اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ
یضربوا بالجرائد و	یہ ہے کہ انھیں چھڑیوں سے مارا جائے

---

[1] توالی التاسیس ص ۸۴

يحملوا على الابل ويطاف — اور اونٹوں پر بیٹھا کر بستیوں اور
بهم في العشائر والقبائل — قبیلوں میں پھرایا جائے، اور
وينادى عليهم هذا جزاء — پکار پکار کر کہا جائے کہ یہ سزا
من ترك الكتاب والسنة[1] — کتاب وسنت کے ترک کی پاداش میں ہے

کچھ علم کلام سے ناپسندیدگی اور کچھ امام مزنی کی پوشیدہ فقہی صلاحیتوں سے آگاہی کے سبب امام شافعی کو مزنی کا یہ کلامی انداز پسند نہ آیا، اور ایک روز جب امام مزنی نے چند کلامی مباحث چھیڑے تو امام شافعی نے ان کو مطمئن کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ایسا علم ہے کہ اگر تم جادۂ صواب پر رہے تو بھی اجر کا موجب نہیں اور اگر کسی غلطی اور لغزش کا ارتکاب ہوا تو بات کفر کی حد تک پہونچ سکتی ہے، آخر تم ایسا علم کیوں نہیں اختیار کرتے جو تمہارے لیے باعث خیر ہو کہ صحت وصواب ہر صورت میں مستحق ثواب ہو اور خطا اور غلطی کی شکل میں وبال سے محفوظ رہو" فهل لك في علم ان اصبت فيه اجرت وان اخطأت لم تأثم، مزنی نے عرض کیا وہ کیا؟ فرمایا علم فقہ امام مزنی خود فرماتے ہیں کہ

فلزمته وتعلمت منه — پھر میں ان کی خدمت میں لگ گیا
الفقه ودرست عليه[2] — ان سے فقہ کا علم حاصل کیا،

اسی قسم کے ایک موقع پر امام شافعی نے فرمایا.

سلني عن شي اذا اخطأت — مجھ سے ایسی چیز کے متعلق سوال
فيه قلت اخطأت ولا — کرو کہ اگر تم غلطی کرو تو میں کہوں
تسئلني عن شي اذا اخطأت — تم نے غلطی کی ایسی چیز کے بارے

---

[1] تہذیب الاسماء، نووی ج ۱ ص ۲۸۵ [2] معجم المصنفین ج ۲

فیہ قلت کفرات[1]	میں مت پوچھو کہ اگر تم سے خطا ہو
تو میں کہوں تم کفر کے مرتکب ہوئے

اسی سیاق میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک روز امام شافعی کی نشست میں امام حفص فرد موجود تھے، دونوں حضرات کے مابین دقیق قسم کے کلامی مباحث پر گفتگو ہو رہی تھی مزنی کا اعتراف ہے کہ ابہام اور پیچیدگی سے پُر یہ باتیں میری فہم کی گرفت سے بالاتر تھیں کہ اچانک امام شافعی تیزی سے مزنی کی جانب متوجہ ہوئے، اور فرمایا،

یا مزنی تدری ما قال	اے مزنی تم سمجھے کہ حفص نے کیا کہا
حفص قلت لا قال خیر لك	میں نے کہا نہیں، فرمایا، تمھارے لیے
ان لا تدری[2]	نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔

اس طرح امام شافعی نے مزنی کی قوت استدلال، صلاحیت استحضار اور دقیقہ سنجی نکتہ رسی، معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ کی فطری اور خداداد صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے بعد اپنی ساری توجہ ان کی فقہی صلاحیتوں کی تربیت و ترقی پر مرکوز کر دی، چار برس کی محنت اور توجہ کے بعد امام شافعی کے جذبات کا ان کے حق میں اظہار ان الفاظ میں ہوا جو کسی بھی شاگرد کے لیے باعث صد افتخار ہیں، فرمایا،

ھذا لو ناظر الشیطان	یہ اگر شیطان سے مناظرہ کریں
لغلبہ وقطعہ وھو ناصر	تو اس پر غالب آجائیں، اور اسے
مذھبی[3]	ختم کر دیں، یہ میرے مسلک کے ناصر و مددگار ہیں

---

[1] طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۳۱ ۔ [2] وفیات الاعیان ۔ ابن خلکان ص ۔ طبقات شیرازی ص ۹۷ ۔ اسنوی قلمی موجود خدا بخش لائبریری ص ۸ ۔

امام شافعی کی دوربیں اور دوررس نگاہوں نے اپنے اس نوجوان اور ہونہار شاگرد کی مستقبل میں کامیابی کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا، چنانچہ امام صاحب کے مرض الموت میں جب ان کے چاروں مصری تلامذہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک لمحے یہ امام شافعی اپنے لگائے ہوئے چمن کے ان سرسبز و شاداب پودوں کو جن کی آبیاری میں انھوں نے اپنا سارا سرمایۂ حیات اور خون جگر صرف کیا تھا دیکھتے رہے، پھر متوجہ ہو کر ہر ایک کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی، فرمایا

اما انت یا ابا یعقوب	اے ابو یعقوب (بویطی) تمھارا وقت
فستموت فی حدیدک	موعود آئے گا، اور تم بیڑیوں میں
واما انت یا محمد فسترجع	ہوگے، اور اے محمد (ابن عبدالحکم)
الی مذہب ابیک و	تم اپنے والد کے مسلک پر لوٹ جاؤگے
اما انت یا ربیع فانت	اور اے ربیع (مرادی) تم میرے
انفعھم لی فی نشر الکتب	لیے کتابوں کی اشاعت میں نافع ترین
واما انت یا مزنی فیکون	شخص ہوگے اور اے مزنی بہت جلد
لک بمصر ھنات وھنات	مصر میں تمھارے لیے خوب خوب
ولتدرکن زمانا تکون	خوشگواریاں ہوں گی اور وہ
اقیس ذلک الزمان	زمانہ ضرور پاؤگے جس میں تم سب سے
قال الربیع فکان کما قال[1]	بڑے فقیہ ہوگے، ربیع کہتے ہیں جیسا
	فرمایا ویسا ہی ہوا،

---

[1] طبقات السبکی ص ۲۳۹

ایک سعادت مند شاگرد کے لئے اس سے بڑھ کر اس کی عظمتوں اور کامیابیوں کی ضمانت و شاہد سند اور کیا ہو سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مصر کے علاوہ عراق، شام، خراسان اور اندلس وغیرہ دیار شرق و غرب میں فقہ شافعی کا فروغ امام مزنی، اور ان کے تلامذہ کا رہین منت ہے[1]

...... اپنے اقوال و افعال سے شعوری طور پر شخصیت کی تعمیر اور حکیمانہ تربیت میں امام شافعی کو جو ملکۂ خاص ودیعت ہوا تھا، اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ امام مزنی ان کی خلوت و جلوت کے شریک تھے، ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے، کہ امام شافعی اپنے تلامذہ کو اخلاق عالیہ کی تعلیم کتنے حکیمانہ انداز سے دیتے تھے، مثلاً ایک روز ایک خیاط امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا، امام صاحب نے کسی لباس میں رفو کرایا اور ایک دینار دیدیا، خیاط دینار دیکھ کر ہنسا، امام صاحب نے فرمایا اسوقت یہی لے لو، اگر اور دینار ہوتے تو میں ضرور دیتا، اس پر خیاط نے کہا میں تو صرف سلام کی غرض سے حاضر ہوا تھا، امام شافعی نے فرمایا تب تو زائر بھی ہو، اور رہمان بھی ہو، اور ان دونوں سے خدمت لینا شرافت نہیں، ایسے ہی ایک موقع پر امام شافعی چند تیر اندازوں کے پاس سے گزرے، ایک تیر انداز بڑا ماہر اور کہنہ مشق تھا، اس کی بے خطا نشانہ بازی سے امام شافعی خوش ہوئے، دعا دی اور مزنی سے فرمایا جیب میں کچھ ہے؟ امام مزنی کے پاس اتفاق سے تین ہی دینار تھے، امام شافعی نے وہ تینوں دینار بطور انعام اس تیر انداز کو مرحمت کر دیئے، امام مزنی ان واقعات کو لطف لے لے کر دہراتے تھے[2] ان واقعات کی روشنی میں انھوں نے اپنی زندگی کو حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کیا،

امام مزنی کے شعری ذوق میں امام شافعی کا پرتو امام مزنی کو شعر و ادب کا جو ذوق تھا وہ تمامتر امام شافعی کا عطیہ ہے، ایک بار امام مزنی کی موجودگی میں امام شافعی کی خدمت میں کسی

---

[1] معجم المصنفین ۲۰۸ [2] طبقات السبکی ص ۲۵۱

شخص نے غلط انداز اور خراب لے سے چند اشعار سنائے۔ امام شافعی کی طبیعت مکدر ہوگئی اور فرمایا، اضرستنی[1] (تم نے مجھے کبیدہ خاطر کر دیا) .... ایک بار امام شافعی نے خاص طور سے انکو یہ اشعار سنائے،

شهدت بان الله لاشی غیره | واشهد ان البعث حق وخلص
وان عری الایمان قول مبین | وفعلی زکی قد یزید و ینقص
وان ابا بکر خلیفة ربه | وکان ابوحفص علی الخیر یحرص
واشهد ربی ان عثمان فاضل | وان علیا فضله متخصص
ائمة قوم یهتدی بهداهم | لحا الله من اباهم تینقص[2]

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور موت کے بعد دوبارہ زندگی حق ہے، ایمان قول مبین کا نام ہے، میرے افعال میں زیادتی و نقصان کا عمل رہتا ہے، ابوبکر رض اپنے رب کے خلیفہ ہیں، عمر خیر کے آرزومند ہیں، عثمان رض صاحب فضیلت ہیں، اور علی رض کی فضیلت خاص ہے، یہ حضرات قوم کے امام ہیں، ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے، خدا اسے غارت کرے جو ان کی تنقیص کرے،

ایک بار فرمایا، مزنی جاہلوں کے نزدیک علم ویسا ہی ناپسندیدہ ہے، جیسا اہل علم کے نزدیک جہل، پھر یہ اشعار سنائے،

ومنزلة الفقیة من السفیه | کمنزلة السفیة من الفقیه
فهذا زاهد فی قرب هذا | وهذا فیه ازهد منه فیه[3]

ترجمہ: سفیہ (بیوقوف) کے نزدیک فقیہ کی وہی حیثیت ہے جیسی اس کی فقیہ کے نزدیک حیثیت

---

[1] معجم المصنفین ۲۷۸ [2] طبقات السبکی ص ۲۵۱ [3] ایضاً۔

ہوتی ہے۔ یہ اس کے قرب میں بے رغبت ہے اور وہ اس سے بڑھ کر اس کی ذات سے بے نیاز ہے

امام شافعی کے دم رخصت جب مزنی حاضر خدمت ہوئے اور مزاج پرسی کی تو فرمایا دنیا سے رخصت اور دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ اپنے اعمال کی برائیوں کا سامنا اور موت کا جام پینا ہے۔ بخدا نہیں جانتا کہ میری روح کا رخ جنت کی جانب ہے کہ اسے مبارکباد دوں یا جہنم اس کے سامنے ہے کہ تعزیت کروں " پھر یہ اشعار سنائے۔

ولما قسی قلبی وضاقت مذاهبی — جعلت رجائی نحوك سلما

تعاظمنی ذنبی فلما قرنته — بعفوك ربی كان عفوك اعظما

فمازلت ذا عفو عن الذنب لم تزل — تجود وتعفو منة وتكرما[1]

ترجمہ: جب میرا دل سخت ہو گیا، راہیں مسدود ہو گئیں تو تیرے عفو سے میں نے اپنی امید باندھی، میرے گناہ مجھے بڑے معلوم ہو رہے تھے، لیکن جب میں نے اپنے رب کے عفو و کرم سے ان کا موازنہ کیا تو میرے رب کا کرم زیادہ نکلا، تونے گناہوں سے ہمیشہ درگذر کیا۔ اور تیرے احسان وانعام کی دولت ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

مزنی سے التفات خاص، گفتگو میں مزاح کا رنگ

امام مزنی۔ امام شافعی کے اس قدر قریب، مزاج شناس، اور چہیتے شاگرد تھے کہ وہ اپنی ثقاہت و متانت اور تمکین و وقار کے باوجود کبھی کبھی ان سے گفتگو میں غایت محبت و فرط التفات کی بنا پر مزاح کی چاشنی بھی شامل کر دیتے تھے، ایک بار مزنی سے فرمایا میں نے مدینہ میں چار عجیب و غریب چیزیں دیکھیں۔ ایک تو اکیس ۲۱ برس کی دادی دوسری ایک ایسا شخص جسے قاضی نے دو مد کھجور کی گٹھلیوں کے بارے میں مفلس قرار دیا۔ تیسری نوّے ۹۰ برس کا ایک پیر فرتوت جو دن بھر

---

[1] طبقات ابن ہدایۃ ص ۲ و سبکی ج ۱ ص ۲۵۶

ننگے پاؤں کنیزوں کے پاس گانے کی تعلیم دینے کے لیے آتا جاتا رہتا تھا، لیکن جب نماز پڑھتا تو بیٹھ کر چوتھی چیز کے بارے میں بھول گیا، ایک مرتبہ مزنی سے فرمایا، میں پچاس برس تک شادی شدہ مردوں سے ازدواجی زندگی کے بارے میں ان کا ردِعمل معلوم کرتا رہا، لیکن کسی ایک نے بھی اس تجربہ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہا،

ایک بار مزنی کے سامنے

انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله

ماتقدم من ذنبك وما تاخر.

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ

ماتقدم من ذنبك سے مراد ذنب آدم اور ماتاخر سے مراد ذنوب امت ہیں، بیہقی نے احکام القرآن میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ **هذا قول مستظرف** [1] یہ قول لطیف ہے، امام شافعی کے اس التفات خاص اور فرط محبت کے باب میں کوئی بھی امام مزنی کا ہمسر نہیں ہے،

استاد کے بارے میں مزنی کے تاثرات

امام شافعی کی دل آویز شخصیت اور ان کے انداز دلنوازی و دلداری کا یہ اثر تھا کہ امام مزنی عمر بھر اپنے محبوب و مرشد استاذ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے، فرماتے تھے،

لووزن عقل الشافعی	اگر امام شافعی کی عقل کو زمین
بعقل نصف اهل الارض	کے آدھے لوگوں کی عقل سے وزن
لرجح [2]	کیا جائے، تو امام صاحب کی عقل

---

[1] طبقات السبکی ج ۱ ص ۲۴۱ [2] مرآۃ الجنان، یافعی مالکی ج ۲ ص ۱۹

زیادہ وزنی ثابت ہوگی

ایک بار فرمایا اگر تم لوگ امام شافعی کو دیکھتے تو ان کی کتابوں کے بارے میں کہتے کہ ان کی تصانیف نہیں، خدا کی قسم ان کی زبان ان کی کتابوں سے بڑھ کر تھی۔[1]

وہ اپنے استاد کی شان میں کسی قسم کی تنقید یا تنقیص گوارا نہیں کر سکتے تھے ایک دفعہ پر فرمایا، خدا کی مخلوق میں کسی سے بھی اس بات پر بحث کر سکتا ہوں کہ امام شافعی کی کتابوں میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں وہ ناقل کی ہیں، امام شافعی کی نہیں۔[2]

تقویٰ و عبادت امام شافعی سے اس عقیدت اور ذہنی وابستگی کا نتیجہ یہ ہے کہ انکے عبادات و معاملات، زہد و ورع، جود و سخا، صبر و توکل اور قناعت و بے نیازی ہر چیز میں ان کی جھلک نظر آتی ہے، وہ خود فرماتے ہیں، "انا خلق من اخلاق الشافعی" اس جھلک کا کچھ اندازہ عمرو بن عثمان مکی کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکتا ہے،

ما رایت احداً فی المتعبدین	میں بہت سے عابدوں زاہدوں سے
فی کثرۃ من لقیت منھم	ملا لیکن کسی کو بھی قوت اجتہاد عبادت
اشد اجتھادا علی المزنی	کی مواظبت علم اور اہل علم کی تعظیم
ولا ادوم علی العبادۃ	میں مزنی سے بڑھ کر نہیں پایا
منہ وما رایت احداً اشد	وہ تقویٰ کے اعتبار سے اپنے نفس پر
تعظیما للعلم واھلہ منہ	سب سے زیادہ سخت تھے لیکن
وکان من اشد الناس	دوسرے لوگوں کے معاملہ میں بڑے
تضیقا علی نفسہ فی الورع	وسیع القلب تھے۔

---

[1] مراۃ الجنان ج ۲ ص ۱۹ [2] الانتقاء ص ۸۹

وردوسعہ فی ذلک علی الناس[1]

علامہ سبکی نے انہیں "زاھدا" ورعا متقللا من الدنیا، مجاب الدعوۃ (زاہد، متقی، دنیا سے کم لینے والے اور مقبول و مستجاب) کے الفاظ سے یاد کیا ہے، تقریباً سارے اصحاب طبقات و مورخین ان کی ان صفات پر متفق ہیں، تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی ایک وقت کی نماز جماعت سے نہ ادا ہو پاتی، تو اسے علیحدہ پچیس بار ادا کرتے اور آنحضرت کا یہ ارشاد گرامی پیش کرتے، صلاۃ الجماعت افضل من صلوٰۃ احدکم وحدہ، بخمس وعشرین درجۃ (جماعت سے نماز کی ادائی تمہاری تنہا نماز سے پچیس گنا افضل ہے)[2]

احتیاط اس قدر ملحوظ رکھتے کہ سال کے ہر موسم میں تانبہ کی کٹوریوں میں پانی پیتے مٹی کے کوزوں میں اس لیے نہ پیتے کہ ان کو پکانے میں گوبر کا استعمال ہوتا تھا، اور ان کے مسلک کے لحاظ سے آگ اسے پاک نہیں کر سکتی،[3]

مُردوں کو خالص ثواب کی نیت سے غسل دیتے اور فرماتے ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ دل سوز و رقت سے خالی نہ ہو، امام شافعی کو غسل دینے کی قابل رشک سعادت بھی انہیں کے حصہ میں آئی،[4]

قضاعی نے لکھا ہے،

لم یکن احد من اصحاب	اصحاب شافعی میں سے کوئی بھی
الشافعی یحدث نفسہ	کسی معاملہ میں ان پر سبقت کا

---

[1] طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۳۸ [2] وفیات الاعیان ص ۱۲۵ [3] طبقات السبکی ج ۱ ص ۲۲۹ [4] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۸۰

با التقدم علیہ فی شی من الاشیاء[1] — دعویٰ نہیں کر سکتا تھا،

ابن یونس نے انھیں احد الزھاد فی الدنیا ومن خیر خلق اللہ سے تعبیر کیا ہے

زہد، گوشہ نشینی استغنا

ان کے زمانہ میں مصر کے فرمان روا احمد بن طولون تھے، جو اپنی شجاعت اور اولو العزمی، عدل اور سخاوت کے علاوہ علم شناسی اور علما کی قدر دانی میں بہت نیک نام تھے، ان کے دربار میں اہل فضل وکمال کی کثرت و تابانی سے کہکشان علم کا سماں نظر آتا تھا، لیکن اس دربار میں امام مزنی شاذ و نادر ہی جلوہ گر ہوتے اس کی وجہ ان کی طبعی زہد پسندی اور گوشہ نشینی تھی، صرف ایک بار مسئلہ قضاء علی الغائب کے سلسلہ میں وہ ابن طولون کی مجلس میں تشریف لائے تھے،

قاضی بکار بن قتیبہ جو اپنے منصب کے علاوہ ایک بڑے عالم اور حنفی فقیہ تھے، جب بغداد سے مصر عہدۂ قضا کے لیے آئے تو امام مزنی سے ملاقات و گفتگو کی خواہش بھی ان کے دل میں تھی، لیکن عرصہ دراز تک یکجائی کا موقع نہ ملا، ایک شہادت کے سلسلہ میں جب امام مزنی، قاضی بکار کی مجلس میں تشریف لائے اور اپنا نام بتایا تو قاضی بکار نے حیرت سے پوچھا کہ وہی مزنی جو صاحب الشافعی ہیں، فرمایا ہاں، قاضی بکار کو مشکل یقین آیا، ابو عمر کندی نے اس واقعہ کے ضمن میں صراحت کر دی ہے کہ،

لم یکن راٰہ قبلہا لاشتغال المزنی بنفسہ[2]، — اس سے پہلے نہ دیکھ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔

ایک بار پھر اتفاق سے ایک جنازہ میں ان دونوں حضرات کا اجتماع ہوا

---

[1] التقد المذہب ابن ملقن قلمی خدا بخش لائبریری پٹنہ [2] کتاب الولاۃ والقضاۃ ابو عمر و کندی ص ۵۰۸

قاضی بکار نے اپنے ایک رفیق ابو جعفر اتل سے کہا مزنی سے کچھ سوال کرو کہ ان کی گفتگو سے بہرہ ور ہو سکوں، ابو جعفر نے نبیذ کے مختلف فیہ مسئلہ کو چھیڑ دیا اور پوچھا کہ نبیذ کی تحریم و تحلیل دونوں سے متعلق احادیث موجود ہیں، تو پھر آپ تحریم کو تحلیل پر کیوں مقدم کرتے ہیں؟ امام مزنی نے فرمایا کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ دور جاہلیت میں وہ حرام تھی اس سے خود تحریم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جاہلیت میں وہ حلال تھی اس سے خود تحریم کی احادیث کی تائید ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں انھوں نے النہی بعد الاباحۃ وممانعت اباحت کے بعد ہوتی ہے کے اصول سے استدلال کیا، برسر راہ بے ساختہ ذہانت اور قوت استدلال کے اس مظاہرہ سے قاضی بکار متاثر و مسرور ہوئے اور کہا کہ دلیل قاطع کی یہ بہترین مثال ہے۔[1]

امام مزنی کی قناعت پسند اور مستغنی طبیعت سے واقف ہونے کے بعد یہ بات باعث حیرت نہیں رہتی کہ وہ دور معتصم سے عہد متوکل تک کسی بھی خلیفہ، وزیر، امیر یا کسی بھی اہل منصب سے وابستہ نہیں رہے اور مصر میں اپنے گوشۂ علم سے جدا ہو کر وہ کسی دوسرے دربار یا دیار کے سفر حتی کہ سفر حج کے کاروانوں میں بھی تلاش بسیار کے باوجود نہیں نظر آتے

امام مزنی اور فتنہ خلق قرآن

ان کی خاموش اور گوشہ گیر طبیعت نے تمام مشاغل سے علیحدہ رہ کر صرف فقہ کی تعلیم و تدریس اور اشاعت و ترویج تک اپنے کو محدود رکھا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کا دامن فتنۂ خلق قرآن کی لپیٹ سے محفوظ نہ رہ سکا ان کے مصری رفیق درس امام ابو یعقوب بویطی نے جن کے بارے میں امام شافعی کی پیشین گوئی کا ذکر ہو چکا ہے اس فتنہ کا شکار ہو کر امام احمد بن حنبل کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں

---

[1] مرآۃ الجنان۔ یافعی مالکی ج ۲ ص ۱۷۸

برداشت کیں اور بالآخر اسی قید کے عالم میں ان کی روح قفس عنصری سے آزاد ہو گئی

ایسے پر آشوب زمانہ میں امام مزنی کے درس و تدریس میں انہماک اور ان کی احتیاط و خاموشی سے ایک طرف ان کے دوست بویطی کو شکایت رہی کہ اس سے معتزلہ کی ہمت افزائی ہوئی اور ان کے ہاتھوں اہل حق کو مصائب میں مبتلا ہونا پڑا، دوسری طرف بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہیں

وکان من یعادیه وینافسه	ان کے بعض مصری معاندین و منافقین ان
من اھل مصر یرمونه	پر الزام لگاتے تھے کہ وہ کہتے ہیں
بانه کان یقول	قرآن مخلوق ہے حالانکہ ان کے بارے
القرآن مخلوق وھذا	میں یہ خیال صحیح نہیں
لا یصح عنه[1]	

لیکن یہ سب حاسدین و معاندین کی کارستانی ہے، مشہور ہے، کل ذی مال محسود امام مزنی معتزلہ کی موافقت کیسے کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کو اس میدان کا مرد نہیں سمجھتے تھے، لیکن صاحبان ہمت و عزیمت کے مداح تھے امام احمد بن حنبل کے بارے میں ان کا یہ قول ضرب المثل کی حد تک مشہور ہو چکا ہے۔

ابوبکر یوم الردة وعمر	امام احمد بن حنبل کے دور میں	حضرت ابوبکرؓ مرتدین کے بارے میں
یوم السقیفه وعثمان یوم		فیصلہ کے دن، حضرت عمرؓ سقیفہ کے
الدار وعلی یوم الصفین		دن، حضرت عثمانؓ شہادت کے دن
واحمد بن حنبل یوم المحنه[2]		اور حضرت علیؓ جنگ صفین کے دن اور
		احمد بن حنبل (فتنہ خلق قرآن کے سبب)[2]

---

[1] انتقاء ص [2] طبقات السبکی ج ۱ ص ۲۰۰

کسی بھی ابتلاء و آزمائش کے زمانہ میں لوگوں کو غلط فہمیاں ہو ہی جاتی ہیں جن سے غلط بیانیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس معاملہ میں بھی یہی ہوا۔ امام مزنی کی مجالس میں کثرت بہت کم ہو گئی جعفر بن جدار کاتب نے اسی موقع پر کہا تھا،

والمزنی الذی الیہ — فعشوا اذا دھرنا ادلھما

جب سارا زمانہ ہمارے لیے تاریک تھا تو ہم مزنی کی پناہ میں تھے۔

اس نازک موقع پر تائید غیبی ان کے کام آئی ایک مرد صالح نے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ابدال میں سے ہیں، ایک صبح جامع مصر میں کھڑے ہوئے لوگوں کو جمع کیا، اور فرمایا، تم سب غلطی پر ہو، توبہ استغفار سے کام لو، میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہاری اسی مسجد میں ہوں۔ مسجد کی ساری قندیلیں سوائے ایک قندیل کے گل ہیں، اور یہ قندیل وہیں ہے جہاں امام مزنی کی نشست ہے، علامہ ابن عبدالبر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

فتوافی الناس الیہ	لوگ ان کی خدمت میں پھر حاضر
واستجبوہ وعظمت حلقتہ	ہوئے ان سے محبت کا معاملہ کیا
حتی اخذت اکثر الجامع	ان کا حلقہ درس بہت وسیع ہو گیا،
وزال ما فی قلوب الناس	یہاں تک کہ جامع مصر کا بیشتر حصہ
من التہمۃ لہ[1]	اس کی وسعت میں آگیا، لوگوں کے
	دلوں سے ان پر لگی ہوئی تہمت[2]

(بیچ میں حاشیہ: عقیدہ کا پختہ)

وفات۔ ۲۴ رمضان المبارک ۲۶۴ھ میں امام شافعی کا یہ مایہ ناز شاگرد اور رفیق شافعی

[1] انتقاء ص ۱۱۱ [2] ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق ۲۴ ربیع الاول ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا،

کا رکن رکین ۸۹ برس تک ایک عالم کو فیضیاب کرنے کے بعد اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گیا، ان کے رفیق اور رضاعی بھائی امام ربیع بن سلیمان مرادی نے نماز جنازہ پڑھائی، اور مصر کے مشہور قبرستان قرافہ صغری[1] میں امام شافعی کے مزار کے قریب تدفین عمل میں آئی، امام شافعی کا مزار قرافہ کے مشہور ترین مزارات میں ہے ایک بار امام مزنی جب وہاں سے گزر رہے تھے، تو یہ اشعار ان کی زبان پر آگئے تھے[2]

سقی اللہ هذا القبر من ذی مزنۃ — من العفو ما یغنیه عن طل لمزن

لقد کان کفوا للعداۃ و معقلا — ورکنا لهذا الدین بل ابما رکن[3]

ترجمہ
اللہ تعالیٰ اس قبر کو اپنے ابر عفو و کرم سے اتنا سیراب کرے کہ شبنم افشانی کا شکوہ نہ رہے وہ (صاحب قبر) بلندیوں اور عظمتوں کے مرکز اور اس دین کے ستون تھے،

مقریزی کا بیان ہے کہ امام مزنی کی تدفین کے بعد جب ایک شخص کا گزر ان کی قبر کے پاس سے ہوا تو اس نے سنا کہ کوئی غیبی آواز یہی اشعار پڑھ رہی تھی،

---

[1] قرافہ مصر کا مشہور قبرستان تھا، یہ آب و ہوا کے لحاظ سے بہت خوشگوار تھا جامع قرافہ میں رؤسائے شہر جمعہ کی راتوں میں شب گذاری اور چاندنی راتوں سے لطف اندوزی کے لیے یہاں برابر آیا کرتے تھے، اسی وجہ سے کھانے پینے کی دوکانیں بھی کثرت سے موجود تھیں، ایک صاحب موسیٰ بن محمد نے اپنی شب بیداریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، چاندنی راتوں میں قرافہ کی طرفہ انگیزی قابل دید ہوا کرتی تھی، ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں،

ان القرافہ قد حوت من ضدین من — دنیا واخری فهی نعم المنزل

---

[2] خطط مقریزی ص ۳۴۴

تلامذہ امام مزنی کے سرچشمہ علم وفضل سے یوں تو ایک مخلوق نے تشنگی بجھائی، لیکن چند خوش نصیب ایسے بھی ہیں جنھیں دل بھر کر سیرابی کا موقع ملا۔ یہ اصحاب بعد میں بجائے خود علم وارشاد کے بحر بیکراں بن گئے، انماطی، عبدان بن محمد، ابوبکر فارسی، ابراہیم بلدی، ابن خزیمہ اور رطحاوی، زکریا ساجی، ابن حوصا، ابن ابی حاتم اسی خرمن علم وکمال کے خوشہ چین ہیں۔

عثمان بن سعید انماطی، (م ۲۸۸ھ) اسی طرح صاحب المزنی کہلاتے ہیں جس طرح امام مزنی کا خطاب صاحب الشافعی ہے۔ خطیب بغدادی نے انھیں شوافع کے ممتاز ترین فقہا میں شمار کیا ہے۔ ابو عاصم کا قول ہے کہ اہل بغداد کے لئے انماطی کی وہی حیثیت ہے، جو اہل نیشاپور کے لئے ابوبکر بن اسحاق کی ہے، کیونکہ یہ ان اولین لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے مزنی کا علم اپنے اپنے علاقوں میں عام کیا[1]

ابو یحیٰ زکریا ساجی، بصرہ میں امام مزنی کے علم کے امین تھے۔ ان کی کتابوں اختلاف الفقہا، اور علل الحدیث کا ذکر اہمیت کے ساتھ ہوتا ہے[2] (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲)

کم لیلۃ بتنا بھا وند یمنا لحن لکادیہ دب منہ الجندل

والبدر قد ملأ البسیطہ نورہ فکانما قد فاض منہ جداول

قرافہ دنیا وآخرت کا جامع ہے وہ بہترین منزل ہے۔ کتنی ہی راتیں ہم نے وہاں ایسی گزاریں کہ ہمارے مشرب کی نغمہ سرائی سے پہاڑ پگھلتے معلوم ہو رہے تھے، چاند کی کرنوں سے پورا ماحول منور تھا، محسوس ہو رہا تھا کہ چاندی کے آبشار رواں ہیں

مقریزی کا قول ہے کہ قرافہ سے بڑھ کر شاندار پر رونق اور صاف ستھرا قبرستان دنیا میں اور کہیں نہیں ۲۳

[1] وفیات الاعیان، ابن خلکان ج ۱ ص ۵۵۸، طبقات سبکی ج ۲ ص ۵۲ [2] طبقات سبکی ج ۲

محمد بن خزیمہ نیشاپوری، انھیں امام الائمہ بھی کہا جاتا ہے، امام مزنی کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، امام مزنی کے متعلق وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے امام مزنی کی شخصیت کی صداقت، سادگی اور علمی انکساری کے ساتھ شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی عزت نفس کا اظہار ہوتا ہے، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار امام مزنی کی خدمت میں حاضر ہوا مجلس میں ایک شخص نے قتل شبہ عمد کے بارے میں استفسار کیا اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قتل کی ۲ دو قسموں قتل عمد اور قتل خطا کا ذکر کیا ہے، تو آپ ایک تیسری قسم قتل شبہ عمد کا اضافہ کیوں کرتے ہیں، جواب میں امام مزنی نے حدیث بیان کی تو سائل نے دریافت کیا کیا آپ علی بن زید بن جدعان کی روایت سے استدلال کرو گے؟ اس پر امام مزنی خاموش رہے تو میں نے کہا کہ اس روایت کو علی بن زید کے علاوہ ایوب سختیانی اور خالد الحذاء نے روایت کیا ہے، سائل نے پھر پوچھا عقبہ بن اوس کون ہیں تو میں نے کہا عقبہ بن اوس بصرہ کے رہنے والے ہیں، اور امام محمد بن سیرین نے باوجود اپنی جلالت شان کے ان سے روایت کی ہے، میرے ان جوابات پر سائل نے امام مزنی سے کہا آپ مناظرہ کر رہے ہیں، یا یہ؟ امام مزنی نے فرمایا جب حدیث کی بات آئے گی تو یہی مناظرہ کریں گے، کیونکہ وہ مجھ سے بہتر علم حدیث سے واقف ہیں،

امام طحاوی، امام مزنی کے شاگرد اور خواہر زادہ ہیں، ابتدا میں فقہ کی تحصیل اپنے ماموں امام مزنی سے کی، امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کیا تھا، اس لیے طبعاً فقہ حنفی کی جانب میلان تھا، امام مزنی کی نشستوں میں بھی وہ فقہ حنفی اور فقہ شافعی کی کشمکش میں مبتلا رہتے، کبھی کبھی انھیں اپنے اعتراضات

اور اشکالات کے جواب سے تشفی نہ ہوتی، اسی سلسلہ میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ ایک روز امام مزنی نے ان سے کہا واللہ لاجاء منك شئ ، خدا کی قسم تم سے کچھ نہ ہوگا، طحاوی نے اس پر ناراض ہو کر انکے یہاں کی نشست کو ترک کر دیا، اور اس کے بعد جب اپنی کتاب مختصر طحاوی تصنیف کی اور ان کے علم و فضل کا شہرہ ہوا تو فرمایا، رحم اللہ ابا ابراھیم لوکان حیا و ان لکفر عن یمینہ۔ اللہ ابو ابراہیم پر رحم فرمائے، اگر زندہ ہوتے اور مجھے دیکھتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے[1] امام طحاوی علمی کمال کے ساتھ غیر معمولی ذہین بھی تھے، اور ان کی کتابیں، ان کی فطری ذہانت کی غماز ہیں، مطالعہ کے دوران ان کے سامنے امام ابو حنیفہ اور ان کے نامور شاگردوں کے خیالات اور دلائل آتے تھے، اس بنا پر وہ احناف کی قوت استدلال سے بہت متاثر تھے، اور دوران درس اس کا تذکرہ کرتے تھے، امام مزنی نے انھیں بہتر اسمجھایا مگر وہ اس سے متاثر نہ ہوئے اور احناف کی طرف ان کا رجحان بڑھتا گیا، بالآخر وہ نامور علمائے احناف میں شمار ہوئے،

تصانیف کسی بھی شخص کی اہمیت و افادیت کا صحیح اندازہ اس کے شاگردوں اور تصانیف سے کیا جا سکتا ہے، امام مزنی کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ممتاز کیا تھا، ان کی تصانیف میں جامع کبیر، جامع صغیر، مختصر المختصر، المنثور، المسائل المعتبرہ الترغیب فی العلم، کتاب الوثائق، کتاب العقارب، نہایۃ الاختصار وغیرہ کا ذکر ملتا ہے[2] لیکن ان ساری کتابوں میں مختصر المزنی کو جو شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی، وہ

---

[1] وفیات الاعیان ص ۴۲ [2] ایضاً ص ۴۲، طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۳۸، کشف الظنون ص ۱۶۳۸-۱۶۳۱ الفہرست ابن ندیم ص ۲۹۹،

بے مثال ہے۔ فقہ شافعی کی ترویج میں اس کتاب سے بڑھ کر کسی اور کتاب کا حصہ نہیں رہا، علامہ ابن سبکی نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے۔

انہ زینۃ مذھبکم وعمدۃ اصلکم وقاعدۃ طریقکم ومولکم حین تختلفون ومرجعکم حین تضطربون ومفزعکم حین تضرب امواج الآراء وتتناضل فی محافل الفقہاء[1]	یہ (کتاب) تمہارے مسلک کی زینت، تمہارا بنیادی ستون اور سنگ بنیاد ہے، تمہارے اختلافی مسائل میں تاویل گاہ اور تمہارے پیچیدہ مسائل میں مرجع ہے، جب مختلف رایوں کا ہجوم اور فقہاء کی محفلوں میں منازعہ ہو تو وہ تمہارے لیے جائے پناہ ہے۔

ابو العباس بن سریج نے ایک موقع پر مختصر المزنی کی تعریف میں یہ اشعار پڑھے[2]

لضیق فوادی منذ عشرین حجۃ — وصیقل ذھنی والمفرج عن ھمی

عزیز علی مثلی اعارۃ مثلہ — لما فیہ من علم لطیف ومن نظم

جموع لاصناف العلوم باسرھا — فاخلق بہ أن لا یفارق کمی

تقریباً بیس سال سے میرے دل کی تنگی دور کرنے کے لیے اور ذہن کو جلا بخشنے کے لیے اور میری فکروں کو دور کرنے کے لئے (یہ کتاب کام آرہی ہے) اس کے علم لطیف اور دلکش ترتیب کی وجہ سے اسے کسی دوسرے کو دینا مجھ پر شاق ہے۔ یہ تمام علوم کی جامع ہے، اور اس لایق ہے کہ میرے ہاتھوں سے جدا نہ ہو۔

---

[1] طبقات سبکی ج ۱ ص ۱۱ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۸۷

امام ذہبی کی روایت ہے کہ قاضی ابوزرعہ نے ہر اس شخص کے لیے جو مختصر المزنی کو حفظ کرے، ایک سو دینار کا انعام مقرر کیا تھا۔[1]

مختصر کی قبولیت کا اندازہ اس کی شرحوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ آنے والے دور میں بہت سے ممتاز شافعی فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں ابوالعباس ابن سریج کی شرح زیادہ مستند اور مقبول ہے۔ اس کے علاوہ ابوالطیب طبری، ابواسحٰق مروزی، ابوحامد مروزی، ابوعبداللہ مسعودی، ابوبکر الشاشی، ابوعلی سنجی، ابن عدلان کتانی، قاضی زکریا بن محمد انصاری وغیرہ کی شروح و تعلیقات بھی نمایاں ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے ایک طویل فہرست ان شارحین کی بیان کی ہے۔[2]

اس کتاب کی اہمیت ایک الگ مضمون کا تقاضا کرتی ہے۔ بہت سے مسائل و مباحث ایسے ہیں جن میں امام مزنی نے امام شافعی سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اسی بنا پر بعض شوافع نے انھیں خود ایک الگ مسلک کا حامل قرار دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اصول شافعی سے اختلاف نہیں کرتے۔

---

[1] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۴۲۵ [2] کشف الظنون ص ۲۸۱

امام ربیع بن سلیمانؒ مرادی

امام شافعی کے محبوب شاگرد، ان کی بزم علم کے رکن رکین، اور ان کی فقہ کے راوی امام ربیع بن سلیمان مرادی ۱۷۴ھ (۷۹۰ء) میں مصر میں پیدا ہوئے، یہ وہی قابل فخر سال ہے جس میں فقہ شافعی کے دو اور نامور فقیہوں امام مزنی اور امام بحر بن نصر نے اس دنیائے آب وگل میں آنکھیں کھولیں، امام مزنی، امام ربیع مرادی کے رضاعی بھائی اور عمر میں ان سے چھ مہینے بڑے تھے۔[1]

نام ونسب امام ربیع کی مشہور کنیت، ابو محمد ہے، سبھی تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن ابن ندیم، انھیں ابو سلیمان بھی کہتے ہیں، موذن فسطاط اور موذن شافعی کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں،

ان کا خاندان مدت دراز سے مصر میں آباد تھا، وہ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس قبیلہ کے اجداد میں یحابر بن مالک بن اود بن سبا ایک ظالم ومتمرد شخص تھا، اس کے تمرد کی وجہ سے اس کا نام ہی مراد پڑ گیا، پھر اسی نام سے یہ قبیلہ مشہور ہو گیا،[2] جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں یہ قبیلہ بڑا مردم آفریں رہا ہے، امام ربیع کا تعلق اس قبیلہ سے نسلی اعتبار سے نہ تھا، بلکہ وہ موالاۃ یا حلیف ہونے کی بنا پر مرادی کہلاتے ہیں،[2] ان کے خاندان کے حالات پردۂ خفا میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۶ طبقات کبریٰ : سبکی ج ۱ ص ۲۴۸ [2] اللباب ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱، تاج العروس ج ۲ ص ۵۰۹، لسان العرب ج ۳، ص ۴۲۶، اس صورت میں مرد سے فعال کے وزن پر مراد ہوگا،

ہیں، لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے عرصہ سے یہ لوگ مصر میں بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے، اور خالص مصری ہو گئے تھے۔[1]

ابتدائی تعلیم امام ربیع کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارہ میں تاریخ کے صفحات خاموش ہیں، لیکن ان کے اساتذہ میں عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن یوسف، ایوب بن سوید رملی، یحیٰی بن حسان، اسد بن موسیٰ، بشر بن بکر اور شعیب بن لیث جیسے[2] ممتاز محدثین کے اسمائے گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی علم حدیث سے شغف اور ممتاز محدثین کی مصر میں موجودگی کی کشش نے امام ربیع کی علم جو طبیعت کو اپنی جانب متوجہ کرلیا، ان کے حسن ذوق نے اس زمانہ میں علم کلام کی گرم بازاری سے صرف نظر کرکے علم حدیث کا انتخاب کیا، عبداللہ بن وہب، امام ربیع کے خاص استاذ تھے، اس تعلق خاص کی وجہ سے بعض حضرات نے امام ربیع کو صاحب ابن وہب بھی کہا ہے۔[3] ابن وہب امام مالک اور امام لیث بن سعد کی طرح صف اول کے محدث اور فقیہ ہیں ابن فرحون کی روایت کے مطابق امام مالک نے ابن وہب کے علاوہ کسی کو بھی فقیہ نہیں لکھا، ان کے کمال کا یہ حال تھا کہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ ہونے کے باوجود ایک بھی منکر حدیث ان سے منقول نہیں، متقی اس درجہ کے تھے کہ قراءت حدیث کے دوران قیامت کی ہولناکیوں کے ذکر سے ایسا خوف طاری ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور اسی بے ہوشی کے عالم میں چند دنوں بعد اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گئے۔[4]

یہ امام ربیع کی خوش نصیبی تھی کہ انھیں ابن وہب جیسی عالی مرتبت ذات سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، ان کے دوسرے نمایاں اساتذہ میں موطا کے راوی عبداللہ بن یوسف تنیسی ہیں، جنھیں امام بخاری شامی محدثین میں سب سے زیادہ معتبر قرار دیتے ہیں،[5] بشر بن بکر ہیں جو امام

---

[1] تہذیب، ج ۳ ص ۲۴۶ اصلہ من مصر [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۶ [3] العبر ج ۲ ص ۵۴،
[4] حسن المحاضرہ، سیوطی ص ۱۲۱، [5] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۱۴۵،

اوزاعی کے شاگرد اور امام شافعی وحمیدی کے استاد ہیں، یحیٰ بن حسان ہیں جو امام مالک و امام لیث کے شاگرد ہیں، ان کے بارہ میں محدثین کی رائے ہے کہ وہ مصر کے جلیل القدر محدث اور مستند امام ہیں۔ امام ربیع کے اساتذہ کے سلسلۂ زریں میں امام لیث بن سعد کے صاحبزادے اور ممتاز فقیہ و متقی شعیب بن لیث اور مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پرپوتے، امام حدیث اسد بن موسیٰ کے اسماء جلیلہ بھی نمایاں ہیں،[1]

امام ربیع کے ان اساتذہ کی نمایاں خصوصیت علوم حدیث وفقہ کی جامعیت ہے، اس سے امام ربیع کے ذوق انتخاب پر روشنی پڑنے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے ایک مقصد پیش نظر رکھتے تھے،

حدیث وفقہ کی اس جامعیت نے جس میں حدیث کا رنگ غالب تھا، امام ربیع کے فکر و شعور میں ایسے رجحانات پیدا کئے جو انھیں امام شافعی کے مکتب فکر سے قریب لانے اور ان کے طرز استدلال و اجتہاد کو قبول کرنے میں زیادہ معاون و سازگار ثابت ہوئے،

امام شافعی، مصر ۱۹۹-۱۹۸ھ میں تشریف لائے[2] اس وقت امام ربیع کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی تھی، اور اس عمر میں وہ کبار محدثین وفقہاء سے اکتساب علم، خاصی حد تک کر چکے تھے،

علمی ذوق کی پختگی کی وجہ سے فقہ شافعی سے انھیں کافی مناسبت ہوگئی، امام شافعی کے علم تقویٰ اور تفقہ کی شہرت وقبولیت سے متاثر ہوکر وہ دوسرے نوعمر ساتھیوں کی طرح امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام شافعی کو قاسم ازل نے اور نعمتوں کے ساتھ صالح اور ذہین شاگردوں کی نعمت خاص ایسی عطا فرمائی تھی کہ باید وشاید، ان کا ہر شاگرد علم عمیق، ذہن ثاقب اور صلاح وتقویٰ میں ممتاز تھا، ان کے مصری تلامذہ میں بویطی کے سوا سب نوجوان

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۵۴، [2] وفیات: ابن خلکان ج ۲، ص ۲۱۶،

اور تقریباً ہم عمر تھے، اور یہی لوگ ہیں جو جدید فقہ شافعی کے حامل و ناقل ہیں[1]

امام ربیع نے، امام شافعی سے باضابطہ فیض تو مصر میں حاصل کیا، لیکن بعض روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ مصر میں ان کی آمد سے پہلے ہی بغداد میں ان سے مستفید ہو چکے تھے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے ان سے بغداد میں اہل مصر کے دینی و فقہی رجحانات کے بارہ میں سوال کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ وہاں دو طبقے ہیں، ایک تو امام ابو حنیفہ کے مسلک سے قریب تر ہے، اور دوسرا طبقہ اس کے برعکس امام مالک کی آراء و افکار سے متاثر ہے، امام شافعی نے یہ سن کر فرمایا میں انکے سامنے ایسا نقطہ نظر پیش کروں گا جو انھیں ان دونوں سے بے نیاز کر دے گا۔[2]

ارجوان اقدم مصر ان شاء	مجھے امید ہے کہ جب مصر آؤں گا تو انکے
اللہ فآتیھم بشئ اشغلھم	سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جو انھیں
بہ عن القولین جمیعاً	دونوں سے بے نیاز کر دے گی۔

امام شافعی کے اس دعوی کی تائید میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔[3] مصر آنے سے قبل امام شافعی چند مہینوں کے لیے بغداد سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اس سفر میں امام ربیع بھی ان کے ہمرکاب رہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے منیٰ کی جانب نکلے، راستہ میں جب کوئی وادی اور گھاٹی ملتی تو امام شافعی ان اشعار سے حدی خوانی کرتے۔[4]

یا راکبا قف بالمحصب من منی	واھتف بقاعد خیفھا والناھض
سحرا اذا فاض الحجیج الی منی	فیضا کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضا حب آل محمد	فلیشھد الثقلان انی رافض

---

[1] طبقات الفقہاء شیرازی ص ۷۹، ۸۰۔ [2] معجم المصنفین ص ۲۹۸۔ [3] توالی التاسیس ص ۷۷۔ [4] طبقات کبری، سبکی ج ۱ ص ۱۵۷۔

اوزاعی کے شاگرد اور امام شافعی و حمیدی کے استاد ہیں، یحیٰ بن حسان ہیں جو امام مالک و امام لیث کے شاگرد ہیں، ان کے بارہ میں محدثین کی رائے ہے کہ وہ مصر کے جلیل القدر محدث اور مستند امام ہیں۔ امام ربیع کے اساتذہ کے سلسلۂ زریں میں امام لیث بن سعد کے صاحبزادے اور ممتاز فقیہ و متقی شعیب بن لیث اور مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے پرپوتے، امام حدیث اسد بن موسیٰ کے اسماء جلیلہ بھی نمایاں ہیں۔[۱]

امام ربیع کے ان اساتذہ کی نمایاں خصوصیت علوم حدیث و فقہ کی جامعیت ہے، اس سے امام ربیع کے ذوق انتخاب پر روشنی پڑنے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے ایک مقصد پیش نظر رکھتے تھے،

حدیث و فقہ کی اس جامعیت نے جس میں حدیث کا رنگ غالب تھا، امام ربیع کے فکر و شعور میں ایسے رجحانات پیدا کئے جو انھیں امام شافعی کے مکتب فکر سے قریب لانے اور ان کے طرز استدلال و اجتہاد کو قبول کرنے میں زیادہ معاون و سازگار ثابت ہوئے،

امام شافعی، مصر ۱۹۹-۱۹۸ھ میں تشریف لائے[۲] اس وقت امام ربیع کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی تھی، اور اس عمر میں وہ کبار محدثین و فقہاء سے اکتساب علم، خاصی حد تک کر چکے تھے،

علمی ذوق کی پختگی کی وجہ سے فقہ شافعی سے انھیں کافی مناسبت ہو گئی، امام شافعی کے علم تقویٰ اور تفقہ کی شہرت و قبولیت سے متاثر ہو کر وہ دوسرے نو عمر ساتھیوں کی طرح امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام شافعی کو قسام ازل نے اور نعمتوں کے ساتھ صالح اور ذہین شاگردوں کی نعمت خاص ایسی عطا فرمائی تھی کہ باید و شاید، ان کا ہر شاگرد علم عمیق، ذہن ثاقب اور صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھا، ان کے مصری تلامذہ میں بویطی کے سوا سب نوجوان

---

[۱] حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۳۴۵، [۲] وفیات: ابن خلکان ج ۲، ص ۲۱۶،

اور تقریباً ہم عمر تھے، اور یہی لوگ ہیں جو جدید فقہ شافعی کے حامل و ناقل ہیں۔[۱]

امام ربیع نے امام شافعی سے باضابطہ فیض تو مصر میں حاصل کیا، لیکن بعض روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ مصر میں ان کی آمد سے پہلے ہی بغداد میں ان سے مستفید ہو چکے تھے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے ان سے بغداد میں اہل مصر کے دینی و فقہی رجحانات کے بارہ میں سوال کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ وہاں دو طبقے ہیں، ایک تو امام ابو حنیفہ کے مسلک سے قریب تر ہے، اور دوسرا طبقہ اس کے برعکس امام مالک کی آراء و افکار سے متاثر ہے، امام شافعی نے یہ سن کر فرمایا میں انکے سامنے ایسا نقطۂ نظر پیش کروں گا جو انھیں ان دونوں سے بے نیاز کر دے گا۔[۲]

ارجو ان اقدم مصر ان شاء	مجھے امید ہے کہ جب مصر آؤں گا تو انکے
اللہ فآتیھم بشئ اشغلھم	سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جو انھیں
بہ عن القولین جمیعا	دونوں سے بے نیاز کر دے گی،

امام شافعی کے اس دعویٰ کی تائید میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔[۳] مصر آنے سے قبل امام شافعی چند مہینوں کے لیے بغداد سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اس سفر میں امام ربیع بھی ان کے ہمرکاب رہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے منیٰ کی جانب نکلے، راستہ میں جب کوئی وادی اور گھاٹی ملتی تو امام شافعی ان اشعار سے حدی خوانی کرتے۔[۴]

یا راکبا قف بالمحصب من منی	واھتف بقاعد خیفھا والناھض،
سحرا اذا فاض الحجیج الی منی	فیضا کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضا حب آل محمد	فلیشھد الثقلان انی رافض

---

[۱] طبقات الفقہاء شیرازی ص ۷۹، ۸۰، [۲] معجم المصنفین ص ۲۹۸، [۳] توالی التاسیس، ص ۷۷، [۴] طبقات کبریٰ، سبکی ج ۱ ص ۱۵۷،

اے ہمراہیو! منیٰ و محصب کے نشیب و فراز میں رکو، صبح کے وقت جب حاجی منیٰ کی
جانب بڑھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ دریائے فرات موج در موج بہتا جا رہا ہے، اگر
آل محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو سب گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں،

مصر میں امام ربیع، امام شافعی کے سایہ کی طرح ان کے رفیق و قریب رہے امام شافعی کی شخصیت کی محبوبیت و دلنوازی نے امام ربیع کو جذبہ اخلاص و عقیدت سے سرشار کر رکھا تھا ان کی یہ عقیدت امام شافعی کی سرخدمت کے لیے ان کو تیار رکھتی تھی، امام شافعی ان کی خدمتوں کے معترف تھے، فرماتے تھے، میری جتنی خدمت ربیع نے کی، اتنی کسی اور نے نہیں کی[1] اسی بے لوث خدمت نے ان کو مقام محبوبیت پر فائز کیا، امام شافعی کے بے شمار شاگردوں میں وہ تنہا ہیں جنہیں محبوب شافعی کا لقب ملا، امام شافعی غایت درجہ شفقت سے ان سے فرماتے، تم مجھے کتنے محبوب ہو[2] بلاشبہ محبت کی یہ سند ایسی ہے جو ان کے لئے باعث شکر و امتنان اور سرمایۂ فخر و ناز ہے۔

محبت اور اپنائیت کا ایک اور واقعہ لائق ذکر ہے، ایک بار امام شافعی نے ایک دعوت کا اہتمام کیا، لوگ فارغ ہوگئے تو امام بویطی نے امام ربیع سے کہا، چلو اب ہم بھی فارغ ہو لیں امام ربیع نے جواب دیا ہمیں کھانے کی اجازت کس نے دی؟ امام شافعی نے یہ بات سنی تو فرمایا سبحان اللہ انت فی حل مالی کلہ، تمہیں تو میرے سارے مال میں اختیار ہے،

ایسے ہی ایک موقع پر جب امام ربیع نے بازار سے سامان لاکر حساب پیش کرنا چاہا تو امام شافعی نے فرمایا، وقت مت ضائع کرو، میں تم سے حساب نہیں مانگتا، امام ربیع نے عرض کیا کہ ام ابی الحسن (حرم امام شافعی) تو حساب مانگتی ہیں، اس پر امام شافعی نے فرمایا،[3]

---

[1] وفیات: ابن خلکان ص ۳۲۶، تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۸، [3] معجم المصنفین ص ۲۹۳،

یاطویل الرقاد انت فی حل من — ارے نیند کے ماتے تمھیں تو میرے سارے

مالی کلہ، — مال میں اختیار ہے،

امام ربیع کی شادی ہوئی تو امام شافعی نے دریافت فرمایا کہ مہر کتنا مقرر ہوا، جواب دیا تیس دینار، امام شافعی نے پھر پوچھا کہ کتنا ادا کیا، انھوں نے کہا چھ دینار، یہ سن کر امام شافعی گھر تشریف لے گئے، وہاں سے ایک تھیلی بھیجی جس میں چوبیس دینار موجود تھے،[1]

امام ربیع کو اپنے عالی مرتبت استاد کے صرف مال ہی میں نہیں، علم کے حصول میں بھی اختیار کلی حاصل تھا، ایک موقع پر امام شافعی نے فرمایا، اے ربیع، اگر علم کھلانے والی چیز ہوتی تو میں تمہیں اسے کھلا کر رہتا،[2] اس قول سے بعض لوگوں کو ان کے بطی الفہم ہونے کا شبہ ہوا قفال مروزی نے اپنے فتاویٰ میں اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام شافعی ان کی صلاحیت اخذ، حسن فہم اور رنافعیت کی بنا پر یہ خواہش کرتے تھے کہ انھیں گویا علم کھلا دیا جائے،[3] ابن خلکان کی ایک روایت سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے وہ امام ربیع کے بارہ میں امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں،

اما واللہ ما فی القوم انفع — بخدا لوگوں میں ان سے ربیع زیادہ

لی منہ ولوددت انی حشوتہ — میرے لئے اور کوئی مفید نہیں، میں

العلم حشوا — چاہتا ہوں کہ انھیں علم سے بھر دوں[4]

امام ربیع کے حفظ و اتقان کی صلاحیت ہی کی وجہ سے امام شافعی فرمایا کرتے تھے، کہ[5] الربیع راویتی، انہ احفظ اصحابی، ربیع میرے راوی اور سب شاگردوں سے زیادہ

---

[1] انتقاء: ابن عبد البر ص ۱۰۹، [2] وفیات: ابن خلکان ج ۱، ص ۲۲۶، [3] مرآۃ الجنان یافعی ج ۲، ص ۱۴۱، [4] وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۷، [5] طبقات کبریٰ سبکی ج ۱، [6] طبقات الفقہا

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اے ہمراہیو! منیٰ و محصب کے نشیب و فراز میں رکو، صبح کے وقت جب حاجی منیٰ کی جانب بڑھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ دریائے فرات موج در موج بہتا جا رہا ہے۔ اگر آلِ محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو سب گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں،

مصر میں امام ربیع، امام شافعی کے سایہ کی طرح ان کے رفیق و قریب رہے امام شافعی کی شخصیت کی محبوبیت و دلنوازی نے امام ربیع کو جذبہ اخلاص و عقیدت سے سرشار کر رکھا تھا ان کی یہ عقیدت امام شافعی کی ہر خدمت کے لیے ان کو تیار رکھتی تھی، امام شافعی ان کی خدمتوں کے معترف تھے، فرماتے تھے، میری جتنی خدمت ربیع نے کی، اتنی کسی اور نے نہیں کی،[1] اسی بے لوث خدمت نے ان کو مقام محبوبیت پر فائز کیا، امام شافعی کے بے شمار شاگردوں میں وہ تنہا ہیں جنھیں محبوب شافعی کا لقب ملا، امام شافعی غایت درجہ شفقت سے ان سے فرماتے، تم مجھے کتنے محبوب ہو،[2] بلاشبہ محبت کی یہ سند ایسی ہے جو ان کے لئے باعث شکر و امتنان اور سرمایۂ فخر و ناز ہے۔

محبت اور اپنائیت کا ایک اور واقعہ لائق ذکر ہے، ایک بار امام شافعی نے ایک دعوت کا اہتمام کیا، لوگ فارغ ہو گئے تو امام بویطی نے امام ربیع سے کہا، چلو اب ہم بھی فارغ ہو لیں امام ربیع نے جواب دیا ہمیں کھانے کی اجازت کس نے دی؟ امام شافعی نے یہ بات سنی تو فرمایا سبحان اللہ انت فی حل مالی کلہ، تمہیں تو میرے سارے مال میں اختیار ہے،

ایسے ہی ایک موقع پر جب امام ربیع نے بازار سے سامان لا کر حساب پیش کرنا چاہا تو امام شافعی نے فرمایا، وقت مت ضائع کرو میں تم سے حساب نہیں مانگتا، امام ربیع نے عرض کیا کہ ام ابی الحسن (حرم امام شافعی) تو حساب مانگتی ہیں، اس پر امام شافعی نے فرمایا،[3]

---

[1] وفیات: ابن خلکان ص ۲۲۶، تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۸، [3] معجم المصنفین ص ۲۹۳،

حافظہ والے ہیں، وہ امام شافعی کے ذاتی سفر کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ایک مرتبہ امام شافعی نے انھیں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ بغداد بھیجا جب امام ابن حنبل نے خط پڑھنا شروع کیا تو ایک جگہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ امام ربیع نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ امام شافعی نے خواب دیکھا کہ آں حضرتؐ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس نوجوان (احمد بن حنبل) کو خوشخبری دو کہ عنقریب اسے اللہ کے دین کے بارے میں آزمائشوں سے گذرنا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ قرآن کو مخلوق کہو، پھر اس کے انکار پر اسے سخت سزائیں دی جائیں گی اور انہی سزاؤں کی جزا میں اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ذکر کو عام کرے گا، یہ سن کر امام ربیع نے فرمایا کہ بشارت ہو اور پھر بے تکلفی سے فرمائش کی۔ فای شئ تجائزنی علیھا، اس بشارت پر کیا انعام دیں گے؟ وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت امام احمد بن حنبل کے جسم مبارک پر دو کپڑے تھے، ان میں سے ایک انھیں عنایت کیا،[1]

امام ربیع ایسے موقعوں پر جب واپسی کے بعد امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو امام شافعی، خاص طور سے وقت نکال کر مجلس میں زیر بحث ان مسائل کو جو امام ربیع سے چھوٹ گئے تھے، دوبارہ ان کے سامنے دہراتے۔ تاکہ ان کے سرچشمۂ فیض کی کسی بوند سے امام ربیع محروم نہ رہیں،[2]

اور یہ واقعہ تو بہت مشہور، اور امام شافعی کی فراست ایمانی کا شاہد ہے کہ ان کے مرض الموت میں جب چاروں مشہور تلامذہ، مزنی بویطی، ابن عبد الحکم اور ربیع ان کے پاس تھے تو انھوں نے فرداً فرداً ہر ایک کے بارہ میں پیشن گوئی فرمائی کہ ایک وقت آئے گا، جب

شیرازی ص ۹۷، [1] طبقات: مصنف ص ۷، طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۰۵، احمد بن حنبل والمحنۃ: والٹر. ایم. پیٹن ص ۴۹، ۵۰ [2] معجم المصنفین ص ۲۹۷،

مزنی اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ ہوں گے، بویطی قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوں گے، اور اسی حالت میں ان کا طائر روح قفس عنصری سے آزاد ہو جائے گا، ابن عبدالحکم اپنے سابقہ فقہی مسلک کو اختیار کرلیں گے اور ربیع، انت انفعھم لی فی نشر الکتب، تم ان لوگوں میں میری کتابوں کی نشر و اشاعت میں سب سے زیادہ مفید ہو گے۔[۱]

امام ربیع فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی کا انتقال ہوا تو ہر ایک کا حال اس پیشین گوئی کے مطابق ہوا،

حتی کانہ ینظر الی الغیب من ستر رقیق	ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان چھپی حقیقتوں کو ایک باریک پردہ کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے۔[۲]

امام شافعی کا انتقال ہوا تو غسل دینے کی سعادت میں وہ امام مزنی کے شریک رہے جامع فسطاط جو تاج الجوامع[۳] اور جامع عمروؓ بن عاص بھی کہلاتی ہے اور جو مصر میں مسلمانوں کی پہلی مسجد تھی، اسی کے ایک گوشہ میں امام شافعی جلوہ افروز مسند تدریس ہوتے تھے، امام ربیع جو خوش آوازی و خوش لحنی میں بھی ممتاز تھے[۴] اسی مسجد کے موذن تھے، اسی وجہ سے وہ موذن شافعی اور موذن فسطاط کے القاب سے مشہور ہوئے، امام شافعی کے بعد جامع فسطاط میں مسند تدریس پر امام بویطی رونق افروز ہوئے، لیکن فتنۂ خلق قرآن

---

[۱] طبقات سبکی ج ۱، وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۷۲۵، [۲] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۷۲۲، [۳] مرآۃ الجنان: یافعی ص ۸، امام لیث بن سعد نے اسی مسجد کے بارہ میں فرمایا تھا، کان مسجدنا ھذا حدایق ودا ثنا باخطط المقریزی ج ۴ ... [۴] سبکی ج ۱ ص ۲۴۹ ....

کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ یہ خدمت انجام نہ دے سکے[1] اور وہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ پس دیوار زنداں جانے پر مجبور ہوئے۔ تو پھر امام ربیع کو اس مسند پر آنا پڑا جسے کبھی امام شافعی کی جائے نشست ہونے کا شرف حاصل تھا لیکن امام ربیع فرط محبت وعقیدت سے کبھی امام شافعی کی جائے نشست پر نہیں بیٹھے، امام شافعی قبلہ رخ تشریف رکھتے تھے لیکن امام ربیع کی پشت جانب قبلہ رہتی تھی۔ اس طرح گویا وہ عالم تصور میں امام شافعی کے روبرو ہوتے تھے[2]

کچھ عرصہ بعد جب مصر کے علم پرور، حوصلہ مند اور نامور امیر احمد بن طولون نے ایک عظیم الشان مسجد جامع ابن طولون تعمیر کی تو اہل علم وفضل سے اس مسجد کو آباد کرنے کی درخواست کی چنانچہ قاضی بکار نے اس میں سب سے پہلے نماز پڑھائی، ابو یعقوب بلخی نے خطبہ دیا، اور امام ربیع نے اس میں درس کے ساتھ حدیث کا املا کر دیا، انھوں نے مسجد کے لئے ایک خوبصورت تختی بھی تیار کرائی جس میں حدیث کے یہ الفاظ نقش تھے[3]

من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے گا
قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا	جیسی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ جنت
فی الجنۃ	میں اس کے لیے ایک گھر بنائے گا

اس موقع پر ابن طولون نے امام ربیع کی خدمت میں ایک کیسہ زر پیش کیا، جس میں ایک ہزار سرخ دینار تھے،

وقت کے ساتھ ساتھ امام ربیع کا حلقہ درس اور ان کی شہرت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، امام مزنی اپنی تالیفات سے اور امام ربیع اپنے درس سے فقہ شافعی کی ترویج میں روز افزوں اضافہ کرنے لگے، امام نووی فرماتے ہیں کہ،

۱۳۷

[1] تاریخ بغداد خطیب بغدادی ج ۴ ا ص ۳۰۳ [2] توالی التاسیس عسقلانی ص ۸۴ [3] حسن المحاضرہ سیوطی

صارت الرواحل تشد — لوگ دور دور سے امام شافعی کی کتابوں
الیہ من اقطار الارض — کی سماعت کے لئے ان کے پاس کارواں
لسماع کتب الشافعی[1] — در کارواں آنے لگے،

محمد بن احمد طرائفی بغدادی کا بیان ہے کہ ایک روز ہم امام ربیع کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے دروازے پر تقریباً نو سو مسافر ایسے تھے جو دور دور سے امام شافعی کی کتابوں کی سماعت کے لیے آئے ہوئے تھے[2]۔

امام بیہقی کی روایت ہے کہ ۲۴۰ھ میں امام ربیع نے حج کیا، وہیں ان کی ملاقات امام شافعی کے ایک اور ممتاز عراقی شاگرد اور ان کی فقہ قدیم کے سب سے بڑے راوی امام زعفرانی سے ہوئی اثنائے گفتگو میں امام ربیع نے فرمایا، اے ابوعلی (زعفرانی) تم مشرق میں اور میں مغرب میں اس علم (علم شافعی) کو عام کرکے رہیں گے[3]۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محبوب استاد کے علم کو عام کرنے میں وہ کس قدر سنجیدہ، پر جوش اور مخلص تھے، امام سبکی کے الفاظ میں امام ربیع کے شاگردوں کی کثرت سے امام شافعی کے اس قول کی صداقت کہ میرے راوی تو ربیع ہیں، اظہر من الشمس ہے[4]۔

امام ربیع کی نشستوں میں صرف کتاب الام الحجہ یا مبسوط کی روایت اور املاہی محدود نہ تھا، امام شافعی کی شخصیت سے متعلق اہم، غیر اہم اور کلی وجزئی، ہر قسم کی باتوں کا ذکر ان نشستوں میں ہوتا تھا۔ سیرت شافعی کا تقریباً نصف حصہ امام ربیع کی یادداشتوں پر

---

[1] تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۸، تاریخ التشریع الاسلامی: حضرمی ص ۲۶۱، [2] تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۸۴، [3] ایضاً ص ۱۸۸، ۱۸۹، [4] طبقات: ج ۱ ص ۲۵۹،

منحصر ہے سیرت ربیع کا مطالعہ کرنے والونکو خود امام ربیع سے متعلق تفصیلات اگر کم ملتی ہیں تو یہ تعجب کی بات نہیں، ان مخلص حضرات کی ساری تگ ودو، محبوب استاذ کی ذات اور تعلیمات کے لئے وقف تھی. انھیں اپنے استاذ کے علم اور تفقہ پر اعتماد کامل تھا، چنانچہ امام ربیع فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث تفسیر حدیث سے ناواقف تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے تفسیر حدیث کی بنیاد ڈالی۔[1] وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ صحیح معنوں میں عربی النسل اور عربی اللسان تھے[2] ایک موقع پر شاگردوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ امام شافعی کو دیکھتے تو کہہ اٹھتے کہ ان کی زبان کے سامنے ان کی یہ کتابیں کچھ نہیں. بخدا ان کی زبان ان کتابوں سے کہیں زیادہ فصیح وبلیغ تھی. البتہ وہ اپنی تالیفات میں اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ وہ عوام کے لیے واضح اور سلیس زبان میں ہوں،[3]

ایک موقع پر فرمایا، تمام محدثین پر امام شافعیؒ کا احسان ہے، کسی نے دریافت کیا، وہ کیسے؟ فرمایا کہ اصحاب رائے اصحاب حدیث کا مذاق اڑاتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے انھیں علم سکھایا اور ان کے خلاف حجت قائم کی. وہ امام شافعی کے اس قول کی اکثر تکرار کرتے کہ کونسا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کونسی زمین مجھے پناہ دے گی، اگر میں کسی حدیث نبویؐ کی روایت کردوں اور پھر اس پر فتوی نہ دوں[4] یہ قول بھی امام ربیع نے اکثر نقل کیا کہ اگر تم میری کتاب میں حدیث نبوی کے خلاف کچھ پاؤ تو میرے قول کو بالکل ترک کردو اور حدیث کو اختیار کرو،[5] اگر میں کسی صحیح حدیث کو نقل کروں لیکن اس پر فتوی نہ دوں تو گواہ رہو کہ میری عقل جاتی رہی،[6]

---

[1] توالی التاسیس: عسقلانی، ص ۵۹ [2] معجم المصنفین ص ۲۶۹ [3] معجم المصنفین ص ۲۷۰ [4] توالی التاسیس ص ۶۲ [5] ایضا ۲ [6] ایضا، ص ۶۱

ان اقوال سے جہاں امام ربیع کا فکری رُخ متعین ہوتا ہے وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا کہ امام شافعی اپنے شاگردوں کی ذہنی تربیت کس نہج پر کرتے تھے، ایک بار امام شافعی نے امام ربیع سے فرمایا میں نے تم کو اتنا سکھا دیا ہے، جو تمھیں ان شاء اللہ بے نیاز کردے گا لیکن یہ اصول یاد رکھو کہ کسی حدیث پر عمل مت ترک کرو، سوائے اس کے کہ اس حدیث کے مفہوم کے خلاف کوئی دوسری حدیث بھی موجود ہو، اختلاف احادیث کی صورت میں تطبیق کی امکانی فکر و کوشش کے بعد جو رائے قائم ہو اس پر عمل کرو۔[۱]

ایک مرتبہ فرمایا اے ربیع! مسائل و استفتاء کے جواب دو خواہ اس میں خطا کا امکان ہو، کیونکہ بغیر خطا کیے کوئی صحیح فیصلے نہیں کر سکتا، ان کے الفاظ ہیں:

اجب یا ربیع فی المسائل فانہ	اے ربیع مسائل کا جواب دو کیونکہ
لا یصیب احد حتی یخطی[۲]	جب تک کوئی غلطی نہ کرے صحیح جواب
	نہیں ہو سکتا۔

تربیت کے یہ وہ حکیمانہ اصول تھے جن سے آراستہ ہو کر امام ربیع اور ان کے دوسرے تلامذہ نے ایک مختصر عرصہ میں اپنے استاذ کے مسلک کو تقریبًا سارے عالم اسلام میں رائج کر دیا امام ربیع شاعر تو نہیں تھے، لیکن امام شافعی جیسے باکمال اہل زبان بلکہ عربی شاعری کے مزاج داں کے فیض اثر سے وہ حسن ذوق اور سخن فہمی سے محروم بھی نہیں تھے، امام شافعیؒ کے بہت سے اشعار ان سے منقول ہیں۔ امام سبکی اور ابن اثیر نے ان اشعار کو تفصیل سے بیان کیا ہے یہاں صرف چار اشعار نقل کئے جا رہے ہیں جنھیں امام شافعیؒ نے خاص طور سے امام ربیع کو سنایا تھا۔[۳]

---

[۱] ایضاً ص ۶۲ [۲] تہذیب الاسماء، نووی ص ۱۰۹، [۳] طبقات کبریٰ ج ۱، ص ۱۵۹

صدیق لیس ینفع یوم باس — قریب من عدو فی القیاس
وما یبقی الصدیق بکل عصر — ولا الاخوان الا للتاسی
عمرت الدھر ملتمسا بجھدی — اخا ثقۃ فاکدانی التماسی
تنکرت البلاد علی حتی — کان اناسھا لیسوا بناس

(ایسا دوست جو مصیبت کے وقت کام نہ آئے سمجھو کہ وہ تقریباً دشمن ہے ہر زمانہ میں دوستوں اور بھائیوں سے غمخواری کی آس رہتی ہے، ایک قابل اعتماد دوست کی تلاش میں زندگی گذر رہی لیکن محرومی ہاتھ لگی، میرے لیے سارا شہر اجنبی ہے، گویا یہاں کے لوگ انسان ہی نہیں،)

امام ربیع کے سوانح حیات میں جگہ جگہ امام شافعی سے متعلق اقوال واحوال نظر آتے ہیں لیکن یہ امام شافعی کے سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پروئے،

امام ربیع سے متعلق تو صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے عالی مرتبت استاد کا ایسا اثر قبول کیا کہ ان کی ساری زندگی استاد کے علم، فکر اور خیالات و عمل کا پرتو ہو گئی تھی، دوشنبہ ۲۰ شوال ۲۷۰ھ ۸۸۴ء میں علم و فضل کا یہ گل سر سبد مصر کی سرزمین میں آسودۂ خاک ہو گیا،[1]

مشہور قبرستان قرافہ میں تدفین ہوئی،[2] اس وقت کے مصری حکمراں خماردیہ بن احمد بن طولون نے نماز جنازہ پڑھائی[3] اور اس طرح امام شافعی کے اصحاب

---

[1] اعلام ج ۱، ص ۲۱۶، تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۲۴۵ [2] وفیات؛ ابن خلکان ص ۳۲۷ [3] طبقات؛ سبکی ج ۱، ص ۲۶۰

ہیں وہ سب سے آخری تھے جو اپنے محبوب استاذ سے جا ملے، ابن خلکان نے حافظ اسعد[۱] کے دو شعر نقل کئے ہیں جو انھوں نے امام ربیع کی وفات پر کہے تھے[۱]

صبرا جمیلا ما اسرع الفرجا | من صدق اللہ فی الامور نجا
من خشی اللہ لم ینلہ اذی | ومن رجا اللہ کان حیث رجا

(صبر جمیل اختیار کرو، کشائش جلد ہی ہے، جو معاملات میں اللہ کی تصدیق کرے وہی نجات یافتہ ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں، اور جو اللہ سے پر امید رہا ہے اس کی امید پوری ہو کر رہتی ہے)

امام ربیع نے ورثہ میں ایک صاحبزادہ ابو المعنی محمد کے علاوہ جو ان کے بعد تین سال زندہ رہے[۲] تلامذہ و تالیفات کے گراں قدر خزانے چھوڑے، ان کے تلامذہ کی تعداد یوں تو ہزاروں سے بھی متجاوز ہے لیکن تاریخ نے جن چند جلیل القدر اور عالی مرتبت حضرات کے اسمائے گرامی محفوظ کر رکھے ہیں، ان میں ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو زرعہ، ابو حاتم، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، ابن خزیمہ، محمد بن جریر طبری زکریا ساجی، طحاوی، محمد بن زیاد نیشاپوری، حسن ابن حبیب مصایری، ابن صاعد ابو الفوارس، ابو العباس اصم، محمد بن طرائف بغدادی، محمد بن ہارون رویانی، ابو نعیم عبد الملک جرجانی، عبد اللہ بن یوسف موصلی، ابن سیف، ابو بکر محمد بن احمد خلالی، عبد اللہ بو شنجی، ابو الحسین اصفہانی،[۳] ابو سعید فریابی، محمد بن نصر مروزی، ابو یعقوب اسفرائنی ابو عبد اللہ سردی، عثمان بن سعید انماطی، کیز، نوح بن منصور شیرازی جیسے ائمہ حدیث

---

[۱] وفیات: ابن خلکان، ص ۲۲۳۔ لیکن امام سبکی نے یہ اشعار خود امام مرادی سے منسوب کئے ہیں۔

[۲] انھیں ورّاق ربیع بن سلیمان بھی کہا جاتا ہے۔ طبقات کبریٰ ج ۲۔ ص ۹۔ [۳] حسن المحاضرہ ص ۱۲۲،

وفقہ ہیں، ان میں سے ہر ایک خود صاحب تذکرہ ہے۔ ایسے گلہائے رنگا رنگ سے خود صاحب چمن کی گلستاں بکنار شخصیت کا اندازہ ارباب ذوق ونظر بخوبی لگا سکتے ہیں

ان کی تصانیف میں علامہ سیوطی نے کتاب الام، امالی اور مختصر ربیع کا ذکر کیا ہے ایک اور کتاب اصول الفقہ کے نام سے بھی ہے جو مصر سے شائع ہو چکی ہے[1] لیکن جیسا کہ علامہ سبکی نے کہا ہے یہ کتابیں دراصل امام شافعی کی ہیں، ربیع صرف ان کے راوی ہیں[2] ان کتابوں میں کتاب الام سب سے اہم، مکمل اور مستند اول کتاب ہے۔ اس کتاب کے بارہ میں علامہ عسقلانی کا خیال ہے کہ اس کے جامع بویطی ہیں، لیکن وہ منسوب امام ربیع کی جانب ہے[3] صاحب کشف الظنون کے خیال کے مطابق کتاب الام کی تصنیف امام بویطی نے کی ہے لیکن ابواب کی تقسیم وتعیین امام ربیع نے کی، بعد میں تصنیف کی نسبت بھی انہی کی طرف ہو گئی[4] لیکن ایک محقق کا یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ کتاب الام میں امام شافعی کے اقوال کو پہلے امام بویطی نے جمع کرنا شروع کیا تھا، لیکن اس کی تکمیل امام ربیع کے ہاتھوں سے ہوئی[5] تعجب ہے کہ، امام الحرمین نے اسے امام شافعی کی کتاب قدیم بتلایا ہے، ابن اثیر نے اس قول پر حیرت کے اظہار کے بعد لکھا ہے کہ امام ربیع بالاتفاق اس کتاب کے راوی ہیں، چونکہ وہ مصری ہیں اس لئے یہ کتاب امام شافعی کے قدیم اقوال پر مشتمل نہیں ہو سکتی[6]

صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کی پندرہ جلدیں گنائی ہیں، لیکن ہمارے

---

[1] معجم المطبوعات: سرکیس ج ۱، ص ۹۶۹ [2] طبقات: سبکی ج ۱، ص البدایة والنہایة ج ۱۰، ص ۲۵۲، [3] معجم المصنفین [4] کشف الظنون ج ۲، ص ۲۶۶، [5] اختلاف الفقہا للطحاوی: معصومی ص ۱۲، [6] البدایة والنہایة ج ۱۰، ص ۲۵۲،

سامنے مصر سے شائع شدہ سات جلدوں میں مکمل کتاب الام موجود ہے، جس کے حاشیہ پر مختصر مزنی بھی درج ہے، اور اب بھی متداول ہے، اس کتاب پر علاحدہ ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے

امالی و مختصر ربیع کا اب کہیں ذکر نہیں ملتا،

ابن ندیم کی تحقیق کے مطابق امام شافعی کی اصل کتاب بسوط ہے[۱] جس کے راوی امام ربیع ہیں، امام ربیع فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس کتاب کو صرف حافظہ کی مدد سے مرتب فرمایا تھا، اس کی تالیف کے وقت ان کے پاس کوئی دوسری کتاب نہ تھی[۲]، ابن ندیم نے اس کتاب کے تقریبًا ۱۱۲ ابواب بھی شمار کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ بسوط کے نام سے ایک اور مجموعہ امام زعفرانی کا بھی تھا، اور یہ بالکل امام ربیع کی ترتیب کے مطابق تھا، لیکن لوگوں نے اس مجموعہ سے زیادہ رغبت کا اظہار نہیں کیا، فقہا کا عمل بھی اس پر نہیں رہا، فقہا، کی معمول بہ کتاب امام ربیع کی بسوط ہی رہی ابن ندیم لکھتے ہیں کہ اب ہمیں زعفرانی کی مردی کتابوں کے عنادین لکھنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ وہ اب کمیاب ہیں، اکثر حصہ ان کا نایاب ہے، پھر بعد میں انھیں دوبارہ لکھا بھی نہیں گیا[۳] لیکن حیرت ہے کہ بسوط کا ذکر حاجی خلیفہ نے نہیں کیا دوسرے مورخین نے بھی بسوط کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ ابن ندیم اسے سب سے اہم مانتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ کتاب الام کو یا اس کے بعض اجزاء کو بسوط کے نام سے تعبیر کر دیا گیا ہو مجھے بھی کتب خانوں کی فہرست میں مخطوطات و مطبوعات دونوں میں یہ کتاب نہ مل سکی،

---

[۱] الفہرست: ابن ندیم ص ۲۹۵ [۲] معجم المصنفین ص ۲۹۸ ....

[۳] فہرست: ابن ندیم، ص ۲۹۷، ....

امام ربیع سے روایت شدہ کتابوں میں مسند شافعی بھی ہے[۱] اس کے بارے میں کبھی یہ خیال تھا کہ کتاب الام کا دوسرا نام ہی مسند شافعی ہے[۲] لیکن یہ رائے صحیح نہیں تھی، چنانچہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا کہ یہ امام شافعی کی کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ ابوجعفر محمد بن مطر نیشاپوری نے محمد بن یعقوب اصم، شاگرد ربیع سے کتاب الام کے بعض مباحث سنے اور نقل کیے، انہی کے مجموعہ کا نام مسند شافعی ہے[۳]،

صاحب معجم المصنفین مولانا محمود حسن ٹونکی نے اپنے استاد شیخ الحدیث حسن بن محسن انصاری یمنی بھوپالی نزیل ہند سے امام ربیع تک اپنے سلسلہ سند کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسند شافعی، کتاب الام کے علاوہ ایک دوسری تصنیف ہے[۴]،

لیکن شاہ عبدالعزیز دہلوی نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مسند شافعی اصلاً ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنھیں امام شافعی اپنے شاگردوں کے سامنے سند کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے، کتاب الام اور مبسوط میں واقع ان احادیث بالاسناد کو امام ربیع سے سن کر ان کے شاگرد ابوالعباس اصم نے یکجا کر دیا، ان احادیث میں سوائے چار حدیثوں کے جو امام بویطی سے مروی ہیں بقیہ کل احادیث کے راوی امام ربیع ہیں،[۵]

اب یہ مسند مصر سے شائع شدہ کتاب الام کی چھٹی جلد کے حاشیہ پر زیور طبع سے آراستہ ہو گئی ہے[۶] اس کے طابع احمد بک حسینی نے لکھا ہے کہ شام کے ایک قدیم نسخہ کے مطابق اس کتاب کی اشاعت ہوئی، یہ مخطوطہ ائمہ محدثین کی سماعات و اسناد سے بھی مزین ہے، سب سے آخری سماعت حدیث کا سال ۸۹۷ھ درج ہے[۷]

---

[۱] تاریخ التشریع الاسلامی: محمد خضری ص ۲۶۳ [۲] معجم المصنفین ص ۳۰۴ [۳] کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۸۳
[۴] معجم المصنفین ص ۲۰۵ [۵] بستان المحدثین: شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۳ [۶] بقیہ حاشیہ ص ۔۔ پر ہے،

اس مطبوعہ مسند کی فہرست دیکھ کر شاہ عبدالعزیز دہلوی کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ یہ کوئی مرتب مسند نہیں[1] مثلاً کتاب الطلاق کے معاً بعد کتاب العتق اور پھر کتاب جراح العمد ہے کتاب الجزیہ کے بعد کتاب اختلاف مالک والشافعی ہے، کتاب الاشربہ اور فضائل قریش کا باب ساتھ ساتھ ہے، کتاب النکاح، کتاب الطلاق کتاب الحج اور کتاب الکسوف مکرر ہیں،[2]

کتاب الام کی ساتویں جلد کے حاشیہ پر امام ربیع سے مروی ایک کتاب اختلاف الحدیث بھی موجود ہے،

امام ربیع اپنی روایت میں اس درجہ ثقہ سمجھے جاتے ہیں کہ اگر کسی روایت کے بارہ میں ان کے اور امام مزنی کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو امام مزنی کی جلالت شان اصول فقہ سے زیادہ موافقت اور درایت وقیاس سے قربت کے باوجود اصحاب شافعی امام ربیع ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں،[3] علامہ سبکی نے مکاتیب کے ایک مسئلہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ اس میں گو درایت کے لحاظ سے امام مزنی کا قول اصح ہے لیکن ابن سریج کے قول کے مطابق صحیح صورت وہی ہے جو امام ربیع سے منقول ہے، امام الحرمین نے ابن سریج کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن سریج نے امام ربیع کی روایت کو تفقہ کے اعتبار سے درست نہیں سمجھا بلکہ روایۃً اسے زیادہ معتبر قرار دیا ہے،[4]

خود امام مزنی کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی امام شافعی کی مجلس میں وہ شریک نہ ہو سکتے

---

[1] بستان المحدثین ص ۳۰ [2] مسند شافعی مذکور ص ۷ [3] طبقات: سبکی ج ۱، ص ۲۵۹ [4] طبقات سبکی ج ۱، ص ۲۵۹، بقیہ حاشیہ صفحہ کا [6] کتاب الام، مطبوعہ مطبعہ امیریہ ۱۳۲۲ھ

[7] مسند شافعی بر حاشیہ کتاب الام ج ۶، ص ۲۸۰ ......

تو فوت شدہ مسائل کو حل کرنے میں امام ربیع کی کتاب سے ہی مدد لیتے،[1]

امام بویطی جو تقویٰ و تفقہ دونوں میں سب سے نمایاں ہیں، فرماتے ہیں کہ الربیع اثبت منی فی الشافعی (ربیع امام شافعی سے روایت کرنے کے بارہ میں مجھ سے زیادہ قابل اعتماد ہیں،[2]

امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں امام ربیع سے حدیث کی تخریج کی،[3]

امام بیہقی نے حاکم سے انھوں نے اصم سے اور اصم نے ربیع سے امام شافعی کی ایک روایت کو نقل کیا، اس سلسلۂ سند کو بیان کرنے کے بعد علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ یہ ایسا سلسلۂ سند ہے کہ اگر کسی مجنون دیوانہ پر پڑھ کر دم کیا جائے تو وہ اچھا ہو جائے[4]

---

[1] ابن حجر عسقلانی ج ۳، ص ۲۴۶ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] طبقات کبریٰ، ص ۳۰۴،

ابوالقاسم انماطی

نام | عثمان بن سعید بن بشار نام، ابوالقاسم کنیت، انماطی نسبت سے مشہور ہوئے، احول بھی نسبت ہے، صاحب المزنی اور صاحب الربیع کے القاب سے ذکر کیا جاتا ہے[1]، ابوالقاسم انماطی کی کنیت و نسبت سے عبادی کو یہ خیال ہوا کہ ان کا نام حکم بن عمرو ہے، شوافع میں ایک صاحب محمد بن بشار کے نام سے بھی لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، حالانکہ محمد بن بشار کی کنیت بھی ابوالقاسم نہیں تھی، دراصل ابوالقاسم حکم بن عمرو حدیث کے راویوں میں سے ایک صاحب گذرے ہیں جن کو بعض تذکرہ نگاروں نے غلطی سے ابوالقاسم انماطی سمجھ لیا[2]، ابن ہدایہ نے انماطی کا نام عبد اللہ بن احمد بن بشار بغدادی بھی لکھا ہے[3]، انماطی کی نسبت انماط کی طرف ہے، یہ ایک قسم کا فرش ہے، قالین اور دریاں وغیرہ اس میں شامل ہیں، مصر والے ان فرشوں اور فرش فروشوں کو انماط اور انماطی کے نام سے یاد کرتے تھے[4]، ابواسحاق شیرازی نے انماط کے لفظی معنی کی رعایت سے یہ نکتہ پیدا کیا کہ بغداد میں فقہ شافعی کی بساط و مسند بچھنے کا عمل، انماطی کے ذریعہ ہوا[5]

انماطی کے اصل وطن اور سنہ پیدائش اور ابتدائی تعلیم و نشو و نما کے بارہ میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، ان کے علمی و فقہی کارناموں پر بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی، ان کی ساری علمی و فقہی سرگرمیوں کا احاطہ صرف دو جملوں سے کیا گیا ہے ایک تو یہ کہ،

کان للناس فیہ منفعۃ[6] — لوگوں کے لیے انکی ذات میں نفع و افادہ تھا

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۱ [2] ایضاً [3] طبقات، مصنف ص ۸

[4] وفیات: ابن خلکان ج ۲ ص ۵۵۹ [5] طبقات: مصنف ابن ہدایہ ص ۸ [6] طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۳۰۱۔

دوسرے یہ کہ،

ھوالذی اشتھرت بہ کتب	وہ ایسے شخص ہیں جن کے ذریعہ سے امام
الشافعی ببغداد[1]	شافعی کی کتابیں بغداد میں مشہور ہوئیں

افسوس ہے کہ ان کی شخصی وفقہی زندگی کی اصل معلومات پردۂ خفا میں ہیں ورنہ فقہ شافعی میں وہ عظیم المرتبت فقیہ کے مرتبہ پر نظر آتے، انہوں نے امام مزنی اور امام ربیع مرادی سے فقہ شافعی کی تحصیل کی، ان دونوں حضرات کا جو مرتبہ ہے وہ صاحبان نظر سے پوشیدہ نہیں، انماطی نے ان دونوں اماموں سے اکتساب فیض کیا اور اس حد تک قریب رہے کہ بے شمار شاگردوں کے باوجود صاحب المزنی اور صاحب الربیع ہونے کا شرف صرف انماطی کو حاصل ہوا[2]، ابو عاصم کہتے ہیں کہ انماطی کا رتبہ بغداد میں ایسا ہی تھا، جیسا اہل نیشاپور کے لئے ابوبکر بن اسحاق کا، نیشاپور میں امام مزنی کے علم وفقہ کو ابوبکر بن اسحاق نے عام کیا اور بغداد میں اس فریضہ کی ادائی انماطی کے حصہ میں آئی، امام سبکی نے اس قول سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ابو عاصم کے قول سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انماطی اور ابن اسحاق مرتبہ ومقام میں ایک ہی درجہ تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے جلالت شان، قدر ومنزلت اور علم وفقہ میں ابن اسحاق، انماطی سے فائق تھے لیکن انماطی کی شان اس طور پر زیادہ عظیم ہے کہ ان کے شاگردوں میں فقہ شافعی کے اساطین علماء شامل ہیں،[3]

تلامذہ انماطی کو اگر اساتذہ میں مزنی وربیع جیسے فاضل فقہاء سے استفادہ کا موقع ملا تو ان سے کسب نور کرنے والوں میں ابوبکر الشافعی، ابوسعید اصطخری، ابوعلی بن خیران، منصور تمیمی، ابو حفص بن الوکیل البابشامی جیسے طبقہ علیا کے فقہاء شامل ہیں، لیکن شاگردوں میں سب سے بڑی شخصیت جو استاد کے لیے باعث فخر بنی وہ مسلک شافعی کے شیخ المذہب ابوالعباس بن سریج کی ہے، تقریباً سبھی

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۱ [2] مراۃ الجنان ج ۲ ص ۲۱۵ [3] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۱ [4] ایضاً

تذکرہ نویسوں نے ابن سریج کے ان سے رشتۂ تلمذ کو بیان کیا ہے۔

وفات | انماطی کا انتقال شوال ۲۸۸ھ میں ہوا تدفین بغداد میں ہوئی[1]۔

حیرت کی بات ہے کہ ایسے جلیل القدر فقیہ کی کسی تحریر کی کہیں بھی نشان دہی نہیں کی گئی نہ ان سے مسائل اور فوائد وغیرہ نقل کیے گئے

صرف ایک روایت ملتی ہے کہ ابو سعید اصطخری نے ان سے دریافت کیا کہ نص زیادہ اہم ہے یا اجتہاد انہوں نے جواب دیا کہ نص! ابو سعید اصطخری نے پھر پوچھا کہ کیا نبی کریمؐ نے شعیر (جو) پر نص بیان نہیں کی جب کہ گیہوں پر نہیں بیان کی، آپ کا کیا خیال ہے اگر آپؐ کی غذا گیہوں تھی تو کیا جو نکالنا آپ کے لیے جائز ہوتا؟ انماطی نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ہوتا! اصطخری نے کہا تو پھر آپ نے نص پر اجتہاد کو مقدم کر دیا، اتنے میں ابن سریج آ گئے انماطی نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں، انہوں نے کہا کہ نص کو ایسے اجتہاد پر مقدم کیا جائے گا جس میں احتمال کا امکان ہو لیکن جس چیز پر نص واقع ہو رہی ہے وہ اپنے سے اعلیٰ کی جانب اشارہ کر رہی ہے تو پھر اجتہاد کو اس پر مقدم کیا جائے گا جیسے ضرب مع التالیف (تالیف قلب کے ساتھ زد و کوب) ہے۔

اسی لیے حضورؐ نے عید کے دن میں صدقہ فطر نکالنے میں اسی بات کا لحاظ رکھا اور شعیر (جو) کو قوت (غذا) قرار دیا، لیکن اگر انسان کی غذا گیہوں ہے تو اس کے لیے جو کا نکالنا جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر جو غذا ہے اور وہ گیہوں کو نکالتا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اس سے اعلیٰ ہے[1]۔

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۳۰۲۔

امام ابو محمد مروزی

امام ابو محمد مروزی کے حالات بھی نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں مگر چوں کہ وہ امام محمد ابن خزیمہ اور امام ابو اسحٰق مروزی جیسے جلیل القدر ائمہ فن کے استاد ہیں اور امام مزنی وامام ربیع مرادی کے شاگرد ہیں اور مرو کے علاقہ میں فقہ شافعی کو اول اول فروغ دینے والے ہیں، اس لیے ان کا ذکر ان صفحات میں ضروری سمجھا گیا۔

نام عبداللہ بن محمد بن عیسی نام ہے، ابو محمد کنیت ہے اور مرو کی نسبت سے مروزی کہلاتے ہیں، عبداللہ سے زیادہ وہ عبدان کے نام سے مشہور ہوئے، امام سبکی، امام ذہبی اور سب سے بڑھ کر خطیب بغدادی نے عبدان بن محمد ہی لکھا ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ صحیح نام عبداللہ ہے جیسا کہ ابن شہبہ اور امام ابن العماد حنبلی اور یاقوت حموی کا قول ہے[1]۔ امام سمعانی نے عبیداللہ نام نقل کیا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ عبدان اگرچہ لقب ہے لیکن شہرت اسی کو ملی[2]۔

پیدائش وہ عرفہ کی شب ۲۲۰ھ میں جُنوجرد میں پیدا ہوئے، یہ مرو کا ایک قصبہ تھا، اور نیشاپور جانے والی شاہراہ پر پہلی منزل پر واقع تھا، یاقوت حموی نے ۶۱۴ھ میں اس کو دیکھا تھا، اس وقت وہاں عمدہ اور بڑے بازار، خوبصورت عمارتیں، نہایت کشادہ جامع مسجد اور باغات تھے، اسی قصبہ جنوجرد کی ایک بزرگ ہستی ابوالحسن سورۃ بن شداد جنوجری ہیں جنہوں نے تابعین میں ابو یحیٰی زرلی بن عبداللہ المؤذن صاحب انس بن مالک وسفیان ثوری سے روایت حدیث کی[3]۔

---

[1] طبقات شہبہ ج ۱ ص ۴۷ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۱۵ و معجم البلدان ج ۳ ص ۱۵۳ [2] طبقات کبری ج ۲ ص ۵۰

نشوونما | خاندان اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے حالات نہیں ملتے ہیں، مگر ایک علم پرور قصبہ کے ماحول اور پھر مرو میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت سے وہ یقیناً متاثر ہوئے، میں نے یقیناً اس لیے لکھا کہ ایک واقعہ سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ امام احمد بن سیار جو مرو میں امام المحدثین تھے اور اس پایہ کے تھے کہ ان کو عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ہم پلہ محدثین میں شمار کیا جاتا ہے، وہ امام شافعی کے علم اور کتابوں کو جب پہلی بار مرو لائے تو وہاں کے لوگوں کو یہ کتابیں بہت پسند آئیں، بعض لوگوں نے مزید کتابوں کے لیے چاہا کہ کوئی لائق شخص مصر جا کر ان کتابوں کو نقل کر کے لے آئے تو اس کام کے لیے لوگوں کی نگہ انتخاب ہمارے امام ابو محمد مروزی پر پڑی، لیکن ان کی اس رائے سے امام احمد بن سیار نے اتفاق نہیں کیا۔[۱]

اس واقعہ کی اور تفصیلات کا ذکر ہم بعد میں کریں گے، یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ امام ابو محمد مروزی، بہت جلد اس مقام پر پہونچ گئے تھے کہ اعلیٰ علمی کاموں کے لیے لوگوں کی نظریں ان پر اٹھتی تھیں۔

شیوخ اور اساتذہ | انہوں نے جن شیوخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور سماعت و روایت کی، ان میں قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، ابو کریب محمد بن العلاء، اسحاق بن راہویہ، عمار بن حسن رازی، موثرہ بن محمد المنقری، عبدالجبار بن العلاء، عبداللہ بن محمد الزہری المکیین، محمد بن بشار، محمد بن المثنیٰ، اسماعیل بن مسعود الجحدری، بندار، جویریہ اور عبداللہ بن منیر وغیرہ کے اسمار گرامی شامل ہیں۔[۲]

---

[۱] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۵۱ [۲] تاریخ بغداد، تذکرۃ الحفاظ، شذرات الذہب، طبقات شہبہ سبکی اور معجم البلدان وغیرہ مذکورہ حوالوں کے ساتھ۔

مصر کا سفر ان کی علمی زندگی میں تابناکی، مصر کے سفر و قیام سے آئی۔ مصر کے سفر کی وجہ وہ واقعہ ہے جس کی کچھ تفصیل ہم نے اوپر لکھی کہ مرو والوں نے چاہا تھا کہ یہ مصر جائیں اور امام شافعی کی کتابوں کو نقل کرکے لے آئیں، لیکن امام احمد بن یسار محدث مرو نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، تاہم امام ابو محمد مروزی کے دل میں مصر کے سفر کا جو شوق و ولولہ پیدا ہوا، وہ تیز تر ہوتا گیا یہاں تک کہ انہوں نے جنوجرد میں اپنی جائداد کو فروخت کر دیا اور علم کی جستجو میں مصر تشریف لے گئے۔

امام مزنی و امام مرادی سے تعلق مصر میں اس وقت تشنگان حدیث و فقہ، امام مزنی و امام ربیع مرادی کے رحمتِ ... سے سیراب ہو رہے تھے، چنانچہ امام مروزی نے فقہ شافعی کی تحصیل انہی دونامور ترین بزرگوں سے کی اور اس طرح کہ خود فقہ شافعی میں ماہر ہو گئے۔[1] یہاں انہوں نے امام شافعی کی تمام کتابیں نقل کیں اور امام سبکی کی روایت کے مطابق ان دونوں حضرات کے علاوہ ان کو بہت سے ایسے مشائخ اور علماء سے ملاقاتیں کرنے اور ان سے نفع و فیض حاصل کرنے کا موقع ملا جو ان سے پہلے ان کے کسی ہم وطن کو نصیب نہ ہوا تھا۔[2] اس کے بعد انہوں نے شام و عراق کا بھی علمی سفر کیا: بغداد میں انہوں نے مقاتل بن حیان وغیرہ سے کتاب التفسیر کی روایت کی[3] اس طرح وہ کامل ہو کر اپنے وطن واپس آئے۔

ابن یسار کی معذرت علمی فتوحات کے ساتھ جب وہ مرو واپس آئے تو امام احمد بن یسار بقید حیات تھے، وہ باوجود اپنے درجۂ بلند اور کبرسنی کے خود ان کے پاس تشریف لائے اور مبارکباد دی اور پہلے انہوں نے جو انکار کیا تھا اس کے لیے معذرت بھی کی، امام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۶ [2] طبقات کبری [3] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۵

ابو محمد مروزی نے کہا کہ آپ معذرت نہ کریں، یہ تو آپ کا احسان ہے، ورنہ اگر مجھے چند کتابوں کے لیے مصر بھیج دیا جاتا تو شاید میں اسی پر اکتفا کر لیتا، اور اب جو یہ موقع علاوہ اس وقت مجھے نہ ملتا، امام احمد بن یسار اس سعادت مندانہ جواب سے خوش ہوئے۔[1]

مرو میں قیام | مصر سے واپسی کے بعد وہ مرو میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، اور اس طرح فقہ شافعی کو انہوں نے اس علاقہ میں بہت فروغ دیا، مصر سے وہ امام مزنی کی کتاب المختصر اپنے ساتھ لائے تھے، اس کتاب کو سب سے پہلے ان ہی نے عام کیا[2] اور امام احمد بن یسار کے بعد فتاوی میں وہی مرجع انام ہوئے[3]۔

مرتبہ و مقام | ان کی علمی شان اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اہل مرو کے محدثین و فقہاء کے امام تھے یاقوت حموی نے تو ان کو دنیا کے اماموں میں سے ایک شمار کیا ہے[4]۔

فضائل میں ان کے زہد کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے، امام سبکی نے لکھا ہے کہ ان کا نام حفظ اور زہد میں ضرب المثل ہو گیا تھا[5]۔ امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ وہ ثقہ حافظ، صالح اور زاہد تھے[6]۔ ان کی چار امتیازی خوبیوں کو بیان کیا گیا کہ وہ فقہ، حدیث، اجتہاد اور ورع و تقوی میں نمایاں تھے[7]۔ ایک بار سفر حج کی راہ میں نیشاپور میں رکے ہوئے تھے جہاں ان کے شاگرد اور نامور محدث امام ابن خزیمہ درس و افتاء کی مسند پر متمکن تھے، اس عرصہ میں امام ابن خزیمہ استفتاء کے تمام کاغذات امام ابو محمد مروزی کی خدمت میں پیش کر دیتے اور یہ فرماتے تھے کہ میں اس شہر میں فتوی نہیں دے سکتا۔ جہاں میرے استاد موجود ہوں[8]۔ اس واقعہ سے امام ابو محمد مروزی کی جلالت شان کے

---

۱ طبقات کبری ج ۲ ص ۱۵۱ ۲ ایضاً و طبقات شہبہ ج ۱ ص ۴۳ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۸۶
۴ معجم البلدان ج ۳ ص ۱۵۳ ۵ طبقات کبری حوالہ مذکورہ ۶ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۰۵ ۷ طبقات کبری حوالہ مذکورہ ۸ طبقات شہبہ ج ۱ ص ۴۳

ساتھ امام ابن خزیمہ کا پاکیزہ اور ارفع کردار بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاد کے اکرام و تعظیم کا کس قدر لحاظ کرتے تھے۔

وفات | وہ عرفہ کی شب میں پیدا ہوئے تھے اور عرفہ ہی کی رات میں ان کا انتقال ہوا سن وفات ۲۹۳ھ ہے اس طرح تقریباً ۷۳ برس کی عمر پائی۔

کتابیں | ان کی تصنیفات میں دو کتابوں کے نام ملتے ہیں ایک تو کتاب المعرفت ہے جو تقریباً سَو حصوں میں تھی دوسری کتاب الموطا ہے لیکن شاید یہ کتابیں جلد ہی نایاب ہو گئیں، کیوں کہ علامہ چلپی نے بھی انکا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

تلامذہ | البتہ ان کے شاگردوں کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، ان سے استفادہ کرنے والوں اور روایت کرنے والوں میں عمرو بن علک، ابوحامد ابن الشرقی ابوالعباس دغولی، یحیی بن محمد العنبری، ابواحمد غسال، قاضی احمد بن کامل اور قاضی عبدالباقی بن قانع وغیرہ نامور محدثین اور فقہا رہیں۔[۱]

مروزیوں میں ابوبکر بن محمد محمودی، ابوالعباس سیاری اور ابواسحٰق خالد آبادی وغیرہ ان کے خاص شاگرد ہیں۔[۲]

لیکن ان کے سب سے نامور شاگردوں میں امام محمد ابن خزیمہ، امام ابواسحاق مروزی اور ابوالقاسم طبرانی ہیں، آخرالذکر سے ان کی ملاقات حج کے دوران مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی،[۳] ان حضرات نے خاص کر ان سے فقہ کے علوم حاصل کیے۔

اقوال و مسائل | ان کے اقوال و مسائل کے متعلق ہم کو واقفیت نہیں، امام سبکی کی یہ عادت ہے کہ وہ ائمہ کے احوال کو نقل کرنے کے بعد ان سے مروی بعض اقوال، مسائل، غرائب یا اشعار وغیرہ ضرور نقل کر دیتے ہیں، مگر امام ابو محمد مروزی کے حالات میں انہوں نے بھی کچھ ذکر نہ کیا۔ البتہ امام رافعی نے بقول ابن شہبہ، کچھ مسائل نقل کیے ہیں[۴] مگر وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں۔

---

[۱] طبقات کبری، تذکرۃ الحفاظ و تاریخ بغداد [۲] بحوالہ سابق [۳] طبقات کبری [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۔ د ۔

امام محمد بن نصر مروزی

نام پیدائش اپنے عہد کے فقیہہ، عابد، عالم اور فن حدیث میں بے نظیر[1] امام محمد بن نصر کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ مروزی آبائی وطنی نسبت ہے، ۲۰۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم و تربیت نیشاپور میں ہوئی، عہد جوانی کا اکثر حصہ علم کی طلب و جستجو میں گزرا اس کے لیے انہوں نے بلاد اسلامیہ کے مشہور مقامات کا سفر کیا۔ مستقل سکونت سمرقند میں اختیار کی اپنی اس دربدری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ خدا جانے موت کہاں آئے[2]

اساتذہ و شیوخ چونکہ کثرت سے سفر کیے تھے[3] اس لیے ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے چند نام نمایاں ہیں، مثلاً ہشام بن عمار، ہشام بن خالد، حبیب بن واضح، یحیی بن یحیی، علی بن بحر القطان، عمرو بن زرارہ، علی بن حجر، ہدبہ بن خالد، عبدان بن عثمان مروزی، صدقہ بن فضل مروزی، ابو قدامہ سرخسی، محمد بن بشار، ابراہیم بن المنذر عبیداللہ بن معاذ عنبری، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، ابو کامل مجدری، ابن المثنی اور شیبان وغیرہ[4]۔ ان کے علاوہ خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کے دوسرے بہت سے لوگوں سے سماعت حدیث اور روایت حدیث کی[5]

فقہ شافعی سے وابستگی برسہا برس علوم حدیث کی تحصیل میں گزارنے کے بعد بھی وہ

---

[1] طبقات جدید: سبکی ج ۲ ص ۲۰ [2] تاریخ بغداد: خطیب ج ۳ ص ۳۱۵ [3] تہذیب الاسما: نووی ج ۱ ص ۹۲ [4] البدایہ والنہایہ: ابن اثیر ج ص ۱۰۳ [5] ایضاً و طبقات: سبکی، ابن ہدایہ ج ۱ ص

امام شافعی اور ان کے مکتب فکر سے کچھ زیادہ متاثر نہیں تھے، لیکن ایک خواب نے ان کو امام شافعی کے علم و مسلک کا شیفتہ بنا دیا، وہ خود کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ اچانک غنودگی سی طاری ہوئی، میں نے نیند میں آنحضورؐ کی زیارت کی اور خود بخود سوال کیا کہ کیا میں ابو حنیفہ کے مسلک کو اختیار کر دوں، آپؐ نے فرمایا نہیں، پھر عرض کیا کہ کیا امام مالک کی رایوں کو لکھوں، آپؐ نے فرمایا ان رایوں کو قبول کرو جو میری حدیث کے موافق ہوں، میں نے پھر پوچھا کہ کیا امام شافعی کی آراء کو اختیار کر دوں، یہ سن کر حضورؐ نے غصہ کے عالم میں سر مبارک کو جنبش دی اور فرمایا کہ تم رائے کہتے ہو، وہ رائے نہیں ہے وہ میری سنت کے مخالفوں کا رد ہے، امام محمد بن نصر نے اس خواب کے بعد مصر کا رخت سفر باندھا اور وہاں امام شافعی کی کتابوں کا علم حاصل کیا،[1] اور خوش قسمتی سے ان کو امام شافعی کے نامور ترین شاگردوں، امام ربیع بن سلیمان مرادی اور یونس بن عبدالاعلی صدفی ابن عبدالحکم اور حارث محاسبی سے فقہ شافعی کے اخذ و استفادہ کا موقع ملا، اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ وہ فقہ شافعی میں صف اول کے فقہاء میں شمار ہوئے ان کی فقہی جلالت

جلالت شان

شان کے بارہ میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ علوم اختلاف صحابہؓ اور ان کے بعد کے علوم احکام سے سب سے زیادہ واقف ہیں اس کے ساتھ ہی فن حدیث میں ان کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے وہ محمد بن اسحاق دبوسی کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ امام محمد بن نصر، علوم حدیث میں سمندر کی طرح بیکراں تھے،[2] امام نووی ان کو الامام البارع العلامہ فی فنون العلم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں،[3] امام یافعی، ان کو

---

[1] تہذیب الاسماء؛ نووی ج ۱ ص ۹۲ تعجب ہے کہ بالکل ایسا ہی ایک خواب ابو جعفر ترمذی نے دیکھا، اس خواب میں بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو امام مروزی سے منسوب ہیں اور خطیب، شیرازی، سبکی اور ابن ہدایہ نے بغیر کسی

فقہ و حدیث کے ساتھ ساتھ زہد و عبادت میں بھی ممتاز شمار کرتے ہیں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کے عہد میں فقہاء شافعیہ میں ان کا کوئی نظیر و مثیل نہیں تھا[1]

حدیث میں وہ ثقہ تھے[2] لیکن حدیث میں ان کے مرتبہ کو سب سے زیادہ خراج تحسین، ابن الاخرم نے پیش کیا ہے، ان کے قول کے مطابق جتنے لوگوں نے سنن کو جمع اور مرتب کیا اور جو مفاہیم سنن کے عالم ہوئے اور صحت احادیث کے ماہر ہوئے، اور مختلف فیہ مسائل کے جو جامع ہوئے، ان میں سب سے برتر و فائق محمد بن نصر مروزی ہیں۔ ابن الاخرم یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث نبوی یا اثر صحابہ کسی اور کے پاس نہیں ہے صرف محمد بن نصر مروزی کے پاس روایت موجود ہے، تو یہ بعید از صدق نہیں ہے[3]

فقہ میں ان کا مرتبہ | فقہ میں ان کا یہ درجہ ہے کہ ابو بکر صیرفی کہتے ہیں کہ اگر امام مروزی نے صرف کتاب القسامہ ہی لکھ دی ہوتی تو ان کا شمار افقہ الناس میں ہوتا[4]، اور حدیث و فقہ کی اس شاندار جامعیت کو ابو اسحاق شیرازی نے یہ لکھ کر ظاہر کیا کہ امام مروزی نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جو حدیث و فقہ کا خوبصورت امتزاج ہیں۔ وہ واقعی احکام و مسائل کی واقفیت میں سب سے بڑھ کر تھے[5] ان کے زمانہ کے اور علماء سے جب کوئی اہم مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ بھی یہی کہتے کہ اس مسئلہ کو امام مروزی سے دریافت کرو، اس دور کے علماء و فقہاء میں یہ قول مشہور تھا کہ آسمان خراسان کے ستارے چار ہیں، ابن المبارک یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی[6] ابو ذر بن یوسف القاضی کہتے تھے کہ

بقیہ حاشیہ گذشتہ ص کا تعلیق کے دونوں جگہ ان خوابوں کا ذکر کیا ہے [1] تاریخ بغداد، خطیب ج ۳ ص ۳۱۶ [2] تہذیب الاسما: نودی ج ۱ ص ۹۳ [3] مرآۃ الجنان: یافعی ج ص ۲۲۳ [4] تقریب التہذیب: عسقلانی ص [5] طبقات: سبکی ج ۲ ص ۲۰ [6] تاریخ: خطیب و تہذیب: نودی [7] طبقات: شیرازی ص [8] تہذیب الاسما: نودی و طبقات: سبکی

امام مروزی ہمارے مشائخ میں گل سرسبد کے مانند ہیں لیکن خراسان کے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی اپنے علاقوں سے ان کا انتساب کرتے تھے اور اس پر فخر محسوس کرتے تھے۔ مثلاً امام مروزی کے قیام مصر کی وجہ سے محمد بن عبد الحکم جو فقہ میں امام مروزی کے شیخ تھے ان کو امام مصر کہتے تھے۔[1]

عمدہ قول لیکن اس باب میں عمدہ قول سلیمانی کا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ محمد بن نصر امام الائمہ ہیں اور قسام ازل کی جانب سے بہرۂ توفیق سے مالا مال ہیں۔[2]

حسن عمل حدیث و فقہ میں احسن مقام کے ساتھ ان کو حسن عمل اور حسن سیرت سے بھی حصہ ملا تھا، نہایت حسین تھے، سرخ و سفید اور شاداب، محسوس ہوتا تھا کہ رخ پر انار کے دانے بکھرے ہوئے ہیں اور گالوں پر گلاب کھلے ہیں، ڈاڑھی سفید تھی اور نہایت جاذب نظر تھی[3] اس کے ساتھ ابوبکر احمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ نماز کی خوش ادائی اور حسن قیام و قعود میں ان سے بہتر کسی اور کو نہیں دیکھا، ایک بار نماز کی حالت میں ایک بھڑ نے ان کی پیشانی پر اس زور سے کاٹا کہ خون ظاہر ہو گیا لیکن انہوں نے جنبش تک نہ کی ابن الاخرم نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور بجائے پیشانی کے کان کا ذکر کیا ہے، پھر وہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہم ان کے حسن ادا خشوع اور ہیبت صلوۃ پر تعجب کرتے تھے۔ وہ اپنی تھوڑی کو سینہ کی جانب گویا ملائے رکھتے تھے اور اس طرح سیدھے کھڑے رہتے تھے، گویا کوئی چوب مستقیم کہیں نصب ہے۔[4]

فنافی العلم نماز کی طرح وہ فنافی العلم بھی تھے، ایک صاحب چالیس برس تک ان کی نشست میں بیٹھے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس طویل مدت میں بجز علم کے کسی اور موضوع پر گفتگو نہیں سنی۔[5]

---

[1] طبقات: سبکی حسن المحاضرہ: سیوطی ج ۱ ص ۱۲۳ [2] ایضاً۔ [3] طبقات: سبکی، البدایہ: ابن اثیر ص ۱۰۲ [4] تہذیب نووی۔ طبقات، شیرازی۔ شذرات الذہب۔ ابن عماد حنبلی ج ۲ ص ۲۱۷ [5] تاریخ بغداد خطیب: ج ۳ ص ۳۱۶

جود و سخا علم و عبادت کا طبعی خاصہ دنیا سے بے رغبتی اور استغنا ہوتا ہے، اور اس کا اظہار جود و سخا کے مظاہر سے ہوتا ہے، چنانچہ امام مروزی اس معاملہ میں بھی ممتاز تھے، ان کے زمانہ میں خراسان کا والی اسمٰعیل بن احمد تھا وہ ان کا بڑا معتقد اور معترف تھا، وہ ان کو سالانہ چار ہزار درہم نذرانہ دیا کرتا تھا، اسی کے ساتھ اپنے بھائی اور دوسرے امرائے خراسان سے بھی آٹھ ہزار درہم دلایا کرتا تھا، لیکن محمد بن نصر مروزی، ان درہموں کو بغیر اپنے گھر والوں کی پرواہ کئے ہوئے خلق خدا پر خرچ کر دیتے تھے، ایک بار ان سے کہا گیا کہ کسی موقع یا کسی خاص وقت کے لیے ان کو جمع رکھئے، تو فرمایا سبحان اللہ میں برسوں مصر میں رہا، اور میری غذا، لباس کاغذ قلم اور ساری ضروریات پر سال میں صرف بیس درہم خرچ ہوتے تھے، اس وقت بھی کچھ باقی نہیں رہتا تھا تو یہ بھی باقی نہیں رہ سکتا[۱]۔

غیب سے دستگیری مصیبت کے دنوں کو یاد کرتے تھے، ایک بار فرمایا کہ میں مصر سے روانہ ہوا میرے ہم راہ باندی تھی، بحری راستہ کا سفر تھا، کشتی ڈوبی، میرے پاس دو ہزار جزو رسالے تھے وہ ضائع ہو گئے۔ فذھب منی الفاجز (کسی راستہ سے) ایک ویران جزیرہ میں پہونچ گئے، پیاس بہت سخت تھی اور پانی دور دور نہیں تھا، اور صرف موت کا انتظار تھا کہ اچانک ایک شخص آیا، اس کے ساتھ مشکیزہ تھا، اس نے کہا لو پیو خوب پیا، جان میں جان آئی، لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا بندہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا[۲]۔ اسی قسم کی دستگیری کا ایک واقعہ اور بھی بیان کرتے تھے کہ ایک بار چار ہم عصر و نامور محمد، یعنی ابن خزیمہ، ابن ہارون، رویانی، ابن جریر اور یہ خود ایک سفر میں اکٹھا ہوئے، راستہ میں زاد سفر ختم ہو گیا کچھ بھی باقی نہ رہا، فاقہ کی نوبت آ گئی آخر کار یہ طے پایا کہ قرعہ اندازی ہو جس کا نام آئے۔ وہ جائے

---

[۱] تاریخ بغداد: تہذیب الاسماء، البدایہ والنہایہ وغیرہ [۲] طبقات: سبکی، شیرازی، ابن ہدایہ اور شذرات: ابن عماد

یقینی ہے۔ اسحاق نے ان کا استخفاف کیا تو اس سے اور اس کے بیٹوں سے بادشاہت جاتی رہی۔[1] چنانچہ اس بشارت کی برکت سے اسماعیل اور اس کے بیٹوں کی حکومت ایک سو بیس سال سے زیادہ تک قائم رہی[2]،

انتقال | امام مروزی کا انتقال محرم ۲۹۴ھ میں سمرقند میں ہوا[3]، اپنے مولد نیشاپور سے نکلنے اور بغداد و سمرقند میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد وہ چاہتے تھے کہ نیشاپور میں ہی رہ جائیں، چنانچہ اس غرض سے انھوں نے شرکت مضاربت میں تجارت شروع کردی، کاروبار کا انتظام ان کے شریک تجارت کرتے تھے، یہ خود علم و عبادت میں مشغول رہتے، لیکن پندرہ برس کے بعد سرزمین سمرقند نے جذب طلب میں زور کیا، نتیجہ میں وہ پھر سمرقند تشریف لے گئے اور اور تادم حیات وہیں کے ہوکر رہے[4]،

اولاد ظاہری | اولاد ظاہری کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا گیا، تاہم ایک صاحبزادہ اسماعیل کا نام آتا ہے اور اس حکایت کے ساتھ آتا ہے کہ امام مروزی نے اپنے کبرسن میں اولاد کے لیے دعا کی، یہ دعا پوری ہوئی اور جوں ہی ان کو بیٹے کی پیدا ہونے کی خوشخبری ملی، انھوں نے دعائے براہیمی سے اپنے جذبات کا اظہار کیا، الحمد اللہ الذی وہب لی علی الکبر اسماعیل اس طرح گویا ایک دعا میں تین سنتوں کو ادا کیا، ایک تو خوشخبری ملتے ہی خدا کا شکر ادا کیا، دوسرے بیٹے کا نام رکھنے میں تعجیل کی اور تیسرے یہ کہ یہ بیٹا چونکہ کبرسن میں پیدا ہوا اس لیے سنت ابراہیم کی پیروی میں اسماعیل نام رکھا، ان اسماعیل کی والدہ، قاضی یحیٰ بن اکثم کی ہمشیر تھیں[5]،

بقیہ حاشیہ صد کا نے خرید لیا اور اسے مدرسہ حدیث بنا دیا، البدایہ ج ۱۱ ص ۱۰۲، [1] تاریخ بغداد، خطیب، تہذیب نووی، مراۃ الجنان، یافعی وغیرہ [2] تہذیب، نووی [3] طبقات، سبکی ج ۲ ص ۲۰ [4] تاریخ بغداد خطیب ج ۳ ص ۳۱۷ [5] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۰۳

تلامذہ اور رواۃ ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت ہے، ان میں چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں۔ ابو العباس سراج، ابو علی بلخی عثمان بن جعفر اللبان، ابو حامد بن شرقی، محمد بن منذر شکر، ابو عبداللہ محمد بن یعقوب الاخرم محمد بن اسحاق رشادی اور ان کے بیٹے اسماعیل مروزی[۱]۔

اولاد معنوی امام مروزی کی چند کتابوں کا ذکر اوپر آچکا ہے[۲]۔ خطیب بغدادی نے ان کو بہت سی کتابوں اور ڈھیر سی تصنیفات کا مؤلف و مصنف قرار دیا ہے[۳]، اور ابن اثیر نے ان کی مفید پرمغز اور نفع بخش کتابوں کا ذکر کیا ہے[۴]۔ لیکن اس دور کی کتابوں کے ساتھ یہ المیہ وابستہ ہے کہ ہم محض ان کے ناموں سے واقف ہیں گردش زمانہ کے نتیجہ میں وہ اب ہمارے فائدہ و خیر کے لیے موجود نہیں ہیں، امام مروزی کی کتابوں کا بھی یہی عالم ہے، تاہم شکر ہے کہ ان کے چند آثار اب بھی موجود ہیں اور اک گونہ فخر کی بات یہ ہے کہ ان کے تین قلمی رسالوں کو محفوظ رکھنے کی سعادت ہندوستان کے حصہ میں آئی۔ قیام اللیل، قیام رمضان اور کتاب الوتر، ان تینوں رسالوں کا ایک مجموعہ ۲۸۷ھ میں لکھا گیا تھا، جس کے منتخبات کو احمد بن علی مقریزی م ۸۴۵ھ/۱۴۴۲ء نے نقل کیا تھا، ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مجموعہ رسائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ورقہ ۱۲۱/۹۲۱ ۱۲۱ میں موجود ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں یہ مجموعہ لاہور سے شائع بھی ہوا۔ اس مجموعہ کے علاوہ دار الکتب قاہرہ میں ان کی سند ۱/۷/۴ احادیث ۸ ۱۴/۲۷۹ ورقہ سنہ کتابت ۹۵۶ھ موجود ہے، ایک رسالہ اور ۱/۱۹۸ بھی وہیں محفوظ ہے[۵]، اختلاف الفقہاء جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس میں انھوں نے علماء

---

[۱] طبقات؛ تاریخ بغداد، مرآۃ الجنان و شذرات الذہب وغیرہ [۲] مثلاً کتاب القسامہ کتاب فیما خالف فیہ ابو حنیفہ علیاً و عبداللہ رضی اللہ عنہم اور کتاب الفقہاء و کتاب تعظیم قدر الصلوٰۃ [۳] تاریخ بغداد؛ خطیب ج ۳ ص ۳۱۷ [۴] البدایہ والنہایہ، ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۲، تعجب ہے کہ ابن ندیم نے اپنے فہرست میں امام مروزی اور ان کی تصنیفات کا مطلق ذکر نہیں کیا [۵] تاریخ التراث العربی: فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۲

کے اختلافات کا ذکر کیا ہے اور ہر مسئلہ کا آغاز امام سفیان ثوری سے کیا ہے۔ یہ کتاب بشکل مخطوطہ قونیہ کے مکتب یوسف آغا (۴۸۲۰/اورقہ ۱۔ ۱۱۳) موجود ہے۔ اس کا سنہ کتابت ۶۴۹ھ ہے۔[۱]

چند اقوال آراء | امام سبکی نے حسب عادت امام مروزی کے ذکر میں ان کی چند ایسی رایوں کو نقل کیا ہے جن میں وہ منفرد ہیں۔ مثلاً ان کا قول ہے کہ اگر فجر کی نماز، صلوۃ الخوف کی حالت میں ادا کی جائے تو قصر کر کے صرف ایک رکعت ادا کی جائے گی۔ اسی طرح وہ عمامہ پر مسح کو وجوب مسح کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اپنی کتاب تعظیم قدر الصلوۃ میں وہ نماز عشا کے بعد لوگوں کی تفریحی باتوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں، وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ نمازیوں کی خطائیں نماز کی ادائی سے معاف ہو جاتی ہیں، اس لیے اب پھر نماز کے بعد بے جا گفتگو سے اندیشہ ہے۔ کہ غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو، گویا طہارت کے بعد پھر ناپاکی میں انسان ملوث ہو جائے دوسری توجیہیں بھی ہیں، لیکن ان کی یہ وجہ بھی قابل قبول ہے۔ اسی طرح وہ وصیت پر گواہی دینے کے معاملہ میں یہ کہتے ہیں کہ اگر وصیت کرنے والے نے یہ کہا کہ یہ میری تحریر ہے اور جو اس میں ہے۔ وہی میری وصیت ہے تو گو، گواہ کو یہ نہیں معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے، تاہم اس کی گواہی قابل قبول ہے۔ یعنی صرف تحریری شہادت کے لیے کافی ہے لیکن مشہور مسلک شافعی یہ ہے کہ گواہ مقرر کرنا اور وصیت کے مشمولات کو کم از کم دو گواہوں کے لیے جاننا ضروری ہے۔[۲]

اختلاف الفقہاء میں باب طلاق المکرہ عتاقہ میں انہوں نے حدیث رفع اللہ عن ھذہ الامۃ الخطا والنسیان وما اکرھوا علیہ (اللہ نے اس امت سے خطا، نسیان اور مجبوریوں کو اٹھالیا ہے) کا ذکر کیا اور کہا کہ اس حدیث کی اسناد ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ

---

[۱] تاریخ التراث العربی: فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۲ [۲] تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ ص ۹۰۔

قابل حجت بن سکے، یہ حدیث دوسرے طرق، اور متن کے الفاظ کے قدرے فرق کے ساتھ بھی موجود ہے۔ مگر ہر سند میں کچھ نہ کچھ سقم ہونے کی وجہ سے امام مروزی کے علاوہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے[1]۔ امام ابن حنبل نے فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خطا و نسیان مرفوع ہے۔ تو وہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قتل خطا میں کفارہ واجب کیا گیا ہے۔ اگر خطا و نسیان مرفوع ہوتے تو یہ کفارہ واجب نہ کیا جاتا[2]۔

---

[1] امام سبکی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے [2] طبقات: سبکی ج ۲ ص ۲۵۰

امام ابو جعفر ترمذی

نام | محمد بن احمد بن نصر نام ہے، ابو جعفر کنیت اور ترمذیؒ نسبت ہے، ان کے حالات، کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں، مگر وہ علم و فضل اور زہد و تقوی کے جن بلند مدارج پر فائز تھے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان کے مختصر مگر پاکیزہ حالات سے اپنے قلب و ذہن کو منور کریں۔

پیدائش | امام ابو جعفر ترمذی ذی الحجہ ۲۰۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے[۲]۔

تعلیم اور شیوخ | ابتدائی تعلیم اور خاندان کے حالات کا ذکر نہیں ملتا، مگر ان کے حالات میں یہ بات عام طور پر بیان کی گئی کہ انہوں نے طلب علم کے لیے سفر کی مشقتیں برداشت کیں[۳] شیوخ میں یحیی بن بکر، یوسف بن عدی، ابراہیم بن منذر حزامی، یعقوب بن حمید اور قواریری وغیرہ ممتاز محدثین شامل ہیں۔

فقہ شافعی سے تعلق | ان کا شمار فقہائے احناف کے اکابر میں ہوتا تھا، بعد میں فقہ شافعی کی جانب طبیعت مائل ہوئی، چنانچہ اصحاب شافعی سے اخذ و استفادہ کیا خصوصاً امام ربیع مرادی سے زیادہ کسب فیض کیا، فقہ شافعی سے تعلق قائم کرنے میں ان کے ایک خواب کو تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۲۹ برس حدیث کا علم حاصل کیا اور امام مالک کے مسائل اور اقوال کی سماعت و روایت کی امام شافعی کے بارہ میں میری رائے زیادہ اچھی نہیں تھی، ایک دن جبکہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ اچانک نیند آ گئی، اس کے بعد خواب میں انھوں نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ

---

[۱] ترمذ کو تین طرح پڑھا جاتا ہے ایک تو تا پر زبر اور میم کے زیر کے ساتھ، یہ مقامی باشندوں کے لہجہ کے مطابق ہے دوسرے تا، اور میم دونوں کسرہ کے ساتھ اور تیسرے دونوں ضمہ کے ساتھ، اہل علم آخر الذکر تلفظ پر عمل پیرا ہیں۔ [۲] طبقات، ابن شہبہ ج ا ص ۳۹ [۳] طبقات کبری: سبکی ج ۲ ص ۱۸۷

تشریف فرما ہیں، انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں نے فقہ حنفی حاصل کیا ہے، کیا اسی پر عامل رہوں آپ نے فرمایا نہیں، پھر عرض کیا کہ کیا مالک بن انس کے مسلک کو اختیار کروں، فرمایا جو میری سنت کے مطابق ہو وہ ان سے لے لو، انہوں نے پھر عرض کیا کہ کیا امام شافعی کے اقوال پر عمل کروں، آپ نے فرمایا کہ وہ ان کے اقوال نہیں، وہ تو سرتاسر میری سنت کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور سنت کے مخالفین کا رد کرتے ہیں۔ یہی خواب ان کے فقہی مسلک کی تبدیلی کا باعث ہوا، چنانچہ ابن ہدایۃ نے رای ما یقتضی انتقالہ الی مذہب الشافعی[۲] (خواب دیکھا جو ان کے مسلک شافعی کی جانب منتقل ہونے کا سبب ہوا) کے جملہ سے تعبیر کیا، ابن شہبہ نے بھی لکھا ہے کہ کان حنفیا ثم صار شافعیا لمنام رآہ (وہ حنفی تھے پھر ایک خواب کو دیکھنے کے بعد وہ شافعی ہو گئے[۳]) امام ربیع مرادی سے فقہ شافعی کی تحصیل کی اور مسلک شافعی کو قبول کرنے کے بعد بغداد میں ان کی شہرت میں اور اضافہ ہوا، چنانچہ امام مزنی اور امام انماطی کے بعد بغداد میں فقہ شافعی کی مسند نشینی ان ہی کے حصہ میں آئی، بعد میں قاضی ابن سریج کی عظیم الشان شخصیت نے اس مسند کو زینت بخشی جیسا کہ ابن شہبہ نے لکھا ہے کہ کان الشیخ الشافعیہ بالعراق قبل ابن سریج (وہ ابن سریج سے پہلے عراق میں شوافع کے شیخ تھے[۴]) ان سے ایک خلقت نے استفادہ کیا، ان کے مشہور رواۃ میں احمد بن کامل، عبدالباقی بن قانع، ابوالقاسم طبرانی اور احمد بن یوسف خلاد وغیرہ ہیں۔

زہد و ورع سوانح نگاروں نے ان کے زہد، عبادت، تقویٰ اور بے نیازی کو خصوصیت سے بیان کیا ہے۔ تقریباً سبھی نے ان کے بارہ میں الامام الزاہد الورع کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ طبیعت میں دنیا اور اس کے لوازم سے حد درجہ استغناء تھا، بقدر ضرورت پر گذر بسر کرتے تھے امام سبکی نے لکھا ہے کہ وہ بہت تھوڑے پر قناعت کرنے والے تھے[۵]۔ ابو اسحاق ابراہیم بن سری لکھتے ہیں کہ فقر اور صبر اس درجہ تھا کہ مہینہ میں ان کے کھانے اور ضروریات زندگی

---

[۱] تہذیب الاسماء: عسقلانی ج ۲ ص ۳۰۲ [۲] طبقات ابن ہدایۃ ص ۱۰ [۳] طبقات ابن شہبہ [۴] ایضاً [۵] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸۔

پر صرف چار درہم خرچ ہوتے تھے، طبیعت میں بے نیازی اس قدر تھی کہ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں چاہتے تھے[۱]،

انھوں نے ایک بار خود اپنے ایک شاگرد سے بیان کیا کہ تقریباً دس گیارہ روز تک وہ محض ۵،۵ دانوں پر گذارا کرتے رہے، ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ ایک روٹی خرید کر کھا سکتے[۲]، ان کو بجا طور پر صبوراً علی الفقر یعنی فقر پر نہایت درجہ صابر و ثابت قدم کہا گیا ہے[۳]. اور اسی وجہ سے ان کو عراق کے شافعیوں میں سب سے سربرآوردہ اور سب سے زیادہ متقی کہا گیا[۴] احمد بن کامل کہتے ہیں کہ جو لوگ فقر پر تونگری کو کسی بھی صورت میں ترجیح دیتے ان کا امام ترمذی پر زور رد کرتے[۵]،

امام دارقطنی ان کو ثقہ، مامون کے الفاظ کے ساتھ ناسک کے لفظ سے بھی یاد کرتے ہیں[۶] امام یافعی نے ان کا ذکر ثقہ من اہل العلم والفضل والزھد فی الدنیا کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے

وفات | ۱۱ محرم الحرام ۲۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا، طویل عمر پانے کے باوجود بڑھاپے کا زیادہ اثر نہیں تھا[۷]

افسوس ہے کہ اتنی جلیل القدر شخصیت کے حالات اس تفصیل کے ساتھ نہیں ملتے جس کے وہ مستحق تھے، ان کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، صرف ایک کتاب، کتاب اختلاف اہل الصلوۃ کا نام آتا ہے جو اصول فقہ میں تھی، ابن الصلاح نے اس کتاب کو دیکھا تھا مگر پھر شاید وہ زمانہ کی دست برد کی نذر ہو گئی، اس کتاب میں پہلی حدیث جو انہوں نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی وہ یہ ہے، تفرق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ"،

---

[۱] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۳ [۲] مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۲۲۴ [۳] ایضاً [۴] طبقات ابن ہدایہ ص ۱۰ [۵] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸ [۶] ایضاً [۷] تہذیب الاسماء ایضاً۔

اس کتاب میں انہوں نے اپنے مختار اقوال کے بارہ میں رائیں دی تھیں[۱]،

امام رافعی نے ان کے کچھ ایسے مسائل نقل کئے جن میں وہ جمہور کے خلاف تھے مثلاً آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والا اگر نماز سے باہر سجدہ کرتا ہے تو اس کے لیے تکبیر کہنا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے۔ ایک مسئلہ یہ نقل کیا گیا کہ اگر کسی حربی کو تیر مارا گیا اور عین اسی وقت وہ مسلمان ہو گیا پھر اس کو تیر لگا تو پھر ضمان واجب نہیں ہوگا[۲]،

ان کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ شیعوں میں ایک فرقہ ایسا ہے جس کا خیال ہے کہ جناب رسول اللہ کے لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں، مگر وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں امام ابوجعفر ترمذی کہتے ہیں کہ اس قول سے یہ لوگ اہل بدعت میں شامل ہو گئے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ عقیدہ پسند کیا[۳]،

ایک شخص نے ان سے حدیث ان اللّٰہ تعالیٰ ینزل الی سماء الدنیا کے بارہ میں دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نزول کیا ہوگا، کیا اس کے اوپر علو اور فوق ہوگا؟ امام ابوجعفر نے جواب دیا کہ النزول معقول والکیف مجھول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ، یعنی خدا کا نزول عقل میں آنے والی بات ہے، اس کی کیفیت کیا ہوگی اس کا علم نہیں، اس نزول پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے بارہ میں سوال کرنا فضول بات ہے۔

---

[۱] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸ [۲] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۳ [۳] طبقات سبکی ج ۲ ، ۱۸۸

سے بھی سماعت حدیث کی، امام زعفرانی کا فقہ شافعی میں جو مرتبہ بلند ہے اسکے پیشِ نظر یہ عین ممکن ہے کہ حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی ان سے کسبِ فیض کیا ہو، لیکن فقہ شافعی میں ان کے استاذ خاص امام ابوالقاسم انماطی ہیں، مشہور صوفی اور زاہد و عابد عالم جنید بغدادی سے اکتساب علم کی کوئی واضح روایت نہیں ہے تاہم ان کی مجلس میں ابن سریج کی شرکت خود اس روایت سے ظاہر ہے کہ ایک بار ابن سریج نے مجلس میں گفتگو کی جس کا حاضرین پر بڑا اثر ہوا تو فرمایا کہ اثر کی یہ برکت ابوالقاسم جنید کی مجالس میں حاضری کا ثمرہ ہے۔

تلامذہ | عام طور سے یہ مسلم ہے کہ ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا، فقہائے اسلام کی ایک بڑی جماعت نے ان سے علوم فقہیہ کی تحصیل کی اور ان ہی کی ذات بابرکات سے فقہ شافعی تمام عالم میں عام ہوئی[1] ان کے خاص شاگرد ابن القاص ہیں ان کو صاحبِ ابن سریج بھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ ابوالقاسم طبرانی، ابوالولید نیشاپوری، ابواحمد غطریفی، ابواسحاق مروزی، ابوالحسین ابن قطان بغدادی۔ ابوطیب بن سلمہ بغدادی، ابوبکر صیرفی، ابوبکر فارسی صاحب عیون المسائل، ابوجعفر احمد بن استرآبادی، ابوبکر احمد بن ابراہیم جرجانی، ابوعلی بن محمد رودباری، ابن خفیف، محمد بن شعیب نیشاپوری ابوعلی حسن بن الحسین بن ابی ہریرہ، ابوالحسین محمد بن حسین آبری جیسے کبار محدثین و فقہاء اور اہل تقویٰ بھی ان کے خاص شاگردوں میں شامل ہیں، امام قفال شاشی کے متعلق ابواسحٰق شیرازی نے لکھا کہ وہ بھی ابن سریج کے شاگرد تھے اور انہی کے ذریعہ ماوراءالنہر میں فقہ شافعی کو قبولیت عام حاصل ہوئی (طبقات شیرازی ص ۹۰) لیکن ابن الصلاح

---

[1] وفیات الاعیان ج ا ص ۳۰۔

کے نزدیک یہ خیال درست نہیں، امام سبکی نے لکھا کہ ابن سریج کے انتقال کے وقت امام شاشی کی عمر سولہ سال تھی، لیکن اس میں ان کو اشتباہ ہوا ہے، امام شاشی کا سال ولادت ۲۹۱ھ ہے جبکہ امام ابن سریج کا انتقال ۳۰۶ھ میں ہوا، اس لحاظ سے امام شاشی کی عمر اس وقت قریب ۱۶ سال تھی[۱] مشہور مورخ علی بن حسین مسعودی صاحب مروج الذہب نے بھی ابن سریج کی مجلس میں حاضر باشی کا شرف حاصل کیا تھا، انہوں نے ابن سریج کا ایک رسالہ رسالۃ البیان عن اصول الاحکام بھی نقل کیا[۲] ان کے ایک شاگرد ابو غانم عمر بن محمد بھی ہیں جن کو ملقی ابن سریج کہا جاتا ہے، ملقی موجودہ دور کی اصطلاح میں پرائیوٹ سکریٹری کے مفہوم میں ہے[۳] ان کے ایک شاگرد ابو جعفر محمد بن جعفر خازمی جرجانی بھی ہیں، ان کے متعلق ابن سریج کا یہ قول بھی منقول ہے کہ "نہروان کے پل کو ان سے بلند تر کسی اور فقیہ نے عبور نہیں کیا"[۴]

شان و مرتبت | ان کے علمی مرتبہ و منزلت کے لیے ان کے جلیل القدر ائمہ فن تلامذہ کے اسمائے گرامی ہی کافی ہیں، تاہم تذکرہ نگاروں کے بعض اعترافات بھی یہاں پیش کیے جاتے ہیں، قریب تمام تذکروں میں ان کو خاص طور پر الباز الاشہب (شیر باز) کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، فن بحث و جدل میں ان کی کاملیت اور فریق ثانی کو مغلوب کر لینے کی صلاحیت کی وجہ سے یہ لقب واقعی ان کو زیب دیتا ہے، امام سبکی نے شاید اسی لیے ان کو لاسد الضاری علی خصوم المذہب (مسلک شافعی کے مخالفوں کے لیے ضیغم گرسنہ) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ شیخ حامد اسفرائینی کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ ہم ابن سریج سے صرف

---

[۱] طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۲۰۳-۲۰۱ [۲] ایضاً، ترجمہ مسعودی ج ۲ ص ۵۶-۵۷ [۳] ایضاً، ترجمہ ابی غانم ج ۲ ص ۱۷۴ [۴] ایضاً، ترجمہ خازمی ج ۲ ص ۱۳۰۔

ظواہر فقہ میں بحث کر سکتے تھے ، دقایق میں اس کی ہمت نہ تھی[1] بحث و مناظرہ میں ان کے خاص حریف ابن داؤد ظاہری تھے ، ابو الحسن عبد اللہ بن المغلس داؤدی کی روایت ہے کہ قاضی ابو عمر محمد بن یوسف کی مجلسوں میں ابن داؤد اور ابن سریج پابندی سے شریک ہوتے تھے اور ان دونوں میں نہایت دلچسپ اور بلند پایہ مناظرے بھی ان مجلسوں میں ہوتے تھے اور اکثر ان میں ابن سریج ہی غالب رہتے ، ایک موقع پر از راہ مذاق ابن داؤد نے کہا کہ آپ مجھے مقابلہ میں تھوک ہی نگلا دیجیے ، اس پر ابن سریج نے فی البدیہہ کہا کہ میں آپ کو دریائے دجلہ نگلنے پر مجبور کر دوں گا ، اسی طرح ایک موقع پر ابن داؤد نے کہا کہ مجھے ایک ساعت کی مہلت دیجیے ، انہوں نے فوراً جواب دیا کہ میں آپ کو اس ساعت سے قیامت کی ساعت تک مہلت دیتا ہوں[2] باوجود مسلسل بحث و مناظرہ کے ان کے دل میں ابن داؤد کی جو محبت و وقعت تھی وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے ، ابن داؤد کا انتقال ہوا تو ابن سریج ان کے جسد خاکی کے قریب بیٹھے اور حسرت سے فرمایا کہ مجھے ابن داؤد کی زبان کا غم ہے ، مٹی ایسی زبان کو کس طرح کھا سکے گی ؟[3] نظر و بحث میں انکی کاملیت کا ایک اعتراف ابو حفص مطوعی نے یوں کیا کہ " ابن سریج پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن کا باب کھولا[4] اگرچہ صاحب غایۃ المرام امام فخر الدین نے لکھا ہے کہ ابن سریج فقہ کی طرح علوم کلام میں بھی ماہر تھے تاہم ان کے شاگرد ابو الولید نیشاپوری نے ابن سریج کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے علوم فقہیہ کے کسی ایسے طالب علم کو کامیاب نہ دیکھا جو علم کلام سے بھی شغف رکھتا ہو ، ایسے طالب علم کو نہ تو فقہ کا صحیح علم حاصل ہو پاتا ہے نہ اسے علم کلام میں مہارت حاصل

---

[1] وفیات الاعیان ، ج ۱ ص ۳۰ [2] طبقات کبری ج ۲ ص ۸۴ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۲۲ ۔

ہوتی ہے[۱] لیکن بعض کلامی آرا رمثلاً "یجب شکر المنعم عقلاً"، کے متعلق ان کی پسندیدگی کا ذکر بھی ہے لیکن اس کے متعلق ابو اسحٰق اسفرائینی کا خیال ہے کہ آخر عمر میں انھوں نے معتزلہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور بعض عبارتوں کی تحسین کی تھی، تاہم چونکہ علم کلام میں ان کو رسوخ حاصل نہیں تھا، اس لیے اس قسم کی تحسین و تائید کو علم کلام کی تائید سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا[۲]

حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ علوم فقہیہ، اصول و فروع، فرائض و حساب اور جدل و بحث کے امام تھے، قرآن و حدیث سے استنباط و استدلال کی بعض مثالوں سے کتاب و سنت پر ان کی عمیق نظر کا مشاہدہ ہوتا ہے، امام ذہبی نے لکھا کہ میں نے علم حدیث میں ان کی کئی کتابیں دیکھی ہیں، وہ احادیث سے اس طور پر استدلال کرتے ہیں جو علوم حدیث میں ان کے فہم صحیح پر دال ہیں، افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں دستیاب نہیں، تذکروں میں البتہ ایک دو مثالیں ملتی ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینام وھو جنب ولا یمس ماءا (جناب رسول اللہؐ حالت جنابت میں نیند فرماتے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے) ایک اور حدیث صحیح میں حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، اینام احدنا وھو جنب؟ قال نعم اذا توضا (اے اللہ کے رسولؐ کیا ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سوتا رہے فرمایا ہاں جب اس نے وضو کر لیا ہو) بظاہر یہ دونوں متناقض صورتیں ہیں اسی لیے امام ابن سریج سے ابو الولید نیشاپوری نے ان احادیث کے متعلق سوال کیا انھوں نے جواب دیا کہ الحکم بھما جمیعا دونوں کا حکم ساتھ ساتھ ہے، حدیث عائشہؓ کا منشا

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۳ ص ۴۴ [۲] طبقات ترجمہ قفال شاشی ج ۲ ص ۲۰۲۔

یہ ہے کہ آنحضورؐ غسل کے لیے پانی نہیں چھوتے تھے یعنی بغیر غسل کے نیند فرماتے اور حضرت عمرؓ کی روایت میں وضو کا ذکر ہے اور ہمارا عمل اسی پر ہے[۱]

اسی طرح ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ اس حدیث شریف "قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن" کا مفہوم کیا ہے، فرمایا کہ قرآن کا ایک تہائی حصہ احکام دوسرا تہائی حصہ وعدہ و وعید اور تیسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہے سورۂ اخلاص میں اسماء و صفات کا ذکر جس جامعیت سے ہے اس کی وجہ سے اسے ثلث القرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

عہدہ قضا | فقہ میں اس مقام بلند کے سبب وہ شیراز کی مسند قضا پر بھی متمکن ہوئے[۲]، لیکن دوسرے اصحاب شافعیہ کو یہ عمل شاید پسند نہ آیا، خود ابن سریج کے ہم درس ابن خیران نے اس پر یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا کہ عہدہ قضا کی ذمہ داری اصحاب شافعیہ کا پسندیدہ امر نہیں، یہ تو اصحاب ابی حنیفہ کا وطیرہ ہے، امام سبکی نے حسب معمول وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا کہ امام ابن خیران کے اس قول سے عراق کے اصحاب شافعیہ کا عمل مراد ہے، ورنہ مصر و شام میں قاضی بکار کے سوا کبھی کوئی حنفی قاضی مقرر نہیں ہوا، پہلے مصر میں مالکی اور شام میں اوزاعی قضاۃ تھے، مسلک شافعی کے عام ہونے کے بعد ان دونوں ملکوں میں شافعی المسلک قضاۃ مقرر ہوتے رہے[۳] ایک اور جگہ امام سبکی نے یہ بھی لکھا کہ ابن سریج نے بہت پہلے یہ ذمہ داری قبول کی تھی، بعد میں ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا[۴]

---

[۱] طبقات کبری، ترجمہ ابو الولید نیشاپوری ج ۳، ص ۲۲۹ [۲] ایضا [۳] ایضا، ترجمہ ابو علی بن خیران ج ۳ ص ۲۷۲، [۴] ج ۳ ص ۲۴۔

علم و فضل کے اس بدر کامل کے متعلق ابن خلکان نے لکھا کہ ابن سریج کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر عمر بن عبد العزیز نے سنت کا احیاء اور بدعات کا خاتمہ کیا اور اس صدی کے مجدد ہوئے، دوسری صدی ہجری میں احیائے سنت و رد بدعات کا یہی مجددانہ فریضہ امام شافعی نے انجام دیا اور تیسری صدی ہجری کے آخر میں ابو العباس ابن سریج نے سنت کو قوت دی اور بدعات کا قلع قمع کیا[1] ایک روایت میں ابو علی بن خیران نے اس مجلس کا ذکر کیا جس میں ایک اہل علم بزرگ نے ابن سریج کے سامنے ان خیالات کا اظہار کیا اور یہ اشعار بھی پڑھے[2]

اثنان قد مضیا و بورک فیہما	عمر الخلیفۃ ثم خلف السودد
الشافعی الالمعی محمدا	ارث النبوۃ و ابن عم محمد
ابشر ابا العباس انک ثالث	من بعد ہم سقیا لنوبہ احمد

ان اشعار کو سن کر ابن سریج رو دیے اور کہنے لگے کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے۔

یہاں امام ذہبی کا یہ قول بھی لائق ذکر ہے کہ "یبعث اللہ من یجدد" یعنی اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے گا جو دین کی تجدید کریں گے، یہ جمع کے لیے ہے، صرف واحد ہی کا حصر نہیں ہے، مثلاً چوتھی صدی میں فقہ میں امام ابن سریج مجدد ہیں تو اصول دین میں امام اشعری اور حدیث میں امام نسائی بھی مجدد ہیں۔ اسی طرح چھٹی صدی میں حدیث میں حافظ عبد الغنی اور کلام میں امام فخر الدین درجہ مجددیت پر فائز تھے[3]

ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ دنیا میں انسان بیٹے کی تمنا کرتا ہے اور صاحب اولاد ہونا دنیا میں خوش بختی کی علامت ہے تو کیا جنت میں بھی یہ آرزو کی جائے گی؟

---

[1] وفیات ج ۱ ص ۳۰ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۴۳ [3] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶۔

جواب دیا کہ دنیا میں اولاد کی خواہش دنیا سے محبت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جب وہ دنیا میں نہ رہے گا تو اس کی اولاد سے اس کی وراثت قائم رہے گی لیکن جنت میں چونکہ نعمتیں لازوال ہوں گی اور زندگی بھی ہمیشہ ہمیش کی ہوگی اس لیے ظاہر ہے وراثت کے مستحق کی آرزو کی ضرورت ہی نہ ہوگی[1]

امام شافعی کی مدح و تحسین میں ایک بار فرمایا کہ جو عقل و دانش کا متلاشی ہو وہ فقہ میں امام شافعی کے مسلک، قرأت میں ابوعمرو اور شعر میں ابن المعتز کی پیروی کرے[2]، وہ اپنے علم و صلاحیت کی نعمت سے واقف تھے، بطور تحدیث نعمت ایک بار فرمایا کہ ایک بار میں نے خواب میں کبریت احمر کی بارش ہوتے دیکھی جس سے میرا دامن لبریز ہو گیا۔ اس خواب کی تعبیر ن کی گئی کہ مجھے کبریت احمر کے مانند قیمتی اور نایاب علم کا حصہ وافر ملے گا[3]۔ اسی ضمن میں ان کا یہ قول بھی ہے کہ "قیامت کے روز امام شافعی رب کے حضور میں ہوں گے ہاتھوں میں امام مزنی کی المختصر ہوگی اور وہ کہیں گے کہ یارب اس نے (امام مزنی) میرے علوم میں فساد پیدا کیا، اس وقت میں کہوں گا کہ رکیے، میں مستقل اس فساد کی اصلاح کرتا رہا[4]

خطیب بغدادی نے ان کا ایک اور خواب نقل کیا ہے جو انہوں نے مرض الموت کے زمانہ میں دیکھا تھا. فرمایا کہ آج رات میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا رب ہے تم سے مخاطب ہے، تب میں نے یہ آواز سنی کہ "ماذا اجبتم المرسلین؟" میں نے عرض کیا کہ ایمان اور تصدیق سے، لیکن پھر یہی سوال دہرایا گیا تو میں نے سوچا کہ

---

[1] طبقات کبریٰ، ترجمہ محمد بن جعفر خوارزمی، ج ۳ ص ۱۲۹ [2] تہذیب الاسماء ص ۶۴ [3] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۰ [4] ایضاً ص ۲۶۔

شاید جواب میں مزید کسی بات کا مطالبہ ہے تب میں نے کہا کہ ایمان اور تصدیق سے الا یہ کہ میں گنہگار بھی رہا، اس جواب کے بعد آواز آئی کہ اب میں تم کو بخش دوں گا۔[1]

وفات | مذکورہ بالا خواب دیکھنے کے بعد ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب مالک حقیقی سے وصل ولقاء کا وقت قریب آگیا ہے، چنانچہ یہ فرمایا بھی کہ احسب ان المنیۃ قد قربت، چنانچہ اس خواب کو دیکھنے کے اٹھارہ دن بعد ۲۵ جمادی الاولیٰ ۳۰۶ھ کو بغداد میں انتقال ہو گیا، وفات کے وقت حیات مستعار کے ساڑھے ستاون سال پورے کر چکے تھے[2] ایک روایت میں دوشنبہ ۲۵ ربیع الاول آیا ہے، ابن ندیم نے ۳۰۵ھ اور ابن ہدایہ نے سنہ وفات ۳۰۴ھ لکھا ہے لیکن یہ روایتیں قطعاً غلط ہیں، بغداد کے سویقہ غالب کے ایک حجرہ میں دفن کیے گئے۔ ابن خلکان کے زمانہ تک ان کی قبر نمایاں اور زیارت گاہ خلایق تھی۔

اولاد | اولاد میں صرف ایک صاحبزادے ابو حفص عمر کا ذکر آتا ہے جو صاحب علم و فضل اور ایک کتاب تذکرۃ العالم والمتعلم کے مولف تھے، انھوں نے اپنے والد سے کئی روایتیں بھی نقل کی ہیں[3]

تالیفات | ان کی تالیفات و تصنیفات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تقریباً چار سو تھیں لیکن امام سبکی لکھتے ہیں کہ ہمیں ان کی چند کتابوں کا ہی علم ہے، انھوں نے ایک کتاب کا ذکر کیا جو دراصل امام ابو داؤد کے ان اعتراضات کا رد ہے جو انھوں نے امام شافعی سے منقول بعض مسائل پر کیے تھے، بقول امام سبکی یہ نہایت نفیس کتاب ہے، ایک کتاب

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۴ ص ۲۹۰ [2] وفیات الاعیان، ج ۱ ص ۳۰ [3] طبقات کبریٰ ترجمہ ابی حفص عمر، ج ۳ ص ۱۷۴۔

کتاب الخصائل کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ ان کے صاحبزادے ابوالحفص عمر کی ہے[1] امام شیرازی نے ان کی ایک شرح کا ذکر کیا ہے جو مختصر المزنی کے متعلق ہے[2] ابن خلکان نے امام محمد کی کتاب پر ان کی ایک تعلیق کا ذکر کیا ہے[3] امام ذہبی نے یہ تو لکھا ہے کہ "میں نے علم حدیث میں ان کی کئی کتابیں دیکھی ہیں، لیکن کسی کتاب کے نام کا ذکر نہیں کیا[4] امام خطیب بغدادی نے بھی لکھا کہ انہوں نے المذہب کی شرح و تلخیص کی اور فروع میں مسائل کو مرتب کیا اور اہل رائے کی رد میں متعدد کتابیں لکھیں، لیکن متعین طور پر انہوں نے بھی کتابوں کے نام نہیں لکھے[5] البتہ ابن الندیم نے کتاب الرد علی محمد بن الحسین، کتاب الرد علی عیسیٰ بن ابان، کتاب التقریب بین المزنی والشافعی، کتاب جواب القاشانی اور کتاب مختصر فی الفقہ کا ذکر کیا ہے[6] ہم ان کی کسی کتاب سے براہ راست واقف نہیں اس لیے ان کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، البتہ مذکورہ معلومات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اکثر مخالفین مسلک شافعی کے رد اور جواب میں ہیں، یہی خوبی ان کے سوانح میں نمایاں ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کو البازالاشہب اور الاسد الضاری علی خصوم المذہب کے القاب دیے گئے ہیں۔

اقوال و آراء امام سبکی نے حسب عادت ان کے بعض فقہی اقوال اور روایات حدیث کو بیان کیا، فقہی اقوال مسح، غسل، وراثت، وصیت، شہادت، عتاق و طلاق کے متعلق ہیں، مثلاً کان کے مسح کے متعلق ان کا عمل یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے کانوں تک

---

[1] طبقات کبریٰ، ترجمہ ابی حفص عمر ج ۲ ص ۲۵ [2] طبقات شیرازی ص ۹۰ [3] وفیات الاعیان، ج ۱ ص ۳۰
[4] تذکرۃ الحفاظ، ج ۳ ص ۴۴ [5] تاریخ بغداد، ج ۴ ص ۲۰۷ [6] الفہرست، ص

نو مرتبہ پانی پہنچاتے تھے، تین مرتبہ چہرہ کے ساتھ، تین مرتبہ سر کے مسح کے ساتھ، اور تین مرتبہ علاحدہ۔

بعض مسائل میں وہ احناف کے ہمنوا بھی نظر آتے ہیں، مثلاً مسئلہ تسمیۃ الحاکم الشہود میں ان کا یہ قول ہے کہ جب حق ثابت ہو جائے تو حاکم کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے رجسٹر میں گواہی کا اندراج نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ 'میرے نزدیک قابل قبول شہادت ثابت ہو چکی ہے' اس میں محکوم لہ کے حق میں یہ احتیاط ملحوظ ہے کہ طعن واعتراض سے وہ محفوظ رہے گا اور آیندہ کے لیے کسی اور مخاصمت کی راہ نہ کھلے گی۔

امام سبکی نے .... ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں جن سے ان کی شعر گوئی کی صلاحیت ظاہر ہوتی ہے، مختصر المزنی کے متعلق ان کے یہ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

لصیقُ فوادی منذ عشرین حجۃ — وصیقل ذھنی والمفرج عن ھمی

عزیز علی مثلی اعازۃ مثلہ — لما فیہ من علم لطیف ومن نظم

جموع لاصناف العلوم باسرھا — فاخلق بہ ان لا یفارقہ کمی

ان کے یہ اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔

ولو کلما کلب عوی ملت نحوہ — اجاوبہ ان الکلاب کثیر

ولکن مبالاتی بمن صاع او عوی — قلیل فانی بالکلاب بصیر

امام سبکی نے ما کے ساتھ لو کی ترکیب پر بعض معترضین کا جواب بھی دیا ہے کہ نحوی لحاظ سے یہ قطعی درست ہے۔

امام ابن خیران

امام ابن خیران، بغداد کے تین ائمہ کبار میں سے ایک ہیں، باقی دو امام ابن سریج اور امام اصطخری ہیں۔ امام ابن خیران کے حالات کو تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے نہایت اختصار سے بیان کیا ہے اور سب نے تقریباً ایک جیسے حالات لکھے، لیکن ہم نے ان کے مختصر تذکرہ کو یہاں اس لیے شامل کیا کہ امام سبکی نے ان کو مسلک شافعی کے ارکان میں شمار کیا ہے۔

نام و نسب ان کا پورا نام حسین بن صالح بن خیران ہے، ابو علی کنیت ہے لیکن ابن خیران کی نسبت سے بھی مشہور ہیں۔ وطنی نسبت بغدادی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغداد کے باشندے تھے، ورنہ ان کے حالات اس قدر پردہ خفا میں ہیں کہ بقول امام ذہبی، یہ نہیں معلوم کہ ان کے اساتذہ کون تھے؟ کن شیوخ سے انہوں نے سماعت و روایت کی؟ اس کے علاوہ ان کے شاگردوں اور رواۃ کا بھی کہیں نام نہیں ملتا[1]، امام سبکی نے البتہ اپنا خیال یہ کہہ کر ظاہر کیا کہ شاید انہوں نے امام ابن سریج سے یا ان کے شیوخ سے اکتساب فیض کیا ہو[2]۔

تقویٰ اور جلالت علمی اگرچہ ان کے احوال پوشیدہ ہیں مگر ان کی جلالت علمی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ امام سبکی نے ان کو مکتب فقہ شافعی کے ارکان و اساطین میں شمار کیا، خصوصاً بغداد میں تو ان کی شان اس درجہ بلند تھی کہ امام ابن سریج اور امام اصطخری کے بعد انہیں کا نام لیا جاتا تھا۔ امام سبکی سے بہت پہلے امام خطیب بغدادی نے

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۵۲ [2] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۳

بھی لکھا تھا کہ وہ فاضل ترین شیوخ اور اماثل فقہاء میں سے ہیں[1]۔ ابن خلکان نے اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے[2]۔ امام ابن کثیر نے ان کو فقیہ کبیر کے الفاظ سے یاد کیا[3]۔ اور امام اسنوی نے ان کو امام جلیل لکھا[4]۔ لیکن ان کے اس علمی مرتبہ سے بڑھ کر جس خوبی کو تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے وہ ان کا تقوی اور دنیا سے بے نیازی ہے، امام سبکی نے ان کو زاہد، پرہیزگار اور متقشف متقی کہا ہے اور امام خطیب بغدادی کے الفاظ میں وہ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔

ایک واقعہ ان کی زندگی کا ایک واقعہ ایسا ہے جو دنیا سے بے نیازی کی مثال ہے، ان کے تفقہ، تقوی، دینداری اور پرہیزگاری کے سبب خلیفہ مقتدر باللہ نے ان کو بغداد کا عہدہ قضا پیش کیا، لیکن انہوں نے اس پیش کش کو رد کر دیا، دوبارہ پھر ان سے اس عہدہ کو قبول کرنے کے لیے کہا گیا اور انہوں نے انکار کیا تو خلیفہ کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے شدت سے اصرار کیا، یہاں تک کہ اس نے گویا ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً ۱۶ دنوں تک وہیں جما رہا تاکہ ان کو اس عہدہ کو قبول کرنے کے لیے مجبور کر سکے اتنے دنوں امام ابوعلی گھر سے باہر نہیں نکلے، اور گھر والوں کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ضروری چیزوں کی قلت ہو گئی، یہاں تک کہ پانی بڑی مشکل سے پڑوسیوں کے ذریعہ مہیا ہوا، وہ یہ ساری مصیبتیں برداشت کرتے رہے مگر اپنے عزم اور فیصلہ میں ثابت قدم رہے۔ جب وزیر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ ناکام واپس ہو گیا، اور بعد میں کہا کہ ہم ابوعلی کے خیرخواہ تھے اور ہمارے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری مملکت میں ایک ایسی شخصیت

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۵۲ [2] وفیات ج ۱ ص ۲۵۸ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۷۱

[4] شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۸۷

بھی بے جسے عہدۂ قضا جیسا منصب جلیل پیش کیا گیا، لیکن اس نے انکار کر دیا۔[1] تقریباً یہی بات مشہور فقیہ ابو عبداللہ حسین بن محمد العسکری کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ان کے والد نے کہا، بیٹے، یہ منظر دیکھ لو تاکہ کبھی لوگوں سے کہہ سکو کہ ایک شخص ایسے بھی تھے جن کو بادشاہ وقت اصرار کر کے قاضی کا عہدہ پیش کرتا تھا اور وہ انکار کرتے تھے۔[2] خود امام ابو علی نے بھی یہی بات کہی کہ میں نے اس لیے انکار کیا تاکہ یہ کہا جائے کہ ایک شخص کے گھر کا محاصرہ صرف اس لیے کیا گیا کہ وہ عہدۂ قضا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔[3]

ان کے اس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علماء و مشائخ کے لیے حکومت اور عہدوں[1] کی دست نگری کو پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے امام ابن سریج پر۔ ان کی جلالت شان۔ کے باوجود اس لیے تنقید کی کہ انہوں نے عہدہ قضا کو قبول کر لیا تھا۔[4] ان کا کہنا تھا کہ اصحاب شافعیہ کا طرز عمل یہ نہیں ہے، یہ تو امام ابو حنیفہ کے اصحاب اور ان کے مکتب فقہ کے ماننے والوں کا شیوہ ہے کہ وہ عہدوں کو خصوصاً عہدہ قضا کو قبول کرتے ہیں۔[5]

امام سبکی کا جواب

ان کے اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی نے لکھا کہ امام ابن خیران کا یہ قول عراق کی حد تک تو صحیح ہے، لیکن مصر و شام میں تو عام طور سے فقہاء شافعیہ قاضی ہوتے تھے، وہاں سوائے قاضی بکار کے سب قاضی، شافعی ہوئے اور شافعیوں سے پہلے مصر میں امام مالک کے متبعین اور شام میں امام اوزاعی کے پیرو، عہدہ قضا پر فائز ہوتے رہتے تھے، جب فقہ شافعی کو قبولیت حاصل ہوئی تو پھر ان دونوں ملکوں میں عام طور سے فقہاء شافعیہ ہی قاضی مقرر ہوئے۔[6]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۷۱ [2] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۵۳۔ ۵۴ [3] وفیات: ج ۱ ص ۲۵۸

[4] ایضاً [5] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۱۴ [6] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۱۴۔ ۲۱۳

وفات | امام ابو علی بن خیران کا انتقال بروز سہ شنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۳۲۰ھ کو ہوا، ان کی تاریخ پیدائش کا ذکر کسی نے نہیں کیا، لیکن خیال ہے کہ عہد کہولت کو پہونچنے کے بعد ان کی وفات ہوئی۔[1] ایک اور روایت کے مطابق ۳۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، امام خطیب بغدادی اور امام دارقطنی کی یہی رائے ہے۔[2] مگر صحیح ترین روایت اول الذکر ہی ہے کیوں کہ ابن خلکان ابن الصلاح امام بن عماد حنبلی، امام سبکی اور خود خطیب بغدادی کی دوسری رائے اسی کے مطابق ہے۔

تصنیفات تلامذہ اور مسائل | ان کی کسی کتاب کا کہیں ذکر نہیں ہے، تلامذہ یا صاجزادوں کے کسی نام سے ہم آشنا نہیں، صرف امام ابن عماد حنبلی کے ایک جملہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان سے ایک جماعت نے علوم فقہ حاصل کیے۔[3]

یہی حال ان کے اقوال کا بھی ہے، امام رافعی نے طہارت، تیمم، مواقیت صلوٰۃ اور اذان وغیرہ کے باب میں ان کے بعض اقوال نقل کیے ہیں لیکن وہ ہماری دسترس سے اس لیے باہر ہیں کہ کتاب وہ نایاب ہیں البتہ امام سبکی نے امام دارمی کے حوالہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کہیں ایسے کئی بے لباس موجود ہیں جن کے پاس صرف ایک کپڑا ہے، اگر باری باری وہ اس کپڑے کو پہن کر نماز ادا کرتے ہیں تو وقت ختم ہو جانے کا امکان ہے تو اس صورت میں امام ابو علی ابن خیران کا قول یہ ہے کہ وہ سب بے لباسی کی حالت میں ہی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

ان کے ایک قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آقا اپنے مکاتب غلام کے حق میں گواہی دے سکتا ہے اور اسے زکوٰۃ کی رقم بھی ادا کر سکتا ہے، امام سبکی اس کے بعد کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن کتاب میں پھر بیاض ہے اور ان کا جملہ نامکمل ہی رہ گیا ہے۔

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۴-۲۱۳ [2] طبقات ابن شہبہ ج ۱ س ۵۲ [3] شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۸، البتہ ابن شہبہ نے امام ابو حامد مروزی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ابن خیران کے سب سے سعادتمند شاگرد تھے۔

امام ابوسعید اصطخری

امام ابوسعید اصطخری، فقہ شافعی کے ان ممتاز ترین فقہار میں ہیں جو درجہ و مرتبہ میں امام ابن سریج کے ہم پلہ ہیں اور جو عراق کے شیخ الشافعیہ کے لقب میں ان کے شریک ہیں۔

نام و نسب | ان کا پورا نام و نسب اس طرح ہے، حسن بن احمد بن یزید بن عیسیٰ بن الفضل بن بشار[۱] بن عبدالحمید بن عبداللہ بن ہانی بن قبیصہ بن عمرو بن عامر، ابوسعید کنیت اور اصطخری وطنی نسبت ہے، اصطخر[۲] فارس کا ایک شہر ہے۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۲۶۸، البدایہ والنہایہ میں بجائے بشار کے یسار کا لفظ ہے۔

[۲] اصطخر کی نسبت اصطخری اور اصطخرزی دونوں طرح مستعمل ہے، یہ فارس کا شہر ہے۔ ایران کے جنوب مغرب میں ہے۔ ایک زمانہ میں اس کا شمار بڑے شہروں اور مضبوط ترین قلعوں میں ہوتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ایران کے قدیم شہر پرسیپولیس کے کھنڈروں پر رکھی گئی تھی۔ اصطخر بن طہمورث بادشاہ فارس اس کا بانی تھا، طہمورث، فارسیوں کے نزدیک بمنزلہ آدمؑ کے ہے، اصطخر فارسی بادشاہوں کا پایہ تخت بھی تھا، بعض روایتوں کے مطابق حضرت سلیمانؑ طبریہ سے یہاں صبح و شام آتے جاتے تھے، یہاں ایک مسجد، مسجد سلیمانؑ کے نام سے موجود تھی، فارسی روایات کے مطابق جم بادشاہ جو ضحاک سے پہلے ہوا وہ حضرت سلیمانؑ ہی تھے، یہاں اسلام سے پہلے بادشاہوں کے خزانے رکھے جاتے تھے، یہاں کے باشندوں کو شاہی حسب و نسب رکھنے پر فخر تھا، جود و سخاوت میں ان لوگوں کا مزاج بھی شاہانہ تھا، ساسانیوں کے دینی مرکز ہونے کا فخر بھی اسی شہر کو حاصل تھا، ۶۴۳ء میں یہ شہر اسلام کے زیر سایہ آیا اور ۶۸۴ء میں اس کے قریب شیراز کا شہر آباد ہوا۔ دنیاوی خزانوں کے ساتھ اس کی سرزمین بڑی مردم خیز رہی، نامور علمار و فضلا اسی کی خاک سے اٹھے جن میں ہمارے امام اصطخری کے علاوہ ابوسعید عبدالکریم اصطخری

(باقی صفحہ آئندہ پر)

سال پیدائش | وہ ۲۴۴ھ ۸۵۸ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی حالات دستیاب نہیں قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علم کی تلاش میں سفر کر کے بغداد تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

شیوخ واساتذہ | ان کے شیوخ واساتذہ میں بغداد کے نامور علمار وفقہار کے اسمائے گرامی شامل ہیں، مثلاً سعدان بن نصر، حفص بن عمرو الربالی، احمد بن منصور رمادی، عیسی بن جعفر الوراق، عباس بن محمد الدوری، احمد بن سعد الزہری، احمد بن حازم بن ابی غرزہ، محمد بن عبداللہ بن نوفل اور حنبل[۱] بن اسحاق وغیرہ، ایک روایت کے مطابق انہوں نے امام ابوالقاسم انماطی سے بھی علوم کی تحصیل کی[۲]

تلامذہ | ان سے سماعت وروایت کرنے والوں میں ...... محمد بن المظفر، ابوحفص بن شاہین یوسف بن عمر القواس، ابوالحسن بن الجندی، اور ابوالقاسم بن الثلاج وغیرہ نمایاں ہیں مگر ان کے زیادہ مایہ ناز شاگرد امام ابوالحسن دارقطنی صاحب کتاب السنن وکتاب العلل ہیں جو اپنے زمانہ میں امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشرف تھے۔

فضل وکمال | تذکرہ نگاروں نے ان کو عراق کا شیخ الشافعیہ لکھا ہے، ان کے عہد میں امام ابن سریج اور امام ابوعلی بن خیران دونوں کے علم وفضل کا سکہ بغداد میں چلتا

(بقیہ ص۱۵۸ کا) اور ابوالعباس زاہد اصطخری بہت نمایاں ہیں، جریر بن الخطفی نے اس کی شان میں چند اشعار کہے تھے جن میں کہا گیا تھا کہ فارس وروم وعرب، اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں، ان میں ایک شعر یہ بھی تھا:

وکان کتاب فیہم ونبوۃ   وکانوا باصطخر الملوک نسترا

دیکھئے معجم البلدان ج ۱ ص ۲۷۶، ۲۷۵ اور المنجد ج ۲ ص ۵۰ اور ۱۲۵

[۱] امام خطیب بغدادی نے بجائے حنبل کے جمیل بن اسحاق لکھا ہے۔ [۲] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۶

تھا اگر ان دونوں کی موجودگی میں ان کو شیخ الشافعیہ قرار دیا جانا ان کے غیر معمولی علم اور فقہی کمال کا ثبوت ہے۔ امام سبکی نے الامام الجلیل کے ساتھ احد الرفعار من اصحاب الوجوہ (فقہ شافعی کے ناموروں میں رفیع الشان) کے الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔[1] امام اسنوی نے لکھا ہے کہ امام اصطخری اور امام ابن سریج دونوں بغداد میں شافعیوں کے شیخ تھے۔ یہی قول ابن ہدایہ کا بھی ہے۔[2]

امام نووی نے ان کو فقہائے شافعیہ میں عالی مقام لکھا ہے۔[3]

امام ابو اسحٰق شیرازی کا یہ قول تقریباً سب نے نقل کیا ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو وہاں امام اصطخری اور امام ابن سریج کے بعد کوئی اور ایسا نہیں تھا کہ جس سے وہ اکتساب فیض کرتے، اس بناء پر امام خطیب بغدادی اور قاضی ابو الطیب طبری کا خیال ہے کہ امام ابو علی بن خیران اپنی جلالت علمی کے باوجود امام اصطخری اور امام ابن سریج سے کچھ کم تھے۔[4] امام ابو اسحٰق مروزی کی جلالت شان مسلم ہے لیکن امام اصطخری کی موجودگی میں وہ کوئی فتویٰ نہیں دیتے تھے، ہاں جب خود امام صاحب ان کو اجازت دیتے تب وہ فتویٰ دیتے۔[5] اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ امام شافعی کی کتابوں پر امام اصطخری کی نظر بڑی گہری تھی۔[6]

تقویٰ اور پرہیزگاری ان کے ورع و تقویٰ اور زہد و استغناء کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے، امام نووی نے صالح بن احمد الحافظ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام اصطخری فقیہہ تو تھے ہی اسی کے ساتھ انہیں دیانت اور پرہیزگاری سے بھی بہرہ وافر ملا تھا۔[7] امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ وہ بہت متقی، زاہد اور دنیا سے بے رغبت تھے۔[8] قاضی ابو المطلب کا یہ قول ہے کہ وہ

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۳ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۱۲ [3] طبقات ابن ہدایہ ص ۱۲ [4] تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ بحوالہ سبق [5] ایضاً [6] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۳۸ [7] ایضاً [8] طبقات کبریٰ۔

ورع اور اتباع شریعت میں خاص مقام پر فائز تھے[1] طبیعت میں بڑی احتیاط تھی[2]۔ اور قلیل پر گزر بسر کرتے۔

ان کا کرتا پاجامہ اور چادر ایک ہی طرح کی ہوا کرتی تھی[4]۔

عہدہ قضا و احتساب

خلیفہ مقتدر باللہ نے ان کو سجستان کا قاضی[5] مقرر کیا تھا، وہ شہر قم میں بھی عہدہ قضا پر فائز رہے۔ سجستان کے زمانہ قضا میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے نکاح کے باب میں ولی کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، انہوں نے اس سلسلہ میں بہت سختی کی اور جن نکاحوں میں ولی کی اجازت اور شرکت نہیں تھی ان کو باطل قرار دیا، وہ قم کے قاضی تھے تو وہاں ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے ورثا میں ایک بیٹی اور ایک چچا تھے جب میراث کا قضیہ شروع ہوا تو امام اصطخری نے نصف بیٹی کو .... اور نصف چچا کو دینے کا حکم دیا، اس فیصلہ سے قم والے خوش نہیں ہوئے، ان کا کہنا تھا کہ بیٹی کو کل میراث ملنی چاہیے، انہوں نے جواب دیا کہ شریعت کا فیصلہ یہی ہے، اس پر قم والے اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کے قتل کی سازش کرنے لگے، چنانچہ وہ وہاں سے واپس بغداد آ گئے، انہوں نے کہا کہ دراصل قم والوں کا مسلک، مسلک غرابیہ ہے جس میں میراث پوری کی پوری بیٹی کی ہوتی ہے، - ---- .... اور ان کے مسلک کی اصل یہ تھی کہ وہ حضرت فاطمہ رض کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل میراث کا وارث سمجھتے تھے[6]۔

وہ بغداد کے محتسب کے عہدہ پر بھی مامور ہوئے وہ پورے شہر کا دورہ کرتے اور تمام حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے، دورہ کے دوران اگر نماز کا وقت آ جاتا تو اپنی سواری پر

---

[1] طبقات کبریٰ [2] تہذیب الاسماء حوالہ بالا [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۹۳ [4] طبقات کبریٰ
[5] ایک روایت کے مطابق ان کو سجستان کا والی بنایا گیا تھا۔ شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۱۲ [6] طبقات کبریٰ

نماز بھی ادا کر لیا کرتے تھے۔[1] اپنی محتسبی کے زمانہ میں انہوں نے لہو و لعب کی جگہیں ختم کرادی تھیں۔[2]

خلیفہ قاہر ان سے فتویٰ لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ صابیوں (ستارہ پرستوں) کے بارہ میں ایک استفتار کے جواب میں امام اصطخری نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور یہود و نصاریٰ میں اور ان صابیوں میں فرق کی وجہ یہ تبلائی تھی کہ یہ لوگ ستاروں کو پوجتے ہیں، لیکن یہ ستارہ پرست کسی طرح اپنی جان بخشی کرانے میں کامیاب ہو گئے۔[3]

امام اصطخری کے تقشف، زہد اور پھر قضا و احتساب کے عہدوں کی وجہ سے شاید مزاج میں کچھ تیزی تھی[4] مگر وہ حاضر جواب بھی بہت تھے۔

حاضر جوابی | ایک مرتبہ امام ابن سریج نے ایک مجلس میں ان سے مزاحاً کہا کہ دیکھئے فلاں مسئلہ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے اس کا غلط جواب دیا، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ کثرت سے سبزیاں کھاتے ہیں جس سے دماغ کام نہیں کرپاتا، امام اصطخری نے فوراً جواب دیا کہ ہاں آپ سرکہ اور مری کثرت سے کھاتے ہیں جس سے دین ہی جاتا رہتا ہے (مری ایک کھانا ہوتا ہے جو نمک روٹی، شہد اور سیاہ مرچ جیسی چیز ملا کر تیار کیا جاتا تھا)[5]

تصانیف | ان کی تصنیفات کے بارہ میں تذکرہ نگاروں نے عام طور سے لکھا کہ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور ان کی کتابیں نفع بخش تھیں مگر ذکر ان کی صرف ایک کتاب کا ملتا ہے، یہ کتاب ادب القضا یا آداب القضا ہے یا کتاب الاقضیہ۔ علماء نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے۔[6] امام ابو اسحٰق شیرازی نے اس کو عمدہ کتاب کہا اور امام نووی نے بہترین کتاب سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۹۳ [2] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۲۶۹ [3] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۸ [4] شذرات الذہب بحوالہ سابق [5] تاریخ بغداد بحوالہ سابق [6] شذرات الذہب حوالہ سابق۔

تعبیر کیا[۱]۔ امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ اس کتاب سے ان کے علم کی وسعت اور فہم کی صحت آشکارا ہے[۲]۔ ابن کثیر نے اس کو بے مثل کہا[۳]۔ اور ابن خلکان نے لکھا کہ یہ سب سے اچھی کتاب ہے[۴]۔ علامہ چلپی نے فقہ شافعی میں ادب القضا پر جن کتابوں کا ذکر کیا ان میں اس کتاب کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور سے لکھا کہ فقہ شافعی میں یہی کتاب مشہور ہے اور کوئی اور کتاب اس کے جیسی نہیں ہے[۵]۔

اجتہادی شان دوسرے ممتاز فقہاء شافعیہ کی طرح امام اصطخری نے بھی بعض مسائل میں فقہ شافعی کے مسلمہ اصول سے جدا اپنی رائے دی ہے، امام رافعی نے ان سے کئی ایسے مسائل نقل کیے ہیں جن میں ان کی اپنی اجتہادی شان نمایاں ہے، مثال کے طور پر متوفی عنہا زوجہا (وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر جائے) اگر حاملہ ہے تو امام شافعی کے قول کے مطابق اس کا نفقہ اب واجب نہیں ہوگا، لیکن امام اصطخری نے فتویٰ دیا کہ یہ نفقہ عورت کے لیے واجب رہے گا، ان کے اس فتویٰ پر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ امام شافعی کا مسلک نہیں ہے، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہ امام شافعی کا مسلک خواہ نہ ہو لیکن یہ حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ کا مسلک ضرور ہے۔

ان کا ایک قول یہ ہے کہ غیر مجتہد اگر عہدۂ قضا پر مامور کر دیا گیا ہے اور اس کا فیصلہ حق کے مطابق ہے تو حکومت اس کے فیصلہ کو نافذ کرے گی۔

ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک سوار جو مسافر نہیں بلکہ مقیم ہے وہ نفل نمازوں میں سواری کی حالت میں اگر قبلہ رخ نہیں بھی ہے تو نماز ہو جائے گی، ان کی دلیل یہ ہے

---

[۱] طبقات شیرازی ص ۹۱ و تہذیب الاسماء حوالہ سابق [۲] تاریخ بغداد [۳] البدایہ والنہایہ بحوالہ سابق [۴] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۹ [۵] کشف الظنون ج ۱ ص ۷۳

کہ جس طرح مسافر کو استقبال قبلہ میں تردد ہوتا ہے اسی طرح اس سوار کو بھی ہو سکتا ہے جو اگرچہ اقامت کے حکم میں ہے مگر چوں کہ وہ سواری پر ہے اس لیے نفل نمازوں میں اس کے لئے رخصت ہے، خود وہ جب بغداد کا دورہ اپنی سواری پر کرتے تو ان کا عمل اسی کے مطابق ہوتا۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہ کسی معاملہ میں قاضی کے سامنے گواہی دیں اور قاضی اس گواہی کو قبول کرنے کے بعد قضیہ کو کسی دوسرے قاضی کی جانب منتقل کر دے اور اس دوسرے قاضی کے سامنے وہ دونوں گواہ اس تحریری گواہی کو پیش کر دیں جسے پہلے قاضی نے قبول کیا تھا تو اب دونوں گواہوں کو نئے سرے سے گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن امام اصطخری اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں بلکہ دونوں گواہوں کو پھر سے گواہی دینا ہوگی۔ امام اصطخری نے بعض اور مسائل میں بھی امام شافعی کے اقوال سے اختلاف کیا ہے جس سے ان کی اجتہادی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے بعض متاخرین نے ان کو کثیرا لھفوات بھی کہہ دیا ہے[1] جو نہ صحیح ہے اور نہ اس سے ان کی فقہی عظمت و منزلت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

وفات حدیث و فقہ کی خدمت کرتے ہوئے اور زہد و ریاضت کا پاکیزہ نمونہ پیش کرتے ہوئے تقریباً چوراسی برس کی عمر میں ۳۲۸ھ ۹۴۰ء میں بغداد میں وفات پائی، امام خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ۱۳ جمادی الاخری بروز پنجشنبہ انتقال ہوا اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے ان کی تدفین ہوئی، مہینہ کے متعلق اختلاف ہے۔ روایات کے مطابق شعبان، جمادی الاولیٰ، ربیع الآخر وغیرہ کے نام لیے گئے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ جمادی الاخری کا مہینہ تھا، تدفین بغداد کے باب حرب میں ہوئی۔

---

[1] طبقات کبری

ابن القاص

نام ونسب احمد بن ابی احمد القاص طبری نام ہے اور کنیت ابو العباس ہے، صاحب ابن سریج کے نسبت سے معروف ہیں، لیکن مشہور ابن القاص کے نام سے ہیں، اگرچہ ابو سعد ابن السمعانی نے انکو صرف القاص کہا ہے، اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ وعظ و تذکیر میں معروف رہتے تھے اور ان مواعظ میں گذشتہ قوموں کے قصے اور داستانیں اکثر سنایا کرتے تھے، اسی لیے قاص یعنی قصہ گو کہلائے[1]۔

لیکن چند دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کے بجائے ان کے والد ابو احمد کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اصلاً ابو احمد قاص و واعظ تھے اور اسی حالت وعظ میں خشیت الٰہی کے غلبہ سے انکا انتقال بھی ہوا تھا[2]۔

امام سبکی نے ابن القاص کو شیخ، امام، اپنے وقت کے امام، جلیل القدر امام اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، من اخشع الناس کے الفاظ سے یاد کیا ہے[3] لیکن ابن القاص کو جس چیز نے دوسروں سے ممتاز و ارفع کیا وہ ان کا امام ابن سریج سے رشتۂ تلمذ ہے، علم حدیث میں ابن القاص نے ابو خلیفہ محمد بن عبد اللہ المطین الحضرمی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، یوسف بن یعقوب

---

[1] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۵۹، قاص کا لقب صرف احمد بن ابی احمد کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا، بلکہ داستان گو اور قصہ گویوں کی ایک جماعت تھی جس میں ہر دور میں نمایاں افراد نظر آتے ہیں، مثلاً محمد بن کعب ابو حمزہ اور احمد بن قیس القاص کا ذکر ابن اثیر نے خاص طور سے کیا ہے یہ لوگ حضرت زید بن ارقم اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے واقعات خصوصیت سے بیان کرتے تھے، اللباب فی الانساب: ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲۶ [2] طبقات: ابن ہدایہ ص ۱۹، البدایہ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۹ [3] طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۵۹ طبع قدیم۔

قاضی اور عبداللہ بن ناجیہ وغیرہ سے سماعت و روایت کی[۱]، مگر ان کے اصل جوہر علم فقہ میں امام ابن سریج سے کسب فیض کے بعد کھلے، اور انھوں نے ان سے اس درجہ استفادہ کیا کہ صاحب ابن سریج کہلائے۔

ابن القاص طبرستان میں پیدا ہوئے، سنہ پیدائش کا ذکر کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا، اس لیے کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ کب پیدا ہوئے، نشو و نما اور ابتدائی تعلیم اور پھر تدریسی و علمی زندگی کا آغاز طبرستان سے ہی ہوا[۲]۔

طبرستان میں علوم شافعی کی ترویج کا وہ بڑا ذریعہ بنے یہاں تک کہ اپنے دور میں امام طبرستان کہلائے[۳]، لیکن پھر وہ طرطوس[۴] شہر میں آئے اور عہدہ قضا پر فائز ہوئے اور پھر آخر دم تک اسی شہر میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی زندگی بسر کرتے رہے[۵]۔

ویسے تو طبرستان اور طرطوس کے اکثر علماء نے ابن القاص سے استفادہ کیا لیکن ان کے سب سے نامور شاگرد اور راوی امام قاضی علی، یا ابو علی الزجاجی الطبری ہیں، یہ خود صاحب کتاب اور نامور اہل علم و فضل ہیں[۶]، اور ابن القاص کے زمانہ قیام طبرستان سے ہی ان کے شاگرد ہیں۔

ابن القاص کی جلالت علمی کے متعلق اوپر امام سبکی کے الفاظ گذر چکے ہیں ان کے علاوہ دوسرے تذکرہ نگار حضرات بھی ان کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا ہے مثلاً امام نووی فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ممتاز متقدمین اور ہمارے بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں، انه من اصحاب الوجوه المتقدمين ومن كبار ائمة اصحابنا، ابو اسحٰق شیرازی کا قول ہے کہ ابن القاص ہمارے اصحاب

---

۱ ایضاً ۲ طبقات: شیرازی ص ۹۱ و ابن ہدایہ ۱۹ و تاریخ التراث العربی: فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۵ ۳ وفیات ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰ ۴ طرطوس، یہ شام کا ایک ساحلی شہر ہے مرقب و عکا کے (مامون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے معجم البلدان) درمیان واقع ہے، یہاں کے ابو عبداللہ حسین بن محمد بن الحسین المقری الطرطوسی بھی بہت مشہور ہیں، یاقوت حموی ج ۶ ص ۰۰ ۵ طبقات کبریٰ، وفیات، البدایہ والنہایہ، شیرازی و ابن ہدایہ وغیرہ ۶ طبقات الشیرازی ص ۹۱۔

ائمہ میں سے ہیں[۱]. قاضی ابن شہبہ لکھتے ہیں کہ ابن القاص فقہ شافعی کے امام ہیں وہ ابن باطیش کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ ابن القاص کا مثیل ونظیر ان کے زمانہ میں کوئی نہیں تھا، ان کی ساری زندگی علم و زہد، درس وتدریس اور وعظ وتصنیف میں گذری[۲]. تضرع اور خشوع کا یہ عالم تھا کہ وعظ کے دوران خشیت اور رقت طاری ہو جایا کرتی تھی، طرطوس کی ایک مجلس میں خدا کا ذکر کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت، اس کی شان ملکوتیت وسطوت کے ذکر سے ایسی خشیت طاری ہوئی کہ وہیں غش کھا کے گر پڑے اور اسی عالم میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے[۳]، سنہ وفات ۳۳۵ھ ہے گو یہ واقعہ ان کے والد سے بھی منسوب کیا جاتا ہے، مگر اکثر تذکرہ نگار حضرات مثلاً ابن خلکان، ابن اثیر، سبکی وغیرہ نے اس واقعہ کی نسبت ابن القاص کی جانب کی ہے.

ابو اسحٰق شیرازی نے ابن القاص کی شان میں شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے، جس کو ابو عبداللہ الختن اسماعیلی نے دہرایا تھا کہ[۴]

عقم النساء فما یلدن شبیہہ	ان النساء بمثلہ عقم
عورتیں معذور ہیں کہ ان جیسی ہستی کو جنم دیں	اب عورتیں ان جیسا کسی کو جنم بھی نہیں دے سکتیں

لیکن افسوس ہے کہ اس شان کے باوجود ان کے کما حقہ حالات اور کارناموں سے تذکروں کے صفحات خالی ہیں اور ان کے حالات کے جویا کو تشنگی کا واضح احساس ہوتا ہے، ان کی چند کتابوں کا ذکر البتہ ملتا ہے خصوصاً التلخیص کا، یہ اس درجہ اہم کتاب ہے کہ ابن القاص کو محض صاحب التلخیص کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے[۵]، تلخیص کے علاوہ المفتاح[۶]، ادب القاضی یا ادب القضا، کتاب المواقیت

---

[۱] طبقات شیرازی ص ۹۱ [۲] طبقات القاضی ابن شہبہ دمشقی ج ۱ ص ۲۷ [۳] طبقات: سبکی ج ۲ ص ۵۹

[۴] طبقات الفقہا: شیرازی ص ۹۱ [۵] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۵۲ [۶] اس کتاب کو امام نووی کتاب لطیف کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں.

کتاب دلائل القبلہ اور اصول فقہ میں ایک رسالہ، ان کی یادگار ہیں[1]، ان کے علاوہ ایک رسالہ احرام المرأۃ، اور حدیث یا اباعمیر، مافعل النغیر پر ہے[2]۔ ان کی کتابوں کے بارے میں عام طور سے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ یہ کتابیں حجم میں کم لیکن فائدہ میں زیادہ ہیں[3]۔ ان میں سے اکثر میں تاریخی روایات اور عجائبات ارض کی حکایتیں بھی ملتی ہیں[4]۔ کتاب التلخیص کے بارہ میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ ان کی نفیس ترین کتابوں میں ہے، "ومن انفسہا التلخیص" ایسی کتاب اپنے مخصوص اسلوب میں نہ تو پہلے لکھی گئی اور نہ بعد میں[5]۔ اس کتاب میں ہر باب کے تحت منصوص اور تخریج شدہ مسائل کو ذکر کیا ہے، پھر ایسے مسائل کو جمع کیا ہے جن پر احناف، اپنے ہی اصولوں کے برخلاف عمل کرتے ہیں[6]۔ اس کتاب سے علماء نے خاص اعتناء کیا، چنانچہ ابو عبداللہ الختن اور ابو علی سنجی اور امام قفال وغیرہ نے اس کی شرحیں لکھیں[7]۔ تلخیص بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اس کی جامعیت اور اہمیت اس درجہ ہے کہ امام الحرمین نے متعدد جگہ اس کا ذکر کیا، اسی طرح امام غزالی نے مختلف موقعوں پر اس سے استفادہ کیا[8]۔ اب اس رسالہ کا ایک نسخہ ایا صوفیا کے کتب خانہ میں موجود ہے[9]، اور ہماری دسترس سے باہر ہے۔ المفتاح جو التلخیص کے بعد علماء کے لیے لائق اعتناء رہی، معلوم حد تک معدوم ہے، تاہم دلائل القبلہ اور کتاب ادب القاضی، بیروت کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب ادب القاضی میں، حنفی مکتب فقہ کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر کا ذکر ہے[10]۔

اسی طرح حدیث یا اباعمیر مافعل النغیر پر ان کا ایک رسالہ جو ان کے خاص شاگرد ابو علی الزجاجی نے نقل کیا تھا وہ دار الکتب قاہرہ میں فوائد ابی عمیر بن ابی طلحہ زید بن سہل الانصاری

---

[1] کشف الظنون: حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۱۱۴ [2] سبکی، ابن خلکان: نووی شیرازی، ابن اثیر ابن ہدایہ وغیرہ [3] شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی ج ۳ [4] وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰ شذرات الذہب ابن عماد حنبلی ج ۳ [5] شذرات ابن عماد حنبلی ج ۳ [6] تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۵۲ [7] طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۰۶ [8] طبقات کبریٰ سبکی، تہذیب الاسماء نووی والبدایہ والنہایہ ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۹ [9] تاریخ التراث العربی فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۵ [10] ایضاً۔

الصحابی کے نام سے موجود ہے[1]

مگر تعجب کی بات ہے کہ ابن ندیم نے ابن القاص اور ان کی مشہور کتابوں کا ذکر نہیں کیا، البتہ حاجی خلیفہ نے فتاوی ابن القاص کا ذکر کیا ہے، مگر بغیر کسی تفصیل کے[2]

---

[1] تاریخ التراث: فواد ج ۲ ص ۱۸۵ [2] کشف الظنون: حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۱۲۱۹

امام ابو بکر بن الحداد مصری

شیخ الشافعیہ اور مصر میں فقہ شافعی کے لیے باعث زیب و زینت، مجمع علوم، غواص معانی، اپنے عہد کے فقہائے شافعیہ میں فائق تر، صاحب مناظرہ اور قاضی مصر امام ابو بکر بن الحداد کے ذکر کے بغیر فقہائے شافعیہ کا تذکرہ مکمل نہیں کہا سکتا۔

ولادت اور نام و نسب ۲۵ رمضان المبارک ۲۶۴ھ میں مصر میں پیدا ہوئے ✱ پیشہ آبائی آہن گری تھا، الحداد کا جدی نام اسی نسبت سے ہے[1] مشہور ہے کہ جس دن امام مزنی کا انتقال ہوا وہی ان کا یوم ولادت ہے[2]

اساتذہ و شیوخ ابتدائی تعلیم و تربیت اور دوسرے خاندانی حالات مذکور نہیں، البتہ علوم فقہ کی تحصیل مصر میں ابو سعید محمد بن عقیل فریابی، بشر بن نصر غلام عرق اور منصور بن اسمٰعیل الضریر سے کی، ۳۱۰ھ میں بغداد تشریف لائے اور یہاں محمد بن جریر سے خاص طور پر اکتساب فیض کیا، ان کے علاوہ امام صیرفی اور امام اصطخری جیسے ائمہ فن کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے، البتہ امام ابن سریج بغداد میں ان کی آمد سے پہلے دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے، ان سے ملاقات نہ ہونے اور استفادہ سے محروم رہنے کا قلق آخر دم تک رہا، اکثر فرماتے کاش میں انکے دیدار ہی سے مشرف ہوا ہوتا[3]۔

---

[1] وفیات الاعیان؛ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۳۶، مرآۃ الجنان؛ یافعی ج ۲ ص ۳۳۶ [2] طبقات کبری: سبکی ج ۳، ص ۷۹، (طبع جدید) [3] ایضاً۔

✱ پورا نام محمد بن احمد بن محمد بن جعفر ہے ابو بکر اور ابن الحداد کنیت ہے

مصر میں جب امام ابو اسحٰق مروزی اپنے آخر عمر میں تشریف لائے تو علم کی طلب، امام ابن الحداد کو کشاں کشاں ان کی خدمت میں بھی لے گئی۔

ابن خلکان نے عماد الدین بن باطین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن الحداد کا شمار امام مزنی کے اصحاب میں ہوتا ہے، لیکن خود ہی اس روایت کی تردید بھی کر دی کہ یہ سراسر وہم ہے کیونکہ یہ روایت متفق علیہ ہے کہ ابن الحداد کا یوم ولادت امام مزنی کا روز وفات ہے۔

فقہ کے علاوہ علم حدیث میں ان کے شیوخ، محمد بن عقیل فریابی کے علاوہ ابو یزید القرا طیسی، عمر بن مقلاص اور امام نسائی بھی ہیں۔

امام نسائی سے انہوں نے خاص طور پر سماعت حدیث کی، امام دارقطنی کا قول ہے کہ ابن الحداد کثیر الحدیث تھے لیکن انہوں نے امام نسائی کے سوا اور کسی سے روایت نہیں کی، ان کے متعلق وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام نسائی کو حجت و دلیل بنا لیا ہے[1]

علم لغت میں وہ محمد بن ولاد کے تلمیذ تھے، اس طرح حدیث، فقہ اور لغت میں بلند ترین نسبتوں کے جامع ہوئے۔ علاوہ بریں علم القرآن، رجال حدیث کے اسمار و کنی، مغازی، ایام جاہلی، نحو اور شعر و ادب میں بھی ان کو دستگاہ کامل حاصل تھی، بے شمار اشعار ان کے ذہن میں محفوظ اور زبان پر جاری تھے۔ حفظ قرآن مجید کی دولت ان کو پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی اور بقول امام سبکی وہ حفظ قرآن میں لاثانی تھے[2]

علم و فضل | ابن الحداد کی جلالت علمی، ور مقام بلند کے ذکر سے صفحات معمور ہیں، ابن خلکان نے جملہ علوم میں ان کو بے نظیر لکھا ہے[3] انہوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابن الحداد کے

---

[1] طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۸۰ [2] ایضاً [3] وفیات ج ۲ ص ۲۳۶۔

زمانہ میں بعض عجائبات عالم میں ان کی قوت رد و بحث بھی شمار ہوتی تھی۔ امام نووی کے الفاظ میں مصر کی امامت ان پر ختم تھی[1] ابو اسحٰق شیرازی نے لکھا کہ وہ فقیہ دقیقہ رس تھے[2] امام یافعی کی نظر میں وہ صاحب وجہ متفنن فی العلوم اور فقہ میں بحر زخار تھے[3] علامہ اسنوی نے لکھا کہ وہ مصر کے لیے باعث عز و افتخار تھے[4] امام سبکی کا قلم ان کی مدح و تحسین میں بے اختیار سا ہو گیا ہے، لکھتے ہیں کہ "وہ حفظ قرآن میں لاثانی، فقہ میں امام دوراں، لغت میں بحر مواج تھے، مجالس کی وہ روح تھے، بحر معانی میں ان کی غواصی اور فن فروع میں انکے حسن استخراج کے بارے میں تو سب متفق اللسان ہیں کہ اس باب میں وہ فرد فرید تھے، کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔" امام سبکی نے یہ قول بھی داد دیتے ہوئے نقل کیا کہ وہ تفقہ میں شافعی، تفنن میں اصمعی اور زہد و ورع میں تابعیوں کی شان رکھتے تھے، امام سبکی عموماً مدح و ثنا کے الفاظ میں احتیاط سے کام لیتے ہیں مگر ابن الحداد کے ذکر میں مذکورہ خیالات پر وہ اکتفا نہیں کر سکے، ایک نہایت خوبصورت عبارت میں انہوں نے جس طرح شاندار الفاظ و اسلوب میں ان کا ذکر کیا ہے وہ یہاں نقل کرنے کے لائق ہے، لکھتے ہیں:

"صاحب الفروع وصاحب ذیل الفضل الذی ھو علی الرؤس محمول وعلی العیون موضوع ذو الفکرۃ المستقیمۃ والفطرۃ السامیۃ فکرۃ فی محتجبات المعانی ساریۃ وفی سماء المعانی سامیۃ وقریحۃ عجیبۃ الحال ما ادراک ماھیہ، نار حامیۃ امام لا یدرک محلہ وجواد لا یجاریہ الا ظلہ سارت ھولہ اتہ فی المغارب والمشارق وطرق فکرہ الاسماع وما ادراک ما الطارق وناطق قال فکان لہ

---

[1] تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۱۹۲ [2] طبقات شیرازی: ص ۹۳ [3] مرآۃ الجنان: ج ۲ ص ۳۳۶
[4] شذرات الذہب: ج ۲ ص ۳۶۔

من القول بسیطہ و وجیزہ و مصریٰ صح علی نقد الاذہان ابریزہ و وضح حلیہ فنعوذ من شر الوسواس الخناس واصطفت الامۃ معہ فقال لسان الحق: مروا ابابکر فلیصل بالناس۔"

قرآنی اسلوب میں امام ابن الحداد کے علم و فضل، فکر مستقیم، نظرت بلند، دقیقہ سنجی، جودت طبع اور جود و سخا اور عوام و خواص میں مرجعیت وغیرہ کا یہ انداز امام سبکی کے قلم سے غیر معمولی ہے۔

عبادت و ریاضت و تقویٰ | علم کی نعمت بے پایاں کے علاوہ وہ عمل کی دولت اور توفیق سے بھی بہرہ مند تھے، متعدد تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر العبادہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، آخر عمر تک وہ صوم داؤدی کے عامل تھے، اپنے دوسرے علمی اشغال کے باوجود ہر شب و روز میں قرآن مجید ایک بار ختم کر لیتے تھے، ابن ہدایہ اور خود سبکی نے بھی یہ لکھا ہے کہ جمعہ کے دن وہ نماز سے پہلے دو رکعتوں میں ایک اور قرآن پڑھ لیتے تھے، تلاوت قرآن مجید کا یہ شوق ان کو امام شافعی کی سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہوا، ایک بار انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا کہ امام ربیع نے امام شافعی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ تراویح کے علاوہ رمضان المبارک میں ۶۰ ختم کرتے تھے، میں نے بھی اس روایت کی تقلید کی مگر میں ۵۹ سے زیادہ ختم نہ کر سکا[1] اس حسن عبادت کا ثمرہ تھا کہ ان کے علم و فضل پر انگشت نمائی نہ کی جا سکی اور ان کی زبان، طاقت اور جذبات کی ثقاہت پر سب کو اعتماد رہا خصوصاً انکی پاکیزگی اور پاکبازی پر تو اتفاق کامل ہے، مجموعا علی صیانتہ وطہارتہ[2]

عہدہ قضا | علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کے ان محاسن عالیہ نے ان کی شخصیت کو اور پرکشش بنا دیا تھا وہ خلوت میں بھی ہوتے تو ان کے ارد گرد شیدائیان علم کا حلقہ بن جاتا

---

[1] طبقات سبکی و طبقات ابن ہدایہ ص ۲۱ [2] ایضاً۔

امراء و سلاطین بھی ان سے متاثر تھے، بقول امام سبکی وله کلمة نافذة عند الملوك،
ابن خلکان نے بھی لکھا کہ بادشاہ اور عوام اکثر معاملات میں ان سے فتویٰ لیا کرتے تھے[1]
اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ابو عبید القاضی سے معاملات قضا کی تربیت حاصل
کی تھی اور خود علم القضاء میں کامل الفن ہو گئے تھے۔ چنانچہ والی مصر محمد بن طغج الاخشید
نے ان کو ۳۲۴ھ میں مصر کا عہدۂ قضا پیش کیا، یہ تقرری چند مہینوں کی رہی، اس کے
بعد ۳۳۳ھ میں وہ پھر قاضی مقرر ہوئے لیکن قریب نو مہینوں کے بعد وہ پھر اس سے
سبکدوش ہو گئے[2]۔ وہ مصر کے مشہور قاضی ابن ابی زرعہ کے نائب کی حیثیت سے
ان کے آخر عمر میں بھی فریضہ قضا انجام دیتے رہے، ابن ابی زرعہ ان کا ادب و احترام
اس درجہ کرتے کہ کبھی کسی معاملہ میں ان سے اختلاف نہیں کیا[3]

خوش لباسی | ان کے سوانح میں ان کا یہ وصف خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ
وہ لباس نہایت نفیس وعمدہ زیب تن فرماتے، سواری بھی قیمتی اور شاندار رکھتے تھے[4]۔

تلامذہ | ان کے حالات سے ظاہر ہے کہ ان سے اکتساب فیض کرنے والے بے شمار ہیں،
ان کے مشغلہ تدریس کا ذکر بھی کیا گیا ہے[5] لیکن ان کے اہم تلامذہ کے نام کسی تذکرہ نگار
نے نہیں لکھے، ایک جگہ ایک روایت کی سماعت کے ضمن میں ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد
المعدل النسوی کا نام ملتا ہے۔ اس عدم ذکر کی وجہ تلامذہ و فیض یافتگان کی غیر معمولی
کثرت عین قرین قیاس ہے۔

تصنیفات | ان کی مشہور ترین تصنیفات میں کتاب الفروع ہے، امام سبکی نے ان کا تذکرہ

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۳۵ [2] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۴۹۱ [3] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۸۲
[4] ایضاً وشذرات الذہب: ج ۲ ص ۳۶۸ [5] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۳۳۶۔

صاحب الفروع کے نام سے شروع کیا، کتاب الفروع کا مکمل نام کتاب الفروع المولدات المختصر ہے، ابن خلکان نے اسکا کتاب الفروع فی المذہب کے نام سے ذکر کیا ہے، یہ حجم میں مختصر تھی لیکن اسے متفقہ طور پر کثیر الفائدہ لکھا گیا ہے، صاحب البدایہ والنہایہ نے اسے غریب الشکل سے تعبیر کیا ہے[1] بقول ابن خلکان فن فروع فقہ کی اس نادر کتاب میں ابن الحداد نے نہایت دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ اس کی اہمیت کے پیش نظر کبار فقہائے شافعیہ نے اس کی شرحیں لکھیں، ان میں امام قفال، شیخ ابو علی سنجی، قاضی ابو الطیب طبری اور قاضی حسین مروزی جیسے ائمہ بھی شامل ہیں، امام قفال مروزی کی شرح درمیانی حجم کی ہے لیکن قاضی ابو الطیب طبری نے اس کی ضخیم شرح کی ہے، شیخ ابو علی سنجی کی مکمل شرح کو ابن خلکان نے احسن الشرح قرار دیا ہے، امام یافعی کا بھی یہی خیال ہے[2] علم فقہ میں ان کی ایک اور اہم تصنیف کتاب الباہر کے نام سے ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سو اجزاء میں تھی[3] ادب القضاء بھی ان کی مشہور کتاب ہے، یہ چالیس حصوں میں تھی، ابن العماد نے اس کو ادب القاضی لکھا ہے[4] افسوس علم و حکمت کے یہ نادر موتی گردش روزگار کی تہوں میں مستور ہیں، ہم صرف اب ان کے نام سے ہی واقف ہیں۔

وفات فقہ شافعی کا یہ شمس بازغہ ۳۴۴ھ میں حج بیت اللہ سے واپس ہوتے ہوئے مصر کے قریب جمیزہ کے مقام پر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، یہ محرم الحرام کی ۲۶ تاریخ اور سہ شنبہ کا دن تھا، امام سبکی نے ۳۴۵ھ لکھا ہے، قریب ۸۰ سال کی عمر پائی، چہارشنبہ کو نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ میں والی مصر ابو القاسم الاخشید کے علاوہ ابو المسک کافور اور دوسرے اعیان مملکت بھی موجود تھے، سفح مقطم میں والدہ کی قبر کے پاس سپرد خاک کیے گئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۲۹، ۲۳۰ [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۳۵ [3] طبقات ہدایہ ص ۲۱ و طبقات ابن قاضی [illegible] ج ۱ ص ۱۰۴ [4] شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۶۷۔

امام ابو احمد ابن القاضی خوارزمی

امام ابو احمد خوارزمی کی حیثیت، فقہائے شافعیہ میں اپنے علم و فضل کے علاوہ اس لئے بھی نمایاں ہے کہ وہ امام ماوردی اور امام ابو القاسم فورانی جیسے جلیل القدر ائمہ کے استاذ ہیں۔

نام ولسب | محمد بن سعید بن محمد بن عبد اللہ بن ابی القاضی، یہ سلسلۂ نسب ہے، ابو احمد کنیت ہے اور ابن القاضی کی عرفیت سے مشہور ہیں، خوارزمی، وطن کی نسبت ہے۔

خوارزم[1] میں ان کا خانوادہ یعنی خاندان ابی القاضی اپنی عزت و شرافت کی وجہ سے بہت ممتاز تھا! ... نی نجابت، علم اور خیر کے اوصاف کی بنا پر اسے حد درجہ نیک نامی حاصل تھی۔ تاریخ خوارزم کے مصنف نے لکھا ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ کے سلسلۂ زریں کو الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہم اسی طرح محمد بن سعید بن محمد بن عبد اللہ کے متعلق العالم بن العالم بن العالم بن العالم لکھ سکتے ہیں کہ یہ سب علماء اور متقی تھے۔[2]

---

[1] خوارِزم یا خوی، یہ شہر روسی ترکستان میں دریائے جیحوں کے زیریں حصے کے کنارے واقع ہے، (المنجد ج ۲ ص ۲۷۴) یہ پرانا تاریخی شہر ہے، اس کی قدامت کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کے چار صاحبزادے خزر، بزر، البرسل اور خوارزم نامی تھے، یہ شہر آخر الذکر صاحبزادے کے نام پر ہے، اموی دور حکومت میں قتیبہ بن مسلم باہلی نے اس کو فتح کیا۔

یاقوت حموی نے ۶۱۶ھ میں اس شہر کو دیکھا تو کہا کہ "اس سے زیادہ آباد اور پُر رونق شہر اور کوئی نہیں، سرسبز درختوں سے یہ شہر ڈھکا ہوا ہے، خصوصاً شہتوت کے درختوں سے، خوارزم جس قدر وسیع ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایسے علمی خاندان میں ان کی نشو ونما ہوئی، شہر میں بھی ہر طرف علم کے سرچشمے رواں دواں تھے، بقول یاقوت حموی، اس شہر کی خاک سے اتنے علماء و فضلا اٹھے کر ان کا شمار دشوار ہے[۱] اس علمی فضا میں وہ پروان چڑھے، مزید تعلیم کے لیے وہ عراق گئے اور امام ابو اسحٰق مروزی جیسے یگانہ روزگار سے فقہ میں اکتساب فیض کیا[۲] ان کے علاوہ امام صیرفی سے بھی فقہ کا علم حاصل کیا[۳]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۶) ہے، وہاں کے رہنے والوں کے دل اس سے زیادہ کشادہ ہیں۔"

ابو ریحان بیرونی نے تاریخ خوارزم لکھی، شعرا نے اس شہر کی شان میں اشعار کہے، محمد بن نصر دمشقی کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

خوارزم عندی خیر البلاد　　فلا اقلعت سحبها المغدقه
وطوبی لوجه امری صبحت　　به اوجه فتیهٔ انها المشرقه

اور ابو المؤید موفق بن احمد المکی ثم خوارزمی نے .... یہ اشعار کہے:

ابکاک لما ان بکی فی ربا نجد　　سحاب ضحوک البرق منتحب الرعد
لہ قطرات کاللآلی فی الثری　　ولی عبرات کالعقیق علی حدی
تلفت منها نحو خوارزم والہا　　حزیناً ولکن این خوارزم من نجد

اس شہر کے باشندوں کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ اس شہر پاکیزہ کے باشندے عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار اور صاحب ثروت اور کشادہ دست ہیں، جب ۶۱۸ھ میں تاریوں نے ان پر حملہ کر کے اس کو تباہ و برباد کر دیا تو یاقوت حموی نے نوحہ کرتے ہوئے لکھا کہ "میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں خوارزم جیسا کوئی شہر ہوگا جس میں خیر و برکت اور جس کے باشندوں میں دین و شریعت سے اس قدر وابستگی ہوگی انا للہ وانا الیہ راجعون"

معجم البلدان ج ۳ ص ۴۸۴، ذکر خوارزم۔ [۲] ایضاً۔

[۱] طبقات شہبہ و طبقات کبریٰ [۲] طبقات کبریٰ

ان دو حضرات کے علاوہ ان کے ہم عصر علمار سے بھی فیض حاصل کرنے کے بعد وہ وطن خوارزم واپس تشریف لائے اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔[1] ساتھ ہی وہ وعظ و نصیحت کا فریضہ بھی انجام دیتے، نہایت رقیق القلب تھے جب وعظ کرتے تو رو رو کر دوسروں کو رلاتے تھے۔[2]

جلالتِ علمی | امام سبکی اور ابن شہبہ دونوں نے ان کو امام کبیر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔[3] امام سبکی نے صاحب الکافی مورخ تاریخ خوارزم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو احمد، خوارزم کے لیے باعثِ فخر تھے، ان کے کسی ہم عصر کو ان پر تقدم حاصل نہیں تھا اور آل ابی قاضی میں وہ سب سے افضل، سب سے اکرم اور سب سے بڑے فقیہہ تھے، وہ دین اور دینی علوم دونوں میں ممتاز تھے، علمائے سلف کے افکار پر ان کی گہری نظر تھی، ائمہ فقہا کے اصول و فروع سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے[4] صاحب الکافی کے الفاظ میں وہ فقیہہ خالص تھے، کیوں کہ حدیث میں ان کی کسی روایت کا ذکر نہیں ملتا۔

سخاوت | کشادہ دست تھے، ابوسعید کرابیسی کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے صدقہ و خیرات کرتے اور نہایت خاموشی کے ساتھ یہ کام کرتے تھے

ان کے ایک رفیق نے کہا کہ وہ ان کو رقم دے کر کہتے کہ وادی میں جا کر ایک طرف کھڑے ہو جایئے اور پھر یہ رقم ان غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیجئے جو اپنے کندھوں پر لکڑیاں اٹھاتے ہیں اور خاندان کی کفالت کا بار برداشت کرتے ہیں۔[5]

علمی ورثہ | ان کے سرچشمہ علم سے سیراب ہونے والے کثرت سے ہوں گے مگر ان کے شاگردوں میں سب سے نمایاں نام امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی اور امام ابوالقاسم

---

[1] طبقات کبری [2] ایضاً [3] طبقات شہبہ و سبکی [4] طبقات کبری [5] طبقات کبری بحوالہ سابق

عبدالرحمٰن بن محمد فورانی کے ہیں[۱]۔ یہ دونوں حضرات اپنے عہد کے نابغۂ روزگار اہل علم و فضل ہیں

ان دونوں شاگردوں کے علاوہ ان کی علمی میراث میں فقہ کی دو قدیم ترین کتابیں یعنی کتاب الحاوی اور کتاب العمد ہیں۔

انہوں نے ۳۴۲ھ میں حج کیا، واپس ہوتے تو بغداد میں قیام کیا، یہاں وہ اپنے علم واخلاق کی وجہ سے مرجع خلائق ہوئے اور اسی عرصہ قیام میں انہوں نے کتاب العمد تصنیف کی۔

کتاب الحاوی، فروع فقہ میں ہے اور اس کی بنیاد امام مزنی کی جامع الکبیر ہے۔

اصول فقہ میں انہوں نے کتاب الہدایہ لکھی، جو اپنے موضوع پر ایک عمدہ اور نافع تصنیف ہے۔ علمار خوارزم اس کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے اور استفادہ کرتے تھے۔

ایک اور کتاب الرد علی المخالفین کے نام سے بھی ہے[۲]۔

لیکن تعجب ہے کہ ان کتابوں کے ذکر سے ہم کشف الظنون کے صفحات کو خالی پاتے ہیں، تلاش بسیار کے باوجود ہم علامہ چلپی کی کسی تعارفی تحریر سے واقف نہ ہو سکے۔

وفات | حج سے واپسی کے بعد جب بغداد میں قیام کیا اور کتاب العمد تصنیف کی تو وہاں کے لوگوں کا اصرار ہوا اب بغداد ہی میں قیام کریں، لیکن انہوں نے انکار کیا اور خوارزم واپس تشریف لائے اور چند برسوں کے بعد انتقال کیا۔

جمعہ کے دن وفات پائی اور سنیچر کو تدفین ہوئی، ان کے دونوں تذکرہ نویس امام سبکی اور قاضی ابن شہبہ نے قطعیت کے ساتھ سال وفات نہیں لکھا، تاہم ۳۵۰ھ سے پہلے اور ۳۴۲ھ کے بعد غالباً ۳۴۸ھ یا ۳۴۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

---

[۱] طبقات کبری و شہبہ بحوالہ سابق [۲] ایضاً

لوگوں نے ان کے سانحہ ارتحال پر کثرت سے مرثیے اور نوحے لکھے۔ احمد بن محمد بن ابراہیم بن قطن نے ان کا ایک طویل مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

لیبک دما من کان للدین باکیا | فان امام الناس اصبح ثاویا
فقدنا بفقدان الفقیہ محمد | مکارم غادرون العیون ھوامیا
تشب اباکراما کانھم | مصابیح تجلوا المظلمات الدواجیا
سعیدا وعبداللہ والشیخ ذاالنھی | محمد البر العفیف الموالیا
دعائم ھذا الدین عاشوا اعزۃ | وماتوا کراماً لم یحوزوا المساویا

پس ماندگان میں ایک صاحبزادے ابوبکر عبداللہ کا ذکر آتا ہے جو صالحیت، فضیلت علم اور زہد و تقویٰ میں اپنے قابل فخر آباء و اجداد ہی کے درجہ کے تھے۔

امام قفّال کبیر شاشی

فقہ شافعی کے آسمان کے روشن ترین ستاروں میں سے ایک امام قفال کبیر شاشی ہیں، جن کا ذکر تذکرہ نگاروں نے بڑی آب و تاب کے ساتھ کیا ہے، مثلاً ابن خلکان کی عادت ہے کہ جب وہ اعیان علماء و فضلاء کا ذکر کرتے ہیں تو عنوان میں محض نام کنیت اور نسبت یا لقب کی سرخی دیتے ہیں مگر جب انہوں نے امام قفال کبیر کا ذکر کیا تو اس عنوان کے ساتھ سرخی قائم کی۔

"القفال ★ (ابو بکر محمد بن علی بن اسمٰعیل القفال الشاشی الفقیہ الشافعی امام عصرہ بلا مدافعۃ) [۱]

اسی طرح امام سبکی نے .... مقفی و مسجع جملوں سے ان کا تعارف، نہایت دلکش انداز سے پیش کیا ہے مثلاً

الامام الجلیل احد ائمۃ الدھر، ذو الباع الواسع فی العلوم، والید الباسطۃ، والجلالۃ التامۃ، والعظمۃ الوافرۃ، افصح الاصحاب قلماً، اسرعھم بیاناً، اثبتھم جناناً، اعلاھم اسناداً، ارفعھم عماداً [۲]

نام و نسب پیدائش | امام قفال کبیر ۲۹۱ھ ۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے ان کا پورا نام و نسب اس طرح ہے، محمد بن علی بن اسماعیل، ابوبکر کنیت ہے، قفال اور شاشی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے، قفال کبیر اس لیے کہا گیا کہ فقہ شافعی کے ایک دوسرے اہم فقیہ امام قفال مروزی ہیں جو امام شاشی کے بعد ہوئے، اس لیے فرق کی خاطر امام قفال شاشی کو امام قفال کبیر بھی کہا جانے لگا، قفال کی نسبت پیشہ کے لحاظ سے ہے چونکہ وہ قفل ساز تھے اس لیے

---

[۱] وفیات ج ۲ ص ۲۳۶ [۲] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۰۔

قفال کہلائے[1]۔ شاشی، نسبت وطنی ہے، شاش[2] میں فقہ شافعی کی ترویج، انہی کی رہین منت ہے، اگرچہ ان سے پہلے اسی شہر میں ایک دوسرے نامور شافعی فقیہہ ابوالحسن علی بن الحاجب بھی ہوئے، جنہوں نے خراسان، عراق، حجاز، جزیرۃ اور شام وغیرہ جاکر علوم کی تحصیل کی اور امام شافعی کے شاگرد یونس بن عبدالاعلیٰ سے فقہ کے علوم حاصل کیے تاہم اس علاقہ میں فقہ شافعی کی ترویج امام قفال کے ذریعہ ہی ہوئی[3]۔

---

[1] کتاب الانساب: سمعانی ج ۲ ص ۵۰۴

[2] شاش، ماوراء النہر (یعنی دریائے امو دریا جیحون روسی ترکستان) سے لیکر وسطِ ایشیا کے علاقے میں سمرقند کے شمال مشرق میں واقع ایک بستی ہے (المنجد ج ۲ ص ۲۸۱) شاش کے باشندے ترک ہیں کبھی علماء و فضلاء سے یہ شہر معمور تھا اور نہایت خوبصورت، سبز پوش مقام تھا، کہا جاتا تھا کہ ماوراء النہر میں اس سے زیادہ نزہت آفریں جگہ اور کہیں نہیں، یہ شہر اس لیے بھی ممتاز حیثیت رکھتا تھا کہ گو چہ ماوراء النہر کے مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر عمل پیرا تھی لیکن اس شہر کے باشندے عام طور پر مسلک شافعی کے پابند تھے اسی شاش کے متعلق ابوالربیع بلخی نے یہ اشعار کہے تھے۔

الشاش بالصیف جنّبہ　　ومن اذی البرد جنبہ

لکنی یعتریني　　بہا الذی البرد جنبہ

یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس شہر کو خوارزم شاہ محمد بن تکش نے تاخت و تاراج کر دیا، یہاں کے باشندے جلاوطن کر دیئے گئے اور عمارتیں، درخت، چشمے اور چمن وغیرہ ویران ہو کر رہ گئے اور اسے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو سکے۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۱۳-۲۱۲۔ شاش کے علماء میں عبداللہ بن غرابہ شاشی بھی بہت مشہور ہیں جنہوں نے علی بن حجر اور امام احمد بن حنبل سے حدیث کی سماعت کی۔ ان کے علاوہ ابوموسیٰ بن ہارون شاشی اور ابوعلی الحسن ابومحمد جعفر بن شعیب وغیرہ بھی اہل شاش کے نامور علماء میں سے ہیں۔ الانساب ج ۲ ص ۳۲۵

ابتدائی حالات تعلیم و اساتذہ ان کے ابتدائی حالات، خاندان اور والدین کے ذکر سے ہم محروم ہیں، البتہ ان کے اساتذہ و شیوخ میں امام ابن خزیمہ، ابن جریر، عبداللہ المدائنی، محمد بن باغندی، ابو القاسم بغوی اور ابو عروبہ (۳۱۸ھ) جیسے ائمہ فن ہیں، شام میں ابو الجہم اور ان کے ساتھیوں سے درس لیا، ان کے علاوہ کوفہ کے علماء سے بھی اکتساب علم کیا۔[1] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علم کی طلب اور تلاش میں انہوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، چنانچہ ان کے تمام تذکرہ نگاروں نے ان کی اس خوبی کا ذکر، اہمیت کے ساتھ کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا کہ ان سفروں کی وجہ سے ان کی علمی شہرت پورے عالم اسلام میں عام ہوئی۔[2] ان کے شیوخ میں امام ابن سریج کا بھی نام آتا ہے، امام ابو اسحق شیرازی اور سمعانی وغیرہ نے صراحت کے ساتھ لکھا کہ انہوں نے امام ابن سریج سے علوم فقہ حاصل کیے۔[3] لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امام ابن سریج سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ امام ابن سریج کی وفات کے وقت امام قفال شاشی کی عمر صرف سات برس کی تھی۔[4] ابن شہبہ نے ابن الصلاح کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ امام قفال جب بغداد تشریف لائے تو اس وقت امام ابن سریج کا انتقال ہو چکا تھا چنانچہ بغداد میں امام ابن سریج کے ایک شاگرد ابو اللیث شاسوی سے انہوں نے فقہ شافعی کو حاصل کیا۔[5]

روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام اشعری سے علم کلام کی تحصیل کے لئے رشتہ تلمذ قائم کیا، امام سبکی لکھتے ہیں کہ انہوں نے کبر سنی میں امام اشعری سے علوم کلام سیکھے۔ لیکن ہمارے نزدیک امام قفال اس وقت کبیر السن نہیں تھے، کیوں کہ جس وقت امام اشعری کا انتقال ہوا ہے اس وقت امام قفال کی عمر صرف تیس برس کی تھی۔

---

[1] طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۰-۱۲۹ [2] وفیات: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۳۶ [3] طبقات شیرازی، ص ۹۱، سمعانی ج ۲ ص ۵۰ [4] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۱ [5] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۰ - ۱۲۹

جلالت علمی | اساتذہ وشیوخ کے ناموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام قفال کا ذوق، معیار اور انتخاب کس درجہ بلند تھا، چنانچہ اسی کا ثمرہ تھا کہ بعد میں امام قفال علم و فقہ کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر روشن ہوئے۔ اوپر ہم نے ان کی شان میں چند جملے نقل کیے ہیں، ان کے علاوہ امام سبکی نے نہایت شاندار اور پرشوکت الفاظ میں ان کی جلالتِ علمی کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ امام قفال تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فروع، زہد و ورع اور لغت و شعر میں یکساں طور پر درجہ امامت پر فائز تھے، وہ یکتائے زمانہ میں سے ایک تھے۔[1]

امام عبادی کا قول ہے کہ نقبائے شافعیہ میں ان کی تحریر سب سے زیادہ فصیح ہے، علوم شریعت میں وہ سب سے زیادہ دقیقہ سنج ہیں۔

امام قفال کے ایک شاگرد حلیمی نے کہا کہ اپنے زمانہ میں، میں جن لوگوں سے ملا، ان میں امام قفال سب سے بڑے عالم تھے۔[2]

امام ابواسحٰق شیرازی نے لکھا کہ بے نظیر تصانیف کے وہ مصنف تھے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کو فروغ حاصل ہوا۔[3]

ابن خلکان نے ان کو امام العلوم لکھتے ہوئے کہا کہ کم ازکم ماوراء النہر کے شافعیوں میں ان کا ثانی نہیں تھا۔[4]

امام ذہبی نے ان کو شیخ الشافعیہ کے لقب سے یاد کیا، انہوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ محدث فقیہ اور اصول فقہ کے عالم تو تھے ہی، ان کے اشعار بھی بہت خوب ہیں۔[5]

امام نووی نے ان کو امام زمانہ لکھا اور خاص طور سے اصول فقہ میں ان کے تبحر کا

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۰ [2] طبقات مصنف ص ۲۷ [3] طبقات شیرازی، ص ۹۱ [4] وفیات ج ۲ ص ۲۳۶ [5] شذرات الذہب ج ۳ ص ۵۱۔

ذکر کیا[1] امام نووی نے تفسیر حدیث اصول فقہ اور کلام کے مباحث میں بار بار امام قفال شاشی کا حوالہ دیا ہے جب کہ فقہیات میں وہ امام قفال مروزی کے اقوال کی تکرار کرتے ہیں ابن الصلاح نے ان کی شخصیت کو مجمع علوم سے تعبیر کیا[2]۔

صاحب شمشیر | امام قفال کی حیات اس لیے اور بھی تابدار نظر آتی ہے کہ قلم کے ساتھ ساتھ انہوں نے شمشیر و سناں سے بھی کام لیا، حلیمی نے اسی لیے ان کو ناصر الدین بالسیف والقلم کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان سرحدی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ۳۳۹ھ میں سیف الدولہ ابن حمدان سے رومیوں کی سخت جنگ ہوئی تھی، مسلمانوں کی فوج میں دوسرے لوگوں کے ساتھ خراسان اور ماوراء النہر کے مسلمان بھی شامل تھے جن کے قائد امام قفال شاشی تھے، جنگ کے دوران بادشاہ روم تقفور کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف ایک منظوم رزم نامہ آیا جس میں مسلمانوں پر الزام، بہتان، دشنام اور الزام تراشیاں کی گئی تھیں، ساتھ ہی دھمکیاں دی گئی تھیں، مسلمانوں کے لشکر میں اگرچہ خراسان، شام، مدائن اور عراق وغیرہ کے ایسے اشخاص موجود تھے جن کا شمار ادیبوں، شاعروں اور اہل زبان میں ہوتا تھا۔ تاہم جواب دینے کی سعادت اور شرف امام قفال کو حاصل ہوا۔

تقفور کے رجزیہ کے بعض اشعار یہ ہیں

من الملك الطهر المسيحي رسالة | الى قائم بالملك من آل هاشم
اما سمعت اذناك ما انا صانع | بلى نعداك العجز عن فعل حازم
نعم وفتحنا كل حصن ممنع | فسكانه نهب النسور القشاعم

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۸۳-۲۸۲ [2] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۰۰۔

سبینا وسقنا خامنعات حواسوا — بغیر مهور لا و لا حکم حاکم
وکم وقعۃ فی الدارب ذاقت کماتکم — فسقناکم سوقا کسوق البھائم
ومصر سافتحھا بسیفی عنوۃ — واحرزاموالا بھا فی غنائم
فان تھربوا تنجو کراما اعفۃ — من الملک المزری بترک المسالم
فعود دوا الی ارض الحجاز اذلۃ — وخلوا بلاد الرّوم اھل المکارم
سافتح ارض الشرق طرا ومغربا — وانشودین الصلب نشو العمائم

اس رجز نامہ کے تقریباً انچاس اشعار امام سبکی نے نقل کیے ہیں، اور اس کے جواب میں امام قفال کے تقریباً ستر اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں، بعض اشعار اس طرح ہیں

اتانی مقال لامری غیر عالم — بطرق مجاری القول عند التخاصم
تسمی بطھر وھوا نجس مشرک — مدنسۃ اثوابہ بالمراسم
تنبت ھداک اللہ ان کنت طالبا — لحق فلیس الخبط فعل المقاسم
ولا تتکبر بالذی انت لم تنل — کلابس ثوب الزور وسط المقاوم
تری نحن لم نوقع بکم وبلاد کم — وقائع یثنی ذکرھا فی المواسم
وعظمت من اسر النساء وعندنا — لکم الف الف من اماء وخادم
ولکن کرمنا اذ ظفرنا وانتم — ظفرتم فکنتم قدوۃ للائم
فمن مبلغ نقفور عنی مقالتی — جوابا لما ابداہ من نظم ناظم
لقد اسلمت بالشرق ھند وسندھا — وصین واتراک الرجال الاعاظم
اتتک خراسان تجرخیولھا — مسومہ مثل الجراد السوائم
غزاۃ شروا ارواحھم من الاجھم — بجناتہ واللہ اوفی مساوم

تعالوا نحاكمكم يحكم بيننا — الى السيف ان السيف اعدل حاكم

ونرجو بفضل الله نحنا معجلا — ننال بقسطنطين ذات المحارم

وان تسلموا فالسلم فيه سلامة — واهنا عيش للفتى عيش سالم

امام قفال کا جواب جب قسطنطنیہ پہونچا تو وہاں کے مسیحی علمار نے تعجب سے پوچھا کہ یہ اشعار کس شخص کے ہیں، بعض نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔[1]

امام قفال کے شمشیر وسناں کے شور و شغب میں اس قدر طویل رزم نامہ سے ان کی حمیت اور جرأت کے علاوہ ان کی قادر الکلامی اور برجستہ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ امام نووی نے بھی ان کے کچھ دوسرے اشعار نقل کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

اوسع رحلی علیٰ من نزل[2] — وزادی مباح علیٰ من اکل

نقدم حاضر ما عندنا — وان لم یکن غیر خبز وخل

فاما الکریم فیرضی بہ — واما اللئیم فمن لم ابل

مسلک اعتزال کا شبہ امام قفال شاشی سے ایسے کئی مسائل اور اقوال منسوب تھے جن کے بارہ میں علمار کا خیال تھا کہ یہ معتزلہ کے اصولوں پر مبنی ہیں، چنانچہ علمار میں جب بھی اس بات پر بحث و مباحثہ کا دور چلتا تو نتیجہ کے طور پر امام قفال کا معتزلی ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا۔ ایک بار ابو سہل الصعلوکی سے امام قفال کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک رخ سے تو وہ پاک صاف ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو پاکیزہ نہیں ہے۔ ان کے اس قول کی وضاحت میں کہا گیا کہ معتزلہ

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۵ [2] تہذیب الاسمار ج ۲ ص ۲۸۳، امام سبکی نے بھی انہی اشعار کو نقل کیا ہے مگر دوسرے شعر میں بجائے غیر خبز کے غیر بقل کا لفظ ہے۔

کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے ہی یہ دوسرا پہلو بدنما ہے۔[1] امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام قفال کے اس میلان کی وجہ سے ان کے ذہن میں تشویش تھی مگر جب حافظ ابو القاسم ابن عساکر کا یہ قول ان کے سامنے آیا کہ امام قفال اولاً اعتدال سے ہٹ کر اعتزال کی طرف مائل تھے لیکن پھر انہوں نے اشاعرہ کے مسلک کی جانب رجوع کر لیا تو پھر امام سبکی کی یہ تشویش دور ہو گئی۔[2]

بعض مسائل میں دیگر فقہائے شافعیہ حتیٰ کہ امام ابن سریج کے مسلک میں معتزلہ کا رنگ پایا جاتا ہے، لیکن ان کو اس لیے معذور قرار دیا گیا کہ علم کلام میں ان کو کامل دسترس حاصل نہیں تھی، لیکن امام قفال شاشی تو علم کلام میں درجہ امامت رکھتے تھے اس لیے ان کو معذور قرار نہیں دیا جا سکتا اسی لیے جب عساکر کے بیان کے مطابق امام قفال کا رجوع ثابت ہو گیا تو پھر علمائے شافعیہ کی ایک بڑی خلش دور ہو گئی۔

تلامذہ | امام قفال کے شاگردوں اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابو عبداللہ نیشاپوری، عبدالرحمٰن سلمی، ابو عبداللہ حلیمی، ابن مندہ اور ابو نصر عمر بن قتادہ وغیرہ ہیں۔ ان میں ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نہایت نامور اور صاحب مستدرک ہوئے۔ ان کی تصانیف کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار اجزاء میں تھیں

امام اشعری سے امام قفال نے علم کلام کا درس لیا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق امام اشعری نے ان سے علوم فقہیہ بھی حاصل کیے اس سے امام قفال کے علوئے مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے کہ گو وہ عمر میں بہت چھوٹے تھے تاہم امام اشعری جیسے یگانۂ روزگار ان سے علم حاصل کرنے میں پس و پیش

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۱ [2] ایضاً

نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ قاضی شہبہ نے اس روایت کی صحت میں شک کا اظہار کیا ہے اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہی ہے کہ امام اشعری ایک ۲۵۔۲۶ سال کے نوجوان سے فقہ کا علم کیسے حاصل کر سکتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ اسی قسم کی روایت امام ابو اسحٰق مروزی کے بارہ میں مشہور ہے اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے[1]۔ لیکن ہمارے نزدیک امام قفال کے متعلق بھی یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے کہ علم کے حصول میں عمروں کا تفاوت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

صاحبزادے | امام قفال سے روایت کرنے والوں میں ان کے ایک صاحبزادے القاسم کا نام بھی شامل ہے، امام غزالی نے کتاب الرہن میں ان کا ذکر کیا لیکن بجائے القاسم کے انہوں نے ابو القاسم لکھا ہے[2]۔ ان کی ایک کتاب، کتاب التقریب اہل علم میں متداول تھی[3]، العجلی نے لکھا ہے کہ اصلاً یہ کتاب امام قفال کی ہی ہے لیکن ابن خلکان نے لکھا کہ انہوں نے ۶۶۵ھ میں دمشق کے مدرسہ عادلیہ کے کتب خانہ میں کتاب التقریب کی جلدیں دیکھی ہیں جو شاید دس حصوں میں تھیں، ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ابو الحسن القاسم بن ابی بکر القفال الشاشی کی تصنیف ہے[5]۔

تصنیفات | امام قفال کی تصنیفات کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ وہ خوب ہیں اور بے مثل و بے نظیر ہیں[6]۔ امام نووی نے لکھا کہ ان کی کتابوں کا شمار، دقیع ترین کتابوں میں ہوتا ہے[7]۔

فقہ کے علوم میں ایک شاخ علم الجدل کی بھی ہے، اس علم میں اولین باضابطہ کتاب، امام قفال ہی نے لکھی[8]۔ امام شافعی کے الرسالہ کی انہوں نے شرح بھی لکھی، علامہ چلپی نے

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۰ [2] ایضاً [3] وفیات ج ۲ ص ۲۳۶ [4] شذرات الذہب ج ۳ ص ۵۱
[5] وفیات ج ۲ ص ۲۳۶ [6] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۸۹ [7] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۸۳ [8] ایضاً ص ۵۵۵

امام صیرفی، امام ابولید حسان بن محمد نیشاپوری، امام ابوبکر محمد جوزقی شیبانی کی نمایاں ترین شرحوں کے ساتھ ان کی شرح کا ذکر کیا ہے[1]۔ انہوں نے ان کی ایک کتاب ادب القاضی کا بھی نام لیا ہے[2]۔ کشف الظنون میں ایک اور کتاب محاسن الشریعہ فی فروع الشافعیہ کا ذکر آتا ہے، یہ کتاب نادر مسائل پر مشتمل تھی، بقول علامہ چلپی بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں، اس کا ایک نسخہ قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ میں موجود تھا، یہ تین جلدوں میں تھی، پہلی جلد کا آغاز اس طرح ہوا تھا:

الحمد للہ الغنی الحمید، ذی العرش المجید ذکر فیھا الفھا جواباً لمن سال عن علل الشریعۃ[3] الخ۔ ان کتابوں کے علاوہ تفسیر کبیر اور دلائل النبوۃ کا نام بھی ان کی کتابوں کی فہرست میں شامل ہے[4]۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ دلائل النبوۃ ان کی نہایت نفیس کتاب ہے[5]۔

وفات تقریباً نصف صدی تک علم وعرفان سے مخلوق خدا کو فیض پہونچانے کے بعد ۸۴ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۳۶۵ھ بمقام شاش ان کا انتقال ہوا، .... مگر امام ابواسحٰق شیرازی نے لکھا ہے کہ یہ ۳۳۶ھ ہے[6]۔ اور سمعانی کی ایک روایت کے مطابق یہ ۳۶۶ھ کا سال تھا مگر یہ دونوں روایتیں سہو پر مبنی ہیں، صحیح اور متفقہ قول ۳۶۵ھ ہی کا ہے۔

بعض منفرد اقوال امام سبکی نے ان کے ذکر میں ان کے اقوال ومسائل کی سرخی تو قائم کی ہے مگر پھر بیاض ہی ہے، شاید وہ یہاں مسائل نقل کرنا بھول گئے یا پھر مخطوطہ سے وہ صفحہ حادثات کی نذر ہو گیا[7]۔ البتہ امام نووی نے دو تین اقوال نقل کیے ہیں۔

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۵ [2] ایضاً ص ۴۷ [3] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۸۹ [4] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۱ [5] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۸۳ [6] طبقات شیرازی ص ۹۱ [7] طبقات سبکی ج ۲ ص ۲۲۲

امام قفال کا ایک قول یہ تھا کہ بیماری کے عذر کے پیش نظر جمع بین الصلاتین جائز ہے۔
عقیقہ کے مسئلہ میں ایک صورت یہ ہے کہ عقیقہ میں اتنی تاخیر ہوئی کہ بچہ، جوان ہو گیا تو اب عقیقہ کا حکم غیر مولود کے حق میں ساقط ہو جاتا ہے اور اب اس جوان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، باپ یا سرپرست پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے اس مسئلہ میں امام شافعی اس رائے کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ وہ جوان اپنی طرف سے عقیقہ کرے کیوں کہ ایک روایت کے مطابق جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کے بعد اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کیا، لیکن امام شافعی کا ایک قول امام بویطی کے حوالے سے یہ ہے کہ وہ جوان اپنا عقیقہ نہ کرے[1]

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۸۳

امام ابوالقاسم دارکی

فقہائے شافعیہ میں اجتہادی شان رکھنے والے اور امام ابو حامد اسفرائنی جیسے قابل فخر شاگرد کے استاذ کی حیثیت سے امام دارکی کا ذکر ان صفحات میں ناگزیر ہے، گو ان کے حالات بھی تشنہ و مختصر ہیں، ...... تاہم ان کے ذکر سے تاریخ و تراجم کے صفحات خالی بھی نہیں ہیں۔

نام و نسب ان کا پورا نام و نسب یہ ہے، عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز، حاکم ابو عبداللہ نے تاریخ نیشاپور میں عبدالعزیز بن حسن بن احمد لکھا ہے[۱]. مگر یہ ان کا سہو ہے حسن، امام دارکی کے نانا کا نام ہے، شاید حاکم ابو عبداللہ کو بعد میں اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے ان کا یہ عذر نقل کیا ہے کہ امام دارکی زیادہ تر بغداد میں رہے، نیشاپور بہت کم آئے، اسی لیے ان کو زیادہ معلومات نہ مل سکے[۲].

امام دارکی کی کنیت ابوالقاسم ہے، دارکی، وطنی نسبت ہے، دارک، اصفہان کا ایک گاؤں تھا اور مردم خیز تھا، بقول یاقوت حموی، یہاں بہت سے اہل علم ہوئے[۳] جن میں سب سے زیادہ شہرت ہمارے امام دارکی نے حاصل کی۔

تعلیم و تربیت ان کا خاندان اہل علم کا خاندان تھا، والد اپنے زمانہ میں اصفہان کے محدثین میں شمار ہوتے تھے[۴] اور نانا حسن بن محمد دارکی وہاں کے مشہور محدث تھے۔ انہوں نے حدیث کی سماعت و روایت اور علوم حدیث کی تحصیل اپنے نانا ہی سے کی[۵]۔

---

[۱] انساب ج ۲ ص ۲۱۸ [۲] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۴۰ [۳] معجم البلدان ج ۳ ص ۱۲ [۴] طبقات ہدایہ ص ۳۱ و انساب حوالہ مذکورہ [۵] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۶۳-۴۶۴

فقہ کا علم، امام ابواسحٰق مروزی سے حاصل کیا۔

نیشاپور اور بغداد کا قیام

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک نیشاپور میں درس دیتے رہے[۱]۔ ایک عرصہ کی تشریح کئی برس، سے کی گئی[۲]۔ لیکن ابن ہدایہ نے لکھا کہ انہوں نے نیشاپور میں دو برس تک قیام کیا[۳]۔ ابن خلکان کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۵۳ھ میں نیشاپور آئے[۴]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقریباً پچاس برس کی عمر میں نیشاپور آئے اور دو برس یہاں قیام کرنے اور درس و تدریس کے بعد بغداد تشریف لے گئے، اس سے پہلے کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، گمان غالب یہ ہے کہ انہوں نے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یا تو دارک میں یا پھر اصفہان میں سکونت اختیار کی، نیشاپور کے سفر کے بعد انہوں نے بغداد کا قصد کیا اور پھر مستقل طور پر عمر کا آخری حصہ وہیں گزارا ۔ نیشاپور میں ان کے حلقہ درس کی خاص بات یہ تھی کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس میں یکساں طور پر شامل ہوتے تھے[۵]۔

بغداد میں ان کے اصل جوہر کھلے، یہاں انہوں نے درب ابی خلف کی ایک مسجد، مسجد دعلج بن احمد سنجری میں حدیث و فقہ کا درس دینا شروع کیا جس میں کثرت سے بغداد اور دوسرے علاقوں کے علماء و طالبین علم شریک ہوتے تھے، امام احمد بن محمد ابو حامد اسفرائینی کے شیخ علی بن ابن المرزبان کا انتقال ہوا تو پھر وہ ان کے درس میں شریک ہوئے اور ان کے خاص شاگرد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

بغداد کی جامع مسجد میں ان کا ایک خاص حلقہ تھا، جس میں مسائل پر غور و خوض کیا

---

۱ طبقات شہبہ ج ا ص ۱۱۹ ۲ المنتظم ج ۷ ص ۱۲۹ ۳ طبقات ہدایہ ص ۳۱ ۴ وفیات ج ا ص ۵۲
۵ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۶۴۔

جاتا اور دریافت طلب مسائل اور استفسار میں حد درجہ احتیاط و تحقیق کے بعد جوابات دیے جاتے۔[1]

بعض اوقات ان کے جوابات، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے اقوال کے مخالف ہوتے ان سے جب اس سلسلہ میں کہا جاتا تو فرماتے کہ افسوس، جب فلاں نے فلاں سے روایت کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول نقل کیا ہے تو اس کے مقابلہ میں امام شافعی و امام ابو حنیفہ کے اقوال کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اختیار کرنا ہی بہتر ہے، ہم حدیث کو قبول کریں گے اور جو قول اس کے مخالف ہوگا اسے ترک کر دیں گے۔[2]

علمی و فقہی شان

ان کے اس غیر تقلیدی رجحان کی وجہ سے امام سبکی نے ان کو مجتہد کہا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بسا اوقات اجتہاد سے کام لیتے تھے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام دارکی، فقہاء شافعیہ میں درجہ امامت پر فائز تھے اور ارفع مقام رکھتے تھے۔[3] ابن خلکان نے ان کو فقہائے شافعیہ کے بڑوں میں شمار کیا ہے۔[4] وہ لکھتے ہیں کہ فقہ شافعی میں ان کے دلائل اور افکار و آراء اعلیٰ درجہ کے ہیں، جن سے ان کی علمی متانت کا کا اندازہ ہوتا ہے۔[5] حاکم ابو عبداللہ ۳۶۷ھ میں جب بغداد گئے تو انہوں نے دیکھا کہ امام دارکی بغداد کے امام ہیں۔[6] تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بغداد کی ریاست علم اور فقہ شافعی کی تدریس ان پر ختم تھی، ابن عماد حنبلی نے لکھا کہ فقہائے شافعیہ میں ان کی ایک شخصیت تھی۔[7] لیکن سب سے شاندار خراج عقیدت ان کے مایہ ناز شاگرد امام ابو حامد

---

[1] المنتظم بحوالہ مذکورہ و البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۹۳ [2] المنتظم، البدایہ والنہایہ اور طبقات کبری بحوالہ سابقہ [3] طبقات کبری [4] وفیات [5] البدایہ والنہایہ [6] انساب

[7] شذرات الذہب

اسفرائینی نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ میں نے ان سے بڑا اور ان سے بڑھ کر کوئی اور فقیہ نہیں دیکھا[1] ۔ امام خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ اور امین لکھا اور امام دارقطنی نے جب بھی ان کا ذکر کیا تو تعریف و توصیف کے الفاظ سے ان کو یاد کیا[2] ۔

اعتزال کا الزام ان کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ لکھا کہ ان کا رجحان اعتزال کی جانب تھا اور وہ معتزلی ہو گئے تھے[3] ۔ مگر اس روایت کے راوی ابن ابی الفوارس خود کہتے ہیں کہ یہ اتہام و الزام ہے، کیوں کہ میں نے ان سے کچھ نہیں سنا، جب وہ حدیث بیان کرتے تو میں موجود نہ ہوتا اور جب ان کی مجلس میں موجود ہوتا تو دوسرے مسائل پر گفتگو ہوتی اس لیے ان سے اس سلسلہ میں کچھ سننے کی نوبت نہیں آئی[4] ۔ امام اسفرائنی نے تو صاف کہا کہ یہ محض اتہام ہے[5] ۔

وفات بغداد میں جمعہ کی شب ۱۳ ر شوال ۳۷۵ھ کو انتقال ہوا[6] جمعہ کے دن شونیزیہ کے قبرستان میں جعفر خلدی کی قبر کے پاس دفن ہوئے ۔ ایک قول کے مطابق ذی القعدہ میں وفات ہوئی مگر یہ صحیح نہیں جیسا کہ امام خطیب بغدادی کا خیال ہے انتقال کے وقت ستر سال سے کچھ اوپر کی عمر تھی ۔

علمی وِرثا، ان کے کسی صاجزادے یا پس ماندگان میں کسی شخص سے ہم واقف نہیں لیکن ان کے شاگردوں اور ان سے روایت کرنے میں چند اہم ناموں کا ذکر ضرور ملتا ہے، امام ابو حامد اسفرائنی کا ذکر تو اوپر گزر چکا ہے، ان کے علاوہ ابو محمد جلال، ابو القاسم زہری (ازہری) جو لغت میں امام اور نہایت صالح فقیہ تھے، علی

---

[1] طبقات شہبہ طبقات ہدایہ، منتظم اور شذرات وغیرہ [2] شذرات الذہب و طبقات شہبہ [3] ایضاً [4] تاریخ بغداد [5] انساب [6] تاریخ بغداد ۔

بن محمد الحسن الحربی، عبد العزیز بن علی ازجی (ارجی) ابو الحسن عتیقی، ابو القاسم تنوخی اور حاکم ابو عبد اللہ حافظ جیسے اپنے وقت کے ممتاز ترین محدث و فقہاء ان کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔

امام سبکی نے ان سے منسوب دو تین مسائل نقل کیے ہیں اور یہی اب ان کی فقہی امانت ہیں، ان کی کسی تصنیف سے بھی ہم واقف نہیں ہو سکے۔

امام ابوالقاسم صیمری

امام ابوالقاسم صیمری کے حالات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم اس سے ان کے درجۂ امامت اور ان کی تصنیفات کی اہمیت میں کمی نہیں آئی ہے، امام ماوردی کے استاد ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ اور بھی بلند ہے، ہم نے انہی باتوں کے پیش نظر ان کا تذکرہ یہاں ضروری سمجھا۔

نام | عبدالواحد بن الحسین بن محمد نام ہے، ابو القاسم کنیت ہے، القاضی اور نزیل البصرہ کی نسبتوں سے بھی معروف ہیں، لیکن وطن کی نسبت صیمری ہے اور اصلاً شہرت اسی نسبت سے پائی۔

ان کی پیدائش کس سن میں ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ اور خاندان اور ابتدائی نشو و نما کی کیا تفصیلات ہیں؟ ان سوالوں کا جواب دستیاب نہیں۔

البتہ صیمری کی نسبت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صیمر میں پیدا ہوئے ہوں گے، اس نام کے دو علاقے ہیں، ایک تو یمیرہ ہے جو دیار جبل اور مغربی ایران کے صوبہ خوزستان کے درمیان ایک بستی تھی اور اپنی آبادی اور مساجد و منابر کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھی[1]۔ ابن باطیش کے قول کے مطابق امام ابو القاسم صیمری یہیں کے رہنے والے تھے[2]۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بصرہ کے دریاؤں یا نہروں میں سے ایک کا نام صیمر یا صیمرہ ہے اس دریا کے کنارے کئی بستیاں آباد تھیں، ان کے باشندوں کو صیمری کہا جاتا تھا[3]۔ یہ مردم خیز بستی تھی، چنانچہ ابو عبداللہ حسن بن علی قاضی مدائن و کرخ نہایت

---

[1] الانساب ج ۲ ص ۳۵۹ [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۶۵ [3] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۴۳

فاضل اور صاحب نظر بزرگ اور ابو العنبس محمد ابن ماہان مشہور شاعر اسی صیمرہ کے رہنے والے تھے۔[1] امام سبکی، امام نووی اور ابن الجوزی وغیرہ کا خیال ہے کہ امام ابو القاسم صیمری بھی اسی بستی کے رہنے والے تھے۔[2]

بصرہ میں سکونت | وہ اگرچہ صیمرہ سے وطنی نسبت رکھتے تھے مگر ان کی سکونت بصرہ میں تھی، بصرہ ان کا وطن ثانی تھا، اسی لیے نزیل بصرہ بھی کہلائے۔[3]

اساتذہ | انہوں نے کن شیوخ سے فقہ وحدیث کے علوم حاصل کیے؟ اس سوال کا جواب بھی بہت مختصر ہے، اپنے وقت کے نامور امام فقہ اور امام ابو علی ابن خیران کے لائق ترین شاگرد امام قاضی ابو حامد مروزی بصرہ میں فقہ شافعی کے بڑے نمائندے تھے اور علم کے گویا بحر مواج تھے بقول امام مطوعی وہ صدر من صدور الفقہ کبیر و بحر من ابحار العلم غزیر تھے۔ امام صیمری ان کی مجلس کے حاضر باشوں میں سے تھے اور کثرت سے ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، بعد میں قاضی ابو حامد مروزی کے ایک شاگرد محمد بن الحسن بن منتصر، ابو الفیاض بصری سے انہوں نے فقہ شافعی کا درس لیا۔

تلامذہ | تذکرہ نویسوں نے یہ تو لکھا ہے کہ علم کی طلب میں، لوگ دور دراز علاقوں سے امام صیمری کے پاس آتے تھے۔[5] اور ایک جماعت ہے جس نے ان سے استفادہ[5] کیا۔[6] لیکن ہم ان کے شاگردوں کے نام سے واقف نہیں ہیں۔ تاہم ان کے ایک شاگرد کا نام ہی ان کی قدر و منزلت کی معرفت کے لیے کافی ہے۔ یعنی اقضی القضاۃ

---

[1] الانساب ج ۲ ص ۳۵۹ و المنجد فی الاعلام [2] طبقات کبریٰ و تہذیب الاسماء حوالہ سابق [3] طبقات کبریٰ [4] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۷۷ [5] ایضاً [6] طبقات ابن ہدایہ ۳ ۴

امام علی ابن محمد ابوالحسن ماوردی بصری صاحب الحاوی و احکام السلطانیہ، جن کی جلالت علمی کا حال ہم آگے بیان کریں گے، انہوں نے فقہ میں امام صیمری سے کسب فیض کیا۔

علوئے مرتبت | امام سبکی لکھتے ہیں کہ اصحاب شافعیہ کے وہ امام تھے اور صاحب وجہ تھے۔[1]

امام نووی نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کبار میں سے ہیں اور صاحب امتیاز ہیں۔[2] امام ابو اسحٰق شیرازی نے لکھا کہ وہ مسلک شافعی کے حافظ تھے۔[3]

تصانیف | ان کی تصنیفات کے بارے میں امام شیرازی نے لکھا کہ وہ بہترین کتابیں ہیں۔[4] خصوصاً الایضاح ان کی سب سے عمدہ تصنیف ہے، اس کا پورا نام الایضاح فی المذھب یا الایضاح فی الفروع ہے۔[5] ابن شہبہ نے لکھا تھا کہ یہ پانچ جلدوں میں ہے لیکن علامہ چلپی نے اس کو سات جلدوں میں شمار کیا ہے۔[6] بقول امام نووی یہ نفیس ترین کتاب ہے بے شمار فوائد پر مشتمل ہے مگر کمیاب ہے۔[7]

اس کتاب کے علاوہ، کتاب فی الشروط، کتاب فی القیاس والعلل، کتاب فی الادب المفتی والمستفتی اور کتاب الکفایہ کے نام بھی تذکرہ نگاروں نے لکھے ہیں۔ علامہ چلپی نے الکفایہ کا پورا نام الکفایہ فی القیاس لکھا ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام صیمری نے اپنی اس کتاب کی شرح ایک جلد میں لکھی اور الارشاد نام رکھا۔[8]

وفات | ان کا انتقال ۳۸۶ھ میں ہوا، لیکن ابن شہبہ لکھتے ہیں کہ ان کی وفات ۳۸۶ھ کے بعد ہوئی کیوں کہ امام ذہبی کہتے ہیں کہ امام صیمری ۴۰۵ھ میں موجود تھے، حالاں کہ وہ ان کی تاریخ وفات سے لاعلم ہیں لیکن اس پر انہیں یقین ہے کہ امام صیمری ۴۰۵ھ میں

---

[1] طبقات کبری [2] تہذیب الاسماء [3] طبقات شیرازی ص ۱۰۴ [4] ایضاً [5] کشف الظنون ج ۱ ص ۱۷۰ [6] ایضاً [7] تہذیب الاسماء [8] کشف ج ۲ ص ۳۴۲

بصرہ میں موجود تھے۔[1]

چند اقوال امام رافعی نے آداب قضاء الحاجۃ، تیمم، مسح الخف وغیرہ میں ان کے مسائل نقل کیے ہیں، امام نووی نے بھی ایک دو قول نقل کیے ہیں اور امام سبکی نے تلاش بسیار کے بعد ان کے چند مسائل پیش کیے ہیں، مثلاً:

ایک قول یہ ہے کہ جس شخص کے بدن کا کچھ حصہ بھی ناپاک ہو، اس کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔

اعتقاد اور اصرار کے ساتھ جو شخص صحابہ کرام پر سب وشتم کرے تو اس کا یہ فعل کفر ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ نعوذ باللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرے۔ ایک مالدار شخص اگر وقف اغنیاء میں کسی چیز کے لیے دعوی کرے تو اس کے لیے بینہ (ثبوت وگواہ) پیش کرنا ضروری ہے، لیکن اگر یہ وقف، وقف علی الفقراء ہے اور دعوی کرنے والا، صاحب فقر ہے تو پھر بینہ اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

اہل حرب کے ہاتھوں ہتھیار یا گھوڑوں کی فروخت درست نہیں ہے، ان کی عبارت میں یہ بھی ہے کہ اگر ہم طاقتور ہیں تو اس بیع کو بزور توڑ دیں گے۔

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۷۷ا

امام ابو سلیمان خطابی بُستی

امام ابو سلیمان خطابی بُستی فقہ شافعی کے ایسے نامور ائمہ کے زمرہ میں ہیں جو حدیث، ادب، شعر وغیرہ اصناف علوم میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ ہی فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں۔

نام ونسب | حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطابی، نام ونسب ہے، ابو سلیمان کنیت اور خطابی نسبت آبائی ہے، بُستی، وطنی نسبت ہے، ۳۱۷ھ / ۹۲۹ء میں بست میں پیدا ہوئے۔

حَمَد، میم کے فتحہ کے ساتھ ہے لیکن بعض نے حَمْد، میم کے سکون کے ساتھ نقل کیا ہے[1]، ابو منصور ثعالبی نے ان کا نام احمد لکھا ہے جسے امام سبکی نے غلط بتایا ہے، لیکن ثعالبی کے علاوہ بعض دوسرے تذکرہ نویسوں نے بھی احمد لکھا ہے، صاحب کشف الظنون نے جہاں بھی ان کا ذکر کیا ہے وہاں احمد بن محمد تحریر ہے۔ لیکن اس اشتباہ کا ازالہ امام ابن خلکان نے کر دیا، انہوں نے حاکم کا قول نقل کر کے لکھا کہ جب امام خطابی سے ان کے اصل نام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میرا نام تو حمد ہی ہے لیکن جب لوگوں نے احمد لکھنا شروع کیا تو میں نے اسے رہنے دیا۔[2] ابن عماد حنبلی نے بات اور واضح کر دی کہ لوگوں نے جب احمد لکھنا شروع کیا تو انہوں نے حمد کو ترک کر دیا۔[3]

خطابی کی نسبت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضؓ بن الخطاب کے خاندان اور بھائی حضرت ابو عبدالرحمٰن زید رضؓ بن الخطاب بن نفیل العدوی کی نسل سے ہیں۔ تاہم ان کے

---

[1] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۲۷ [2] وفیات ج ۱ ص ۲۹۶

[3] شذرات ج ۳ ص ۱۲۸

شجرہ سے یہ بات زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔[1] صحیح یہی ہے کہ یہ ان کے جد امجد کی نسبت ہے۔

بستی کی وطنی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ بست کی بستی دیار کابل تک ہرات اور غزنین کے درمیان واقع تھی، المنجد کے مطابق یہ افغانستان کا قدیم شہر ہے اور بلوچستان اور ہندوستان کے درمیانی راستہ پر ہے، یہ شہر قدیم ایرانی تہذیب کے مراکز میں تھا، تیمور لنگ کے حملہ کا یہ بھی نشانہ بنا تھا۔[2] یہ شہر سجستان کے دریائے ہند مند کے کنارے آباد ہے، بہت پہلے ابن حوقل نے لکھا تھا کہ بڑا سرسبز و شاداب ہے، کھجور اور انگور کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، ایک اور قول کے مطابق یہ بڑا خوبصورت، پانی اور سبزہ سے معمور شہر ہے، مساجد اور باغوں کی کثرت سے اس کی رونق میں اور اضافہ ہوتا ہے۔[3] لیکن یاقوت حموی کو اس شہر میں نہروں اور باغوں کے باوجود ویرانی سی نظر آتی تھی، تاہم علم و فضل کی گرم بازاری اس شہر کی سب سے امتیازی شان تھی، علماء و فضلا کی ایک بڑی تعداد اسی کی خاک سے اٹھی جن میں نامور ترین لوگوں میں قاضی ابو محمد الکیبری ہیں جو صاحب السنن تھے اور امام بخاری کے شیوخ میں سے اکثر سے ملے تھے۔ اور ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی جنہیں امامِ عصر مانا گیا ہے وہ بھی اسی شہر کے فرزند تھے لیکن سب سے نمایاں نام ہمارے امام خطابی کا ہے جو بست کے لیے باعث افتخار ہوئے کسی شاعر نے اسی نسبت کی شان میں یہ شعر کہا تھا۔[4]

اذا قیل ای الارض فی الناس زینۃ   اجبنا و قلنا ابھج الارض بستہا

تلاش علم اور سفر | ابتدائی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں کچھ مذکور نہیں، تاہم ان کے طالب علمانہ

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۷ و طبقات شہبہ ج ۱ ص ۱۴۰ [2] المنجد ج ۲ ص ۱۳۱ [3] تقویم البلدان ج ۱ ص ۴۴۳ [4] الانساب ج ۱ ص ۸۱ و البلدان ج ۲ ص ۱۷۰

شد رحال کا ذکر ملتا ہے، امام ذہبی نے ان کو محدث رحال کے الفاظ سے یاد کیا ہے[1]۔

ان کے طلب علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ابو سعید بن الاعرابی سے، بغداد میں اسمٰعیل بن محمد الصفار اور ابو جعفر الرزاز سے اور بصرہ میں ابو بکر بن داسہ سے اور نیشاپور میں ابو العباس بن الاصم اور ان کے ہم عصروں سے حدیث کی سماعت و روایت کی۔

زبان و ادب کا علم ابو عمرو الزاہد سے بغداد میں حاصل کیا، ابو عمرو الزاہد جو غلام ثعلب کی نسبت سے اس لیے مشہور ہیں کہ وہ مشہور زبان داں اور لغوی ثعلب کوفی کے شاگرد تھے خود بھی اعلیٰ درجہ کے ادیب اور انشا پرداز تھے[2]۔

فقہ کے علوم ابو علی بن ابی ہریرۃ اور امام قفال شاشی جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ سے حاصل کیے۔

جلالت علمی | اپنے وقت کے ممتاز ترین ائمہ اور اپنے اپنے علوم میں ماہر ترین علماء سے اکتساب فیض کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ امام وقت کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

امام سبکی نے لکھا کہ وہ فقہ و حدیث میں امام تھے۔ اور ایسے ائمہ سنت میں ان کا شمار ہے جن کی اقتدا کی جانی چاہیے، ان کے احکام اس لائق ہیں کہ وہ قبول کیے جائیں[3]۔

امام ابو المظفر ابن السمعانی نے کتاب القواطع فی اصول الفقہ میں علت، سبب اور شرط کی بحث میں ان کا ذکر کیا اور لکھا کہ دنیائے علم میں وہ بلند ترین مقام پر فائز تھے[4]۔

امام نووی نے کتاب التہذیب میں لغت کے سلسلہ میں ان کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا کہ علم میں مطلق طور پر اور لغت میں خاص طور پر وہ نہایت بلند مرتبہ ہیں[5]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۳ [2] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۴۰ [3] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸ [4] ایضاً [5] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۴۰۔

ابن کثیر نے ان کو اعیان مشاہیر اور صاحب اجتہاد فقہاء میں شمار کیا۔[1]

امام ابن خلکان نے لکھا کہ ابو سلیمان خطابی کو ابو عبید القاسم بن سلام سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ وہ، ان ہی کی طرح علم و ادب، زہد و ورع اور تدریس و تالیف میں نابغہ عصر تھے۔[2]

ابن العماد حنبلی نے لکھا کہ ان کا شمار اساطین علم میں ہوتا ہے، وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔[3]

امام ذہبی نے ان کو المفید الامام العلامہ، ثقہ اور ثابت اور محدث رحّال جیسے القاب و صفات سے متصف کیا ہے۔[4]

سمعانی نے ان کی تعریف میں امام فاضل، کبیر الشان، جلیل القدر اور ادیب فقیہ کے الفاظ سپرد قلم کیے۔[5]

ابن شہبہ نے لکھا کہ وہ فقہ، عربیت اور ادب کی محفل کے صدر نشیں تھے۔[6]

شاعری اگرچہ ان کے علمی کارناموں کی تاریخ، حدیث و فقہ کے صفحات پر ثبت ہے لیکن تذکرہ نگاروں نے ان کی شعر گوئی کی اضافی صفت کا خاص طور سے ذکر کیا، ابن کثیر نے لکھا کہ وہ بہت اچھے شعر کہتے تھے، یہی بات ابن شہبہ نے کہی کہ ان کے اشعار عمدہ ہوتے تھے۔

ہم ان کے بعض اشعار جو متفرق جگہوں پر موجود ہیں، ان کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

ارض للناس جمیعاً مثل ما ترضی لنفسك

انما الناس جمیعاً کلهم ابناء جنسك

---

[1] البدایہ حوالہ سابق [2] وفیات ج ۱ ص ۲۹۶ [3] شذرات ج ۳ ص ۱۲۸ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۳ [5] الانساب ج ۵ ص ۳۰۳ [6] طبقات ابن شہبہ حوالہ سابق [7] ایضاً

فلھم نفس کنفسک ولھم حس کحسک
وما غربة الانسان فی شقة النوی ولکنھا واللہ فی عدم الشکل
وانی غریب بین بست واھلھا وان کان فیھا اسرتی وبھا اھلی

ان کا اخلاقی رنگ، ان کے تمام شعروں میں نمایاں ہے۔

فسامح ولا تستوف حقک کلھم وابق فلم یستوف قط کریم[1]
ولا تغل فی شی من الامر واقتصد کلا طرفی قصد الامور سلیم

مادمت حیا فدار الناس کلھم فانما انت فی دار المداراة
من یدر داری ومن لم یدر سوف یری عما قلیل ندیما للندامات

شر السباع العوادی دونہ وزر والناس شرھم ما دونہ وزر
کم معشر سلموا لم یوذھم سبع وما تری بشرا لم یوذہ بشر

تلامذہ | ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں ایک مخلوق خدا شامل ہے، وہ جہاں بھی رہے ان کی ذات سرچشمہ علم وفیض بنی رہی، جیسا کہ ابو عبداللہ حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ وہ نیشاپور میں ہمارے یہاں دو برس تک قیام پذیر رہے، حدیث کا درس دیا اور بے شمار خدا کے بندوں کو فیض یاب کیا[2] تاہم ان کے وہ تلامذہ اور رواۃ جو نہایت نامور ہوئے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، ابو حامد اسفرائینی، ابو عبداللہ حاکم الحافظ

---

[1] بعض کتابوں میں بجائے فلم یستوف کے فلم یستقص بھی ہے اور بجائے ولا تغل کے ولا تغل یا ولا تغل اور چوتھے مصرعہ میں بجائے سلیم کی جگہ ذمیم ہے، وفیات و شذرات [2] الانساب ۱۷ ص ۲۰۳

نیشاپوری، ابو نصر محمد بن احمد بن الغزنوی، ابو مسعود حسین بن محمد الکرابیسی، ابو عبید الہروی صاحب الغریبین، عبدالغافر بن محمد الفارسی، ابو القاسم عبدالوہاب بن ابی سہل خطابی اور ابو عمرو محمد بن عبداللہ الزجاجی۔ ان میں حافظ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری اور ابو حامد اسفرائینی تو اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار فضلا میں شمار ہوتے ہیں۔

تصانیف | شاگردوں کی طرح انہوں نے بیش بہا تصنیفات کا ورثہ بھی دنیائے علم کے لیے پیش کیا، ان تصنیفات کے ناموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فن حدیث کی کتابیں تھیں، لیکن ان کی شرح وتفصیل میں انہوں نے فقہی مباحث کو شامل کیا ہے، اس طرح ان کو حدیث و فقہ کے مسائل کی جامع کتابیں کہا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ معالم السنن، یہ سنن ابی داؤد کی شرح ہے، اعلام البخاری یا اعلام السنن فی شرح البخاری، غریب الحدیث، شرح اسماء اللہ الحسنیٰ، کتاب اصلاح غلط المحدثین، کتاب العزلہ، کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ، کتاب الشجاج، کتاب شان الدعاء۔

سنن ابی داؤد سے ان کو خاص شغف تھا، کہتے تھے کہ میرے شیخ ابو سعید الاعرابی مکی کے ہاتھوں میں ابو داؤد تھی اور وہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کے پاس صرف قرآن مجید اور یہ کتاب یعنی سنن ابی داؤد ہو تو پھر وہ علم میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہو سکتا۔[1]

کشف الظنون کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد ۲۷۵ھ کی سب سے پہلی شرح یہی معالم السنن ہے، امام خطابی نے اس کا آغاز اس عبارت سے کیا تھا۔[2]

الحمد للہ الذی ہدانا لدینہ واکرمنا بسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ بعد میں حافظ

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۳ [2] کشف الظنون ج ۳ ص ۲۲۳۔

شہاب الدین احمد بن ابراہیم المقدسی ۷۶۹ھ نے اس کی تلخیص کی اور عجالۃ العالم من کتاب المعالم نام رکھا، پھر امام سیوطی نے اس کی شرح "مرقات الصعود الی سنن ابی داؤد" کے نام سے کی۔

امام خطابی نے جب ابو داؤد کی شرح لکھی تو اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس میں بیان السنن اور فقہی حدیثیں جمع کر دی جائیں۔[1]

معالم السنن کو انہوں نے بلخ کے زمانہ قیام میں مکمل کیا تھا، جب وہ اس کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اہل بلخ نے فرمائش کی کہ وہ جامع بخاری کی بھی شرح لکھیں، انہوں نے یہ فرمائش قبول کی اور اعلام السنن کے نام سے جامع صحیح بخاری کی شرح ایک ضخیم جلد میں کی، اس کا آغاز انہوں نے الحمد للہ المنعم الخ کے الفاظ سے کیا، بخاری کی شرحیں کثیر تعداد میں کی گئیں لیکن امام خطابی کی یہ شرح، اولین شرحوں میں سے ہے، علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ یہ نہایت لطیف و دقیق نکات و مباحث پر مشتمل ہے۔[2] ان کی ایک اور اہم کتاب غریب الحدیث ہے، اس کے متعلق لکھا گیا کہ یہ ان کی مشہور ترین اور آسان ترین کتاب ہے اور حسن بیان وبلاغت میں بھی ممتاز ہے، غرائب حدیث میں اگرچہ بہت سی کتابیں لکھی گئیں، جن کا ذکر علامہ چلپی نے کیا ہے لیکن اس فن میں ابو عبیدہ معمر بن المثنی بصری ۲۱۰ھ اور ابو محمد عبداللہ ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ کی کتابوں کے بعد تیسری سب سے اہم کتاب ہمارے امام خطابی کی ہے جو مذکورہ حضرات کے طرز پر تحریر کی گئی، علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ اس فن میں یہی تینوں کتابوں، امہات کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔[3]

امام خطابی نے غریب من الکلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ کلام کی غرابت یہ ہے کہ پیچیدہ اور بعید از فہم ہو جیسے انسان کی غرابت کہ غریب من الناس کا مطلب یہ ہوتا ہے

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۳۵ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۶۵ [3] ایضاً ج ۲ ص ۱۵۶، شرح غریب الحدیث کا ایک نفیس نسخہ مکتبہ احمد حلب میں ہے تقریباً ۲۰۰ صفحات کا ہے، کتابت ۴۹۳ھ ہے۔

کہ وہ وطن سے دور اور اہل و عیال سے منقطع ہو، انہوں نے غریب الکلام کی دو قسمیں بتائیں پہلی یہ کہ اس سے ایسے معنی مراد ہوں جو گنجلک، مشکل اور دور از کار ہوں اور خاصے غور و فکر کے بعد معنی و مطالب، فہم کی گرفت میں آئیں۔ دوسری قسم وہ کلام ہے جو قبائل عرب کے شذوذ میں سے ہو، تو جب ان قبائل عرب کا کوئی ایسا غیر مانوس لفظ سامنے آئے گا تو وہ غریب الکلام میں شمار کیا جائے گا۔[1]

ان کی ایک اور کتاب شرح اسماء اللہ الحسنی ہے، اسماء حسنی کی شرحیں لکھنا بھی علماء کا خاص موضوع تھا، چنانچہ ابن برجان اندلسی ۵۳۶ھ ابو منصور ہروی ۴۳۸ھ، ابو العباس اقلیشی ۵۵۰ھ، برہان الدین محمد نسفی ۶۸۷ھ ابو الفضل محمد خوارزمی ۵۶۲ھ، امام بیہقی ۴۵۸ھ، امام جصاص حنفی ۳۷۰ھ امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ اور امام غزالی ۵۰۵ھ وغیرہ کے علاوہ بیسیوں علماء نے اس فن میں کتابیں لکھیں، امام جصاص حنفی ۳۷۰ھ کے بعد امام خطابی، علمائے شافعیہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کتاب سپرد قلم کی۔[2]

کشف الظنون میں ان کی کتاب اصلاح غلط المحدثین کا نام تو ملتا ہے لیکن اور کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔[3]

ان کتابوں کے علاوہ امام ابن خلکان نے کتاب الشجاج، کتاب شان الدعا اور دوسروں نے کتاب العزلہ اور کتاب الغنیہ عن الکلام و اہلہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام سبکی کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اللغۃ کے نام سے بھی امام خطابی کی کوئی کتاب تھی۔

ان کی ایک کتاب شان الادعیۃ الماثورہ کا ایک نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود تھا،[4] اس کے ساتھ ہی ان کی کتاب الاعتصام اور کتاب العزلہ بھی تھیں (معالم السنن ج ۲ ص ۲۲۱) لیکن ان کتابوں کے متعلق مزید معلومات سے ہم محروم ہیں۔ لیکن یقین کے ساتھ

---

[1] کشف، ج ۲، ص ۱۵۵ [2] ایضا ۱۵۵ [3] ایضا مفتاح ۱، ص ۱۱۲ [4] وفیات ج ۱، ص ۲۹۶، طبقات سبکی ج ۲ ص ۲۱۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۳

کہا جا سکتا ہے کہ ساری کتابیں علم و حکمت سے لبریز ہوں گی کیوں کہ تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ امام خطابی کی کتابیں جامع، نافع اور نادر تھیں۔

بعض اقوال و مسائل

امام سبکی نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جو زبان و مطلب دونوں لحاظ سے بار بار پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے، انھوں نے فرمایا کہ الغنا ما اغناک لا ما عناک یعنی تونگری تو وہ ہے جو تم کو بے نیاز کر دے نہ کہ تم کو مجبور کر دے۔ ایک بار فرمایا کہ عش وحدک حتی تزور لحدک، احفظ اسرارک وشد علیک ازارک، عالم تنہائی میں رہو یہاں تک کہ مکان تنہائی (قبر) دیکھ لو اپنے رازوں کی حفاظت کرو اور کمر بستہ رہو۔[1]

امام رافعی نے نماز جمعہ، مسافر کی نماز اور صلوۃ کسوف کے باب میں ان کے بعض اقوال کو نقل کیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی ان سے منقول ہے کہ مسلک شافعی پر عمل کرنے والے سورج گرہن کی نماز میں جہر کریں گے، حالاں کہ یہ عام مسلک شافعی کے خلاف ہے۔[2]

معالم السنن میں امام داؤد کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر
رد شھادۃ القانع لاھل البیت	والوں کے حق میں قانع کی شہادت کو رد فرمایا
واجازھا لغیرھم۔	اور دوسروں کے لیے اس شہادت کی اجازت

عطا فرمائی۔

امام خطابی نے قانع سے مراد سائل یا کھانا مانگنے والا لیا ہے، یہ بھی مفہوم بیان کیا کہ قانع وہ شخص ہے جو لوگوں کی خدمت کے لیے وقف ہو اور ان کی ضروریات پوری کرتا

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۹ [2] طبقات شہبہ ج ۱ ص ۱۴۰

ہو اور وہ ایسے ہی ہے جیسے مزدور اور وکیل، جس طرح اجیر اور وکیل کی شہادت ان کے مالکوں کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی اسی طرح فارغ، جن لوگوں سے متعلق ہے، ان کے حق میں اس کی گواہی بھی معتبر نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس میں اس کو فائدہ اور نفع پہونچنے کا امکان ہے، اسی قول پر قیاس کرتے ہوئے شوہر کی گواہی، بیوی کے حق میں معتبر نہ ہوگی۔ یہی امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے اور امام خطابی بھی اسی کے قائل ہیں۔[1]

اس مسئلہ پر امام سبکی نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث سے شوہر کی گواہی والے مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لیے امام خطابی کے علوئے مقام کے باوجود ان کی رائے قبول نہیں کی جا سکتی۔[2]

ایک پر لطف حکایت امام خطابی نے خود لکھا ہے کہ ابراہیم بن السری الزجاج النحوی کا خیال تھا کہ صاد اور سین دونوں حروف کے مخارج تقریباً یکساں ہیں اس لیے صاد کو سین میں بدلا جا سکتا ہے، ایک دن وزیر علی بن عیسیٰ کے گھر پر اس مسئلہ پر زوردار بحث ہوئی لیکن زجاج نحوی اپنی بات پر قائم رہے، کچھ عرصہ کے بعد زجاج نحوی کو کسی حاکم سے کوئی ضرورت آن پڑی اور اس کے لیے انہوں نے وزیر علی بن عیسیٰ سے ایک سفارشی خط لکھنے کی فرمائش کی، علی بن عیسیٰ نے خط لکھ دیا اور آخر میں جب زجاج کا ذکر آیا تو لکھا کہ "ابراہیم بن الزجاج من اخس اخوانی" یہ دیکھ کر زجاج نے کہا ارے یہ آپ کیا لکھ رہے ہیں، اس پر علی بن عیسیٰ نے جواب دیا کہ میرا مقصد اخص اخوانی لکھنا ہے لیکن آپ کی زبان اور قاعدہ کے لحاظ سے میں نے صاد کو سین سے بدل دیا، ظاہر ہے اس کے بعد زجاج نحوی نے اپنی تجویز فوراً واپس لے لی۔[3]

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۲۱ [3] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۲

وفات | حدیث وفقہ، شعر ولغت اور حکمت ومعرفت کا یہ آفتاب تقریباً ۷۰ برس تک دنیائے علم کو روشن کرنے کے بعد ۳۸۸ھ / ۹۹۸ء میں شہر بست کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ یاقوت کے مطابق ۳۸۶ھ میں انتقال ہوا۔ ماہ وفات میں اختلاف ہے، بعض جگہ ربیع الآخر ہے اور کچھ لوگوں نے ربیع الاول لکھا ہے، امام ذہبی نے تو ربیع الاوّل کی چھ تاریخ بھی لکھ دی ہے۔

لہ فہرس المکتبۃ السلطانیہ، مصر بحوالہ معالم السنن، جلد اول ص ۷۔

امام ابوسعد اسمٰعیلی جرجانی

جرجان کے شیخ الشافعیہ، امام ابوسعد اسمٰعیلی جرجانی کے سوانح بھی مختصر ہیں اور ان کے علم و فضل اور دین و دنیا کی جامعیت اور جرجان کے فقہاء شافعیہ میں ان کی اہمیت کے پیش نظر یہ بے حد تشنہ ہیں۔

نام و نسب | اسمٰعیل بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس نام و نسب ہے[1] ابو سعد اور ابن الامام ابی بکر کی کنیتوں سے معروف اور اسمٰعیلی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ وطنی نسبت جرجانی[2] ہے۔

---

[1] ابن کثیر نے ابو سعید اسمٰعیلی ابراہیم بن اسمٰعیل لکھا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۲۶) اور امام یافعی نے ابو سعید بن اسمٰعیل تحریر کیا ہے (مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۴۲۸) اور ابن عماد حنبلی کی روایت کے مطابق ابو سعد بن اسمٰعیلی ہے مگر یہ روایتیں کسی سہو پر مبنی ہیں، کیوں کہ دوسرے تذکرہ نویسوں نے جن میں خطیب بغدادی، شیرازی اور ابن الجوزی بھی شامل ہیں وہی نام و نسب نقل کیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

[2] جرجان۔ بحر قزوین کے جنوب مشرق میں واقع ایران کا ایک صوبہ ہے، قدیم زمانہ میں یہ "ہیرکانیا" کے نام سے موسوم تھا، ساسانی دور حکومت میں اس کو اہمیت حاصل ہوئی، ۷۱۶ء میں اسلامی سپہ سالار یزید بن ابی صفرہ نے اس کو فتح کیا اور شہر استراباد کی بنیاد رکھی، یہی شہر اصلاً جرجان ہے۔ (المنجد ج ۲ ص ۲۱۰) یہ بہت وسیع کشادہ اور خوبصورت ہے، پانی کی فراوانی ہے کھیت ہرے اور باغات، زیتون، کھجور، اخروٹ، انار اور سنگترہ سے بھرے رہتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خاندان جرجان میں ان کا خاندان اپنے علم و فضل اور عزت و ثروت کی وجہ سے امتیازی شان رکھتا تھا، انکے والد امام ابوبکر احمد کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ یکتائے روزگار اور شیخ المحدثین والفقہاء تھے اور ثروت و ریاست اور مروت و سخاوت میں سب سے بڑھ کر تھے، امام جرجان کہلاتے تھے،[۱]

اساتذہ شیوخ امام اسمٰعیلی نے اپنے والد سے اکتسابِ علم کیا اور خاص طور سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور حدیث کی روایت بھی کی۔[۲]

(بقیہ حاشیہ) ریشم اور گنا بھی یہاں کی خاص پیداوار ہے، بڑے بڑے پتھر بھی ہیں جن کے عجب خواص ہیں، اسی لیے یاقوت حموی نے لکھا کہ عراق کے بعد مشرق میں جرجان جیسا کوئی اور شہر اس قدر مکمل اور خوبصورت نہیں ہے، یہاں کے لوگ بھی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، وہ باوقار، بااخلاق، خوشحال اور کشادہ دست ہیں. یہاں کی خاک بڑی مردم خیز ہے، یہاں بے شمار ادیب، عالم، فقیہہ، محدث اور نامور پیدا ہوئے، برمکی صاحب مامون الرشید اسی سرزمین کا فرزند تھا، مشہور محدث ابونعیم عبدالملک جرجانی اور ابواحمد بن القطان محدث کی نسبت کا شرف اسی کو حاصل ہے ان کے علاوہ مشہور شاعر قاضی ابوالحسن علی جرجانی صاحب دیوان مشہور لغوی عبدالقاہر جرجانی صاحب دلائل الاعجاز، مشہور فلسفی اور متکلم علی بن محمد، السید الشریف جرجانی صاحب شرح المواقف اور ابن سینا کے شاگرد اور نامور طبیب عیسیٰ بن یحییٰ صاحب کتاب لمئہ فی الطب اسی جرجان کی خاک سے اٹھے اور نیرِ اعظم بن کر چمکے۔ ایک شاعر ابوغمر نے جرجان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے:

هی جنة الدنیا التی هی منهجٌ ۔۔۔ یرضی بها المحرور والمقرورُ

سهلیة جبلیة بحریة ۔۔۔ یمتل فیها منجد ومغیر

ولو اشط من جنس ما هی افتتن ۔۔۔ رای العیون بها وهن النور

وکانما نوّارها بریاضها ۔۔۔ للمبصریه سندس منشور

معجم البلدان ج ۳ ص ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸

---

[۱] طبقات ہدایہ ص ۳۰ و طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۷۹ [۲] طبقات شیرازی ص ۱۰۰ ۔

والد کے علاوہ انہوں نے ابوالعباس اصم نیشاپوری، محمد بن احمد بن حفص دینوری، محمد بن علی بن دحیم کوفی، اور عبداللہ بن عدی جرجانی وغیرہ سے بھی سماعت و روایت کی۔[1]

تلامذہ | ان سے کسب فیض کرنے والوں میں نمایاں نام محمد بن احمد بن شعیب رویانی، ابو محمد الخلال اور علی بن محسن تنوخی وغیرہ کے ہیں۔[2]

۳۸۵ھ میں جب وہ حج کے سفر پر نکلے تو راستہ میں بغداد آئے اور بعض مجبوریوں کی بنا پر وہ اس سال حج کے لئے آگے نہیں جا سکے، چنانچہ اس سال انہوں نے بغداد ہی میں قیام کیا اور اگلے سال حج کے لیے تشریف لے گئے، اس ایک سال کے قیام میں وہ بغداد والوں کے لیے سرچشمہ فیض ہو گئے، کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔[3] امام دارقطنی، جن کی تمنا تھی کہ وہ ان کے والد امام احمد سے روایت حدیث کرتے، لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی تھی، انہوں نے بغداد میں امام اسمٰعیلی سے ان کے والد اور امام اصم بن عدی کے سلسلوں سے حدیث کی روایت کی۔[4]

جلالت شان | ان کی شان اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ امام دارقطنی کے شیوخ میں سے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے شاندار الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، امام خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ، فاضل فقیہہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نہایت سخی اور فیاض تھے، اہل علم پر تو خاص لطف و کرم کرتے تھے۔[5]

امام ابواسحٰق شیرازی نے ان کی خوبیوں میں ان کے ادیب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ وہ جرجان میں دین و دنیا دونوں کی ریاست کے جامع تھے۔[6] انہوں صاحب

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۰۹۔۱۰ والمنتظم ج ۷ ص ۲۳۱ [2] تاریخ بغداد، المنتظم اور البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۳۳۶ [3] تاریخ بغداد بحوالہ سابقہ [4] البدایہ والنہایہ بحوالہ سابقہ [5] تاریخ بغداد حوالہ مذکورہ [6] طبقات شیرازی ص ۱۰۰

ابن عباد کا ایک قول نقل کیا جس میں ابن عباد نے امام ابو سعد اور ان کے بھائی ابو نصر اور ان کے والد کے بارہ میں کہا تھا کہ ابو نصر فقیہ جب حدثنا و اخبرنا کہتے ہیں تو وہ سچے، واضح ناقد و ناطق نظر آتے ہیں اور آپ اے ابو سعد فقیہ ایسے شخص ہیں کہ جو شخص آپ کو درس دیتے ہوئے، فتوی دیتے ہوئے، تقریر کرتے ہوئے، روایت کرتے ہوئے اور املاء وکتابت کراتے ہوئے دیکھے گا تو اقرار کرے گا کہ آپ حبر بن الحبر، .... بحر بن البحر اور ضیا بن الفجر ہیں اور آپ دونوں کے والد صاحب کی مدح وثنا تو واجب ہے کہ اب ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں، جرجان والے تو ان پر اس وقت تک ناز کرتے رہیں گے جب تک جرجان کی وادیوں میں نہریں جاری رہیں گی و رجب تک اس کی فضاؤں میں اذانیں گونجتی رہیں گی۔[1]

امام ابن شہبہ نے ان کو علامہ، اپنے عہد کا امام اور لغت، اصول فقہ، عربیت، انشاء پردازی علم شرط وعلم کلام کا ممتاز عالم لکھا، اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ نہایت متقی (درع الثخین) صاحب مجاہدہ، مسلمانوں کے خیر خواہ، فیاض اور شائستہ اخلاق تھے۔[2] ابن کثیر نے لکھا کہ ان کے تقوی اور جود وکرم کا اثر جرجان میں آج تک ہے۔[3] (امام ابن کثیر کا انتقال ۷۷۴ھ میں ہوا جب کہ امام اسمٰعیل کا انتقال ۳۹۶ھ میں ہوا تھا) یعنی امام اسمٰعیل کے انتقال کے تقریباً تین سو سال بعد تک ان کے حسن عمل کی برکت ان کی اولاد واحفاد میں ظاہر ہوتی رہی۔

بغداد میں اعزاز اوپر ان کے سفر بغداد کا ذکر آیا ہے کہ حج کے سفر کے دوران انہوں نے وہاں ایک سال تک قیام کیا، امام دارقطنی نے اسی مدت میں ان سے حدیث کی روایت

---

[1] طبقات شیرازی ص ۱۰۰ [2] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۸ [3] البدایہ والنہایہ بحوالہ سابقہ۔

کی اور بغداد کے فقہاء نے ان سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی چنانچہ دوبار ان کے اعزاز میں خاص علمی مجلسیں منعقد کی گئیں، پہلی بار اس مجلس کا اہتمام امام ابو حامد اسفرائنی نے کیا اور دوسری بار . . . . امام دارکی کے جانشین اور امام ماوردی کے استاذ اور مشہور فقیہہ امام ابو محمد بانی نے اس مجلس کا انتظام کیا[۱] اسی مجلس کے لیے جب امام بانی نے قاضی معافی بن زکریا کو دعوت دی تو اپنے صاحبزادے ابوالفضل کے ہاتھوں یہ اشعار لکھ کر بھیجے :

اذا اکرم القاضی الجلیل ولیہ　　وصاحبہ الفاہ للشکر موضعا

ولی حاجۃ یاتی بُنیّ بذکرھا　　ویسالہ فیھا التطول اجمعا

تو قاضی جریری نے برجستہ جواب میں یہ اشعار لکھے[۲]:

دعا الشیخ مطواعاً سمیعاً لامرہ　　نواتیہ طوعاً حیث یرسم اصنعا

وھا انا غادٍ فی غدٍ نحو دارہ　　ابادر ما قد حدہ لی مسرعاً

ابن عماد حنبلی نے لکھا کہ وہ صاحب فنون و تصانیف تھے، مگر کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، البتہ قاضی ابن شہبہ نے لکھا کہ اصول فقہ میں ایک بڑی کتاب ان کی یادگار ہے لیکن اس کتاب کے نام اور اس کی اہمیت کے بارے میں ہم کو اور کوئی تحریر نہیں ملی، حتیٰ کہ کشف الظنون کے صفحات بھی اس کے متعلق خاموش ہیں۔

وفات | ۳۹۶ھ کے ماہ ربیع الآخر میں ان کا انتقال ہوا، زندگی جتنی پاکیزہ اور قابل رشک گزاری موت بھی ویسی ہی پائی، جمعرات کا دن تھا، مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے ابھی تلاوت شروع کی تھی اور آیت ایاک نعبد وایاک نستعین پر پہونچے تھے کہ روح، اپنے رب کے حضور میں پہونچ گئی، ۶۳ برس کی عمر پائی[۳] رحمۃ اللہ۔

---

[۱] تاریخ بغداد بحوالہ مذکورہ والبدایہ البدایہ میں نواتیہ کے بجائے یواتیہ ہے [۳] شذرات الذہب ج ۳

امام ابو حامد اسفرائینی

شیخ العراق، صدر فقہائے عراق، مرکز نجابت و شرافت اور یکتائے زمانہ امام ابو حامد اسفرائینی کی شان اسی سے ظاہر ہے کہ ان کو شافعی ثانی کہا گیا۔

نام و نسب ان کا پورا نام و نسب اس طرح ہے، احمد بن ابی طاہر محمد بن احمد، ابو حامد کنیت ہے، شیخ ابو حامد اور ابن ابی طاہر کے نام سے مشہور ہوئے[1]۔ اسفرائن میں پیدا ہوئے، تذکروں میں جب مطلق اسفرائنی لکھا جاتا ہے تو امام ابو حامد اسفرائینی ہی مراد ہوتے ہیں[2]۔

ولادت اور تعلیم ۳۴۴ھ/۹۵۵ء میں اسفرائن میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بارے میں تفصیلات نہیں ہیں، لیکن تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے سترہ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ دیا تھا[3]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم شروع سے عمدہ اور اعلیٰ خطوط پر ہوئی، اسفرائن کی بستی اہلِ علم و فضل سے معمور تھی اس لیے حصولِ علم میں دشواریاں بھی حائل نہ رہی ہوں گی، مشہور محدث ابراہیم بن محمد بن عبدک[4] کا قیام مستقلاً وہیں تھا۔ روایتوں سے ظاہر ہے کہ انہی سے امام اسفرائینی نے سماعت و روایت حدیث کی[5]۔

بغداد میں آمد ابن اثیر نے لکھا کہ وہ کم عمری میں بغداد آئے[6]۔ العبر کے الفاظ میں وہ بچپن میں بغداد آئے[7]۔ یہی الفاظ ابن عماد کے بھی ہیں[8]، سمعانی و ابن الجوزی

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات: نووی ج ۲ ص ۲۰۸ [2] روضات الجنات: محمد باقر موسوی خوانساری ص ۸۴ [3] طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۱ [4] ابن خلکان نے عبدل لکھا ہے، وفیات ج ۱ ص ۳۳ [5] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۶۸ [6] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲ [7] العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۹۳ [8] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۷۸

کے بقول وہ نوجوانی میں آئے۔[1] اور امام سبکی کے الفاظ میں وہ جوانی میں بغداد تشریف لائے۔[2] اور یہی زیادہ واضح قول ہے کیوں کہ خود امام اسفرائینی نے ایک موقع پر کہا کہ "میں ۳۴۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۶۴ھ میں بغداد آیا۔"[3] اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بیس برس کی عمر میں بغداد آگئے تھے۔

حصول تعلیم ان کے خاص شاگرد امام سلیم[4] بن ایوب رازی نے ان کے حالات کے متعلق لکھا کہ انہوں نے اپنی تعلیم پر بہت توجہ دی، شروع میں معاشی حالت سقیم تھی، اس لیے ایک گھر کی دربانی کی خدمت انجام دی، اور اسی ملازمت کے دوران وہ اپنے شوق علم کی پاسبانی بھی کرتے رہے۔ راتوں کو وہ چوکیداری کرنے کے ساتھ دروازہ پر رکھے ہوئے چراغ کی روشنی میں اسباق کا مطالعہ کرتے، اور پاسبانی کی اجرت سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے۔ وکان یحرس فی درب وکان یطالع الدرس علی زیت الحرس۔[5] ویاکل من اجرت الحرس۔[6]

اساتذہ انہوں نے فقہ کی تعلیم مشہور فقیہ امام ابوالحسن علی بن احمد ابن المرزبان بغدادی سے حاصل کی لیکن ان سے اکتسابِ فیض کی یہ مدت بڑی مختصر رہی کیوں کہ ۳۶۶ھ ہی میں شیخ ابن المرزبان کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد انہوں نے دوسرے امام وقت ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ دارکی (م ۳۷۵ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کیں۔ ولم یزل تترقی بہ الاحوال[7] ان کے علاوہ انہوں

---

[1] انساب ج ۱ ص ۳۴ [2] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۵ [3] معجم البلدان ج ۱ ص ۲۲۹ المنتظم ج ۷ ص ۲۷۰ [4] صاحب روضات الجنات نے سلیمان بن ایوب لکھا جو صحیح نہیں ہے ص ۲۸ [5] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶ [6] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۱۰ [7] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۔

نے بغداد کے اور فقہاء اور ائمہ سے بھی تعلیم حاصل کی[1]۔ علم کی جستجو اور ان میں انہماک ان کی زندگی تھی، وہ یکسو ہو کر اپنے شیوخ سے اس طرح استفادہ کرتے کہ تنگی داماں کی شکایت نہ رہتی، وہ خود فرماتے تھے کہ جب بھی کسی علم و نظر کی مجلس سے اٹھا تو کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ جو کچھ مجھے یاد رکھنا چاہئے تھا وہ یاد نہ رکھ سکا[2]۔ علوم حدیث میں انہوں نے امام ابن عبدک اسفرائینی کے علاوہ امام عبداللہ بن عدی، امام ابوبکر اسماعیلی جرجانی، امام ابوالحسن دارقطنی سے اکتساب فیض کیا، گو انہوں نے احادیث کی روایت کم کی[3]۔ مگر علوم حدیث میں بھی اس درجہ کو پہونچے کہ امام اصحاب حدیث کہلائے[4]۔

جلالت شان | نامور محدثین و فقہاء سے استفادہ کے بعد وہ علم و فضل کے اس مقام بلند پر فائز ہوئے کہ ان کو یکتائے روزگار کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا حتی صار اوحد وقتہ[5] وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز اور سب کا مرجع و ماوی بن گئے[6]۔ شیخ ابواسحٰق شیرازی نے لکھا کہ مکتب شافعی کی ریاست ان پر ختم تھی[7]۔ دین و دنیا کی جامعیت و ریاست کا تذکرہ تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، امام سبکی نے ان کے تذکرہ میں شیخ طریقۃ العراق، حافظ المذہب، امام مذہب، علم کا کوہ رفیع اور راست کا ایک جید ترین عالم وغیرہ تعبیریں ان کی شان میں نقل کی ہیں[8]۔

عوام و خواص اور علماء و ملوک سب کی نظروں میں وہ صاحب وجاہت تھے بلکہ خطیب بغدادی کے الفاظ میں ان کا رعب و دبدبہ بڑی شان کا تھا[9]۔ ان کی وجاہت اور دبدبہ و شان

---

[1] طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۱ [2] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳ [3] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۶۹
[4] روضات الجنات ص ۸۴ [5] انساب ج ۱ ص ۴۳ [6] روضات الجنات ص ۸۴ [7] طبقات شیرازی ص ۱۰۳ [8] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۴ [9] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۶۸

کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک بار انہوں نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس منصب پر فائز کیا ہے اس سے آپ مجھے معزول نہیں کر سکتے، جب کہ مجھے یہ طاقت بخشی گئی ہے کہ میں خراسان سے چند الفاظ لکھ کر آپ کو خلافت کے عہدہ سے سبکدوش کر سکتا ہوں[۱]۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ جلیل ونبیل تھے[۲]۔ امام نووی کی رائے یہ ہے کہ امام اسفرائنی ہی سے عراق کے شوافع کے مسلک کو فروغ عام حاصل ہوا[۳]۔ امام یافعی نے امام الجلیل الفاضل کے الفاظ کے علاوہ مقرالنجابۃ والفضائل (نجابت وشرافت اور خوبیوں کے مرکز) کے توصیفی الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا[۴]۔

اپنے زمانہ کے احناف کے امام اور نامور فقیہ امام ابوالحسین قدوری، ان کے ہمعصر تھے اور باوجود معاصرت اور اختلاف مسلک کے وہ امام اسفرائنی کی بہت تعظیم کرتے۔ اور سارے فقہائے عصر پر ان کو فوقیت دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر، شافعیہ میں اور کوئی فقیہ نہیں دیکھا[۵]۔ بلکہ ایک دوسرے قول میں انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحامد، میرے نزدیک امام شافعی سے بھی زیادہ صاحب فقہ اور صاحب نظر تھے[۶]۔ جب شیخ ابواسحٰق شیرازی سے یہ سنا تو فرمایا کہ یہ امام قدوری کا اپنا خیال ہے جس سے امام شافعی کی شخصیت سے احناف کے تعصب کا بھی اظہار ہوتا ہے، جہاں تک امام شافعی جیسا ہونے کی بات ہے تو بقول شاعر[۷]:

نزلوا بمكة فی قبائل نوفل   ونزلت بالبيداء ابعد منزل

ممکن ہے کہ امام قدوری کے مذکورہ جملہ میں تعصب کی کارفرمائی کا شبہ ہوا ہو لیکن

---

[۱] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶ [۲] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲

[۳] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۱۰ [۴] مراۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵ [۵] المنتظم ج ۷ ص ۲۷۷ [۶] طبقات شیرازی ص ۱۰۳ [۷] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶ ۔

بعض دوسرے حضرات شوافع نے امام اسفرائنی کو صاف شافعی ثانی لکھا ہے[1]۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ امام شافعی اگر ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے[2]۔

ایک دوسرے نامور حنفی فقیہ امام عبداللہ صیمری نے بھی امام اسفرائنی کی جلالت علمی کے اعتراف میں کہا تھا کہ میں نے امام ابو حامد اور امام ابو الحسن خرزی داؤدی سے بڑھ کر کسی اور فقیہ کو نہیں دیکھا[2]۔ امام نووی کے شیخ عمرو ابن الصلاح نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی مشہور حدیث ہے۔

ان اللّٰہ عزوجل یبعث لھذہ	بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی پر اس امت
الامۃ علی راس کل مائۃ	کے لیے ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے جو اسکے
سنۃ من یجدد لھا دینھا	لیے دین کی تجدید کرتا ہے۔

(کتاب الملاحم، سنن ابی داؤد)

بعض علمار نے لکھا کہ چوتھی صدی میں اس حدیث کا مصداق امام ابو حامد اسفرائینی ہیں، ان سے پہلے، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز، امام شافعیؒ اور امام ابن سریجؒ کو پہلی، دوسری اور تیسری صدیوں کا مجدد ملت قرار دیا گیا تھا[3]۔

ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور زیادہ صراحت کے ساتھ لکھا کہ امام ابو حامد، بقول شافعیہ، چوتھی صدی کے مجدد ہیں، احناف، ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمی کو، مالکیہ ابو محمد عبدالوہاب بن نصر کو، حنبلیہ ابو عبداللہ حسین بن علی حامد کو اور فرقہ امامیہ کے لوگ شریف مرتضیٰ موسوی کو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے چوتھی صدی کا مجدد مانتے ہیں[4]۔

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ا ص ۱۶۱ [2] تاریخ بغداد ذہبیات بحوالہ سابقہ [3] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۱

[4] روضات الجنات ص ۴۸

بہرحال یہ طے ہے کہ ان کے تمام ہم عصروں کو ان کی جلالت علمی، فضیلت ذاتی اور نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی پر اتفاق تھا۔[1] شیخ شیرازی اور ابن خلکان نے لکھا کہ جودت فقہ، حسن نظر اور ذکاوت علم میں ان کے تقدم و فضیلت پر مخالف و موافق سب متفق تھے۔[2] امام ابن سبکی جن کے تبصرے اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ تصانیف کی شہرت، تلامذہ کی کثرت اور اقوال کی وسعت کے لحاظ سے فقہاء شافعیہ میں امام ابن سریج کے بعد امام ابوحامد جیسا کوئی اور نہ ہوا، بہت سے ائمہ مسلک ایسے ہیں جو ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں مگر ان تین خوبیوں کے وہ بیک وقت ایسے جامع نہیں جیسے امام ابن سریج اور امام ابوحامد ہیں۔[3]

تقوی اور خدا ترسی | ان کی وجاہت دینی اور دنیوی کا ذکر خاص طور سے کیا جاتا ہے، علماء و فضلاء کے علاوہ اعیان سلطنت ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، فخر الملک ابو غالب ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے۔[5] مگر امام اسفرائنی کی زندگی، تقوی، ورع اور زہد کا نمونہ تھی، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا مگر ہر آن وہ مواخذۂ نفس کا عمل پیش نظر رکھتے، کلام کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے کہ کہیں کوئی نامناسب بات زبان سے سرزد نہ ہو، زبان کی لغزش پر خاص توجہ تھی۔[5] سبقت لسانی پر اپنا احتساب کرتے۔[4]

ایک بار مناظرہ کے دوران زبان سے کوئی ایسی بات نکلی جو نامناسب تھی، بعد میں

---

[1] مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵ [2] طبقات شیرازی و وفیات بحوالہ سابقہ [3] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۹

[4] ایضاً۔

اس کا احساس ہوا تو اسی دن فریق مخالف کے پاس معذرت کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور یہ شعر پڑھے[1]

جفاء جری جهراً لدی الناس وانبسط — وعذر اتی سراً فاکد ما فرط

ومن ظن ان یمحو جلی جفاء — خفی اعتذار فهو فی اعظم الغلط

دوسروں کو بھی ان ہی باتوں کی تلقین کرتے، چنانچہ ایک بار طاہر عبادانی سے یہ فرمایا کہ جدل ومناظرہ کی مجلسوں میں میری تمام باتوں کو زیادہ اہتمام سے نقل نہ کرو، اس لیے کہ اس قسم کی مجالس میں مقصد، فریق مخالف کو قائل ومغلوب کرنا ہوتا ہے یا پھر اس کو مغالطہ وغلط فہمی میں مبتلا کرنا ہوتا ہے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ان چرب زبانیوں کے مقابلہ میں خاموشی و سکوت کہیں زیادہ بہتر ہے اور حق تو یہ ہے کہ اگر ہمارا زیادہ وقت ایسے مشغلوں میں صرف ہوتا رہا تو ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوں گے اور یہ اور بات ہے کہ اس کی رحمت ہماری دستگیری کرے۔[2]

امام سبکی نے اس قول پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے کہ امام ابو حامد اسفرائنی کے مذکورہ قول سے خود ان کے اخلاص کا اظہار ہوتا ہے، وہ خدا کی رحمت کے آرزومند ہیں، یہ آرزو برحق ہے کیوں کہ ان کی مجالس بحث و جدل اور مناظروں کا مقصد، علم کی نشر واشاعت، طلب علم کی تحریض اور اقامت حجت کی تعلیم ہے اور اہل حق کی نظر میں یہ قابل قدر ہے اور اس کی برکت اور اس کا نفع اور فیض جاری ہو کر رہتا ہے، بقول امام سبکی یہ امام ابو حامد اسفرائنی کے اخلاص اور پاکیزگی نیت کا ثمرہ تھا کہ جس قدر

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳، البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲-۳ [2] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۵-۲۴۔

علم ان کی شخصیت کے ذریعہ عام ہوا اتنا ان کے اور کسی ہم عصر یا بعد میں آنے والوں سے نہیں ہوا، انہوں نے اپنے علم سے ایک جہاں آباد کر دیا۔ امام سبکی کے الفاظ یہ ہیں:[1]

کتب عنہ من العلم مالم	ان سے جتنا علم لکھا گیا اس کی نظیر ان کے
یکتب نظیرہ عن احد بعدہ	بعد کسی اور سے نہیں ملی اس کثرت کی وجہ سے
فللّٰہ ھذا الاخلاص فی ھٰذہ	اللہ کے لیے ان کا اخلاص ہے جس نے ایک
الکثرۃ فانہ طبق الدنیا	عالم کو ان کے علم سے معمور کیا۔
بعلمہ۔	

امام اسفرائنی کی یہ فیاضی اور سخاوت صرف علم کی دولت ہی سے خاص نہ تھی، ان کے پاس کثرت سے تحفے اور ہدیے آتے رہتے تھے اور یہ سب کے سب مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیئے جاتے۔[2]

بعض نادار شاگردوں کو وہ ہر ماہ ۱۶۰ دینار دیتے تھے۔[3]

ایک موقع پر انہوں نے حج کے ایک خواہش مند کو ۱۴ ہزار دینار دیے۔[4]

ایک بار انہوں نے مشہور شاعر ابو الفرج دارمی صاحب استذکار کی عیادت کی تو دارمی نے یہ اشعار کہے، خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ دارمی نے مجھے یہ اشعار سنائے تھے۔[5]

مرضت فارتحت الی عائد　　فعادنی العالم فی واحد

ذاک الامام ابن ابی طاھر　　احمد ذوالفضل ابو حامد

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۵ [2] المنتظم ج ۷، ص ۲۷۷ [3] [4] ایضاً [5] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۹۔

ذکر و شکر | جلوتوں کے علاوہ خلوت میں بھی زبان ذکر الٰہی میں مشغول رہتی، قلم ہاتھ سے رکھ دیتے تو قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگتے یا پھر تسبیح کا ورد کرتے، راستہ سے گزرتے وقت بھی تسبیح و تحمید سے زبان تر رکھتے۔[1]

ایک وقت وہ تھا جب تلاش معاش میں وہ گھروں کی چوکیداری کرتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ان کو نوازا۔ انہوں نے مصر سے امام شافعی کی کتاب امالی سو دینار میں خرید کی۔[2]

عیسیٰ بن ملاس نے ان کو موسم حج میں مکہ میں دیکھا کہ شاہانہ پوشاک ان کے زیب تن ہے اور ان کی سواری بھی نہایت قیمتی ہے، وہ طواف کرتے اور لوگ تعظیم میں ان کے جلو میں رہتے، ایک ایسے ہی موقع پر قاری نے یہ آیت تلاوت کی کہ :

تلک الدار الاٰخرۃ نجعلها	دار آخرت کو ہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا
الذین لا یریدون علواً فی	ہے جو زمین میں علو و فساد نہیں چاہتے۔
الارض ولا فسادا۔	

اسے سن کر وہ بہت روئے اور فرمایا کہ اے رب ہم تو علو و سربلندی چاہتے ہیں، فساد نہیں چاہتے۔

اما العلو یا رب فقد اردناہ	اے رب ہم علو تو چاہتے ہیں، فساد ہم
واما الفساد فلم نردہ۔[3]	نہیں چاہتے۔

بعض مروی احادیث | اوپر گزر چکا ہے کہ انہوں نے نامور محدثین سے سماعت و روایت

---

[1] روضات الجنات ص ۱۹ [2] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶ [3] مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵۔

لیکن امام سبکی نے اس واقعہ کے متعلق حج کا ذکر نہیں کیا، صرف یہ لکھا ہے کہ ایک بار ان کی مجلس میں یہ آیت تلاوت کی گئی تو انہوں نے مذکورہ جملہ کہا۔ طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۶

حدیث کی، اگرچہ ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے، مگر وہ ثقہ تھے اور طبقہ محدثین میں بھی درجہ امامت رکھتے تھے، امام خطیب بغدادی نے محمد ابن احمد بن شیب رویانی کے سلسلہ سے ان سے یہ حدیث بیان کی:

لا یومن احدکم حتی یکون	تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس کی
هواه تبعا لما جئت به[1]	خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے،

امام سبکی نے بھی ان سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس کے سلسلہ اسناد میں ان کے شیخ ابراہیم بن محمد بن عبدک وغیرہ ہیں جنہوں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے یہ روایت کی ہے:

سمعت رسول الله صلی الله	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے
علیه وسلم یقول الحلال	ہوئے سُنا حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے،
بین والحرام بین وبین ذٰلك	ان دونوں کے درمیان مشتبہ باتیں ہیں جن کو
امور مشتبه لا یعلمها کثیر	بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو حرام سے بچتا ہے
من الناس فمن اتقی الحرام	وہ اپنے دین وآبرو کو پورا کرنے والا ہے اور
کان اوفی لدینه وعرضه و	جو شبہ میں پڑتا ہے تو وہ حرام میں پڑ جاتا ہے
من وقع فی الشبه وقع فی	اس چرواہے کی طرح جو ممنوع چراگاہ کے قریب
الحرام کالراتع یرتع حول	جانوروں کو چراتا ہے اور زمین میں یہ اس کے
الحمی وان حمی الله فی الارض	محارم ہیں اور جو ایسا کرتا ہے قریب ہے کہ وہ
محارمه ومن یرتع حول الحمی	اس میں داخل ہو جائے۔
یوشك ان یجر[3]	

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۶۹ [2] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۷ [3] طبقات شیرازی ص ۱۰۳

تلامذہ و رواۃ وہ منارۂ علم تھے، ان سے روشنی حاصل کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے بقول امام شیرازی، زمین ان کے شاگردوں سے معمور تھی، طبق الارض بالاصحاب[1]

ابن شہبہ نے لکھا کہ پورے عالم اسلام میں ان کے شاگرد موجود تھے، لیکن بغداد کے فقہاء اور ائمہ نے تو عام طور سے ان سے اکتساب فیض کیا۔[2] ان کی ایک ایک مجلس میں تین سو طالبین علم تو عام طور سے شریک ہوا کرتے، کبھی کبھی یہ تعداد سات سو تک پہنچ جاتی[3] وہ عام طور سے مسجد عبداللہ بن مبارک میں درس دیتے تھے یہ مسجد قطیعۃ الربیع کے قلب میں واقع تھی[4] اوپر امام سبکی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ شاگردوں کی کثرت میں امام ابن سریج کے بعد امام ابو حامد جیسا اور کوئی نہ ہوا، ان کے شاگردوں کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے ان کے نام شمار نہیں کیے جا سکتے، تاہم انکے بعض شاگردوں کی جلالت علمی سے استاذ کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

فقہ کے علوم حاصل کرنے والوں میں اقضی القضاۃ امام ابو الحسن ماوردی صاحب الحاوی، قاضی ابو الطیب طبری، ابو علی سنجی اور ایک روایت کے مطابق امام قفال مروزی اور ابو الحسن احمد محاملی اور سلیم بن ایوب رازی ہیں۔

قاضی ابو الطیب طبری برابر ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، انہوں نے بعض مسائل میں اپنے استاد کی تعقیب بھی کی۔[5]

ابو الحسن محاملی ان کے خاص شاگرد تھے، شریف مرتضی موسوی کا قول ہے کہ ایک بار یہ دونوں استاد شاگرد میرے پاس آئے تو امام اسفرائنی نے فرمایا کہ یہ محاملی ہیں

---

[1] طبقات شیرازی ص ۱۰۳ [2] طبقات شہبہ ج ۱ ص ۱۶۱ [3] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۵، العبر ج ۳ ص ۹۳ [4] المنتظم ج ۷ ص ۲۷۷ [5] طبقات کبری ج ۲ ص ۲۹

اور حفظ فقہ میں مجھ سے بہتر ہیں[1] لیکن جب محاملی نے اپنی مشہور کتاب المقنع لکھی تو امام اسفرائنی نے اس سے سخت اختلاف کیا، ان کا خیال تھا کہ اس کتاب میں بے اعتدالیاں ہیں اور اس کا نقطۂ نظر جمہور سے الگ ہے اور اس سے لوگوں کو خاصا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے کیوں کہ وہ مسلک شافعی اور علم اختلاف الفقہا سے بے رغبت ہو جائیں گے۔ اسی لیے انہوں نے محاملی کو اپنی مجلس میں آنے سے روک دیا، چنانچہ وہ اگرچہ ان مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے تاہم کوشش کرتے تھے کہ دوسرے ذرائع سے مجالس کی بحثوں سے واقف ہو جائیں۔[2] ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام اسفرائنی نے ناراض ہو کر بددعا دی کہ محاملی نے میری کتابوں کو قطع کیا ہے، خدا ان کی عمر کو قطع کرے، بتر کتبی بتر اللہ عمرہ[3]۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد محاملی کا انتقال ہو گیا۔

ان کے سب سے خاص اور عزیز شاگرد سلیم بن ایوب رازی ہیں، ان کا ذکر امام سبکی نے شیخ فقیہ فاضل کے الفاظ سے کیا ہے، سلیم رازی نے امام اسفرائنی سے اپنے تعلق کا ذکر خاص انداز میں کیا ہے کہ وہ بغداد میں کسی بزرگ کی خدمت میں جا رہے تھے راستہ میں امام اسفرائنی کی مجلس دیکھی تو سر راہ، کچھ دیر کے لیے وہاں رک گئے، اس وقت کتاب الصیام کے مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی، ان کو یہ بحث اچھی لگی تو اسے قلمبند کر لیا۔ گھر آ کر جب پھر ان کو دیکھا تو ان کو یہ اقوال اس قدر پسند آئے کہ انہوں نے مستقل ان کی خدمت میں حاضری کا فیصلہ کر لیا چنانچہ امام اسفرائنی کے اقوال و تعلیقات کے سب سے بڑے راوی دہی ہیں[4]

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۱۰ [2] ایضاً [3] تہذیب الاسماء واللغات [4] وضات الجنات ص ۴۸

ان حضرات کے علاوہ حدیث میں ان سے سماعت و روایت کرنے والوں میں ابو محمد حسن بن محمد الخلال، ابو القاسم عبدالعزیز بن علی الازجی، ابو منصور محمد بن احمد بن شعیب رویانی اور ابو الحسین احمد بن محمد النقور نمایاں ہیں[1]۔

شعر و شاعری سے دلچسپی | ان کی شاعرانہ حیثیت کا کسی درجہ میں بھی ذکر نہیں آتا، تاہم چند واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مذاق شاعرانہ تھا،

ایک موقع پر انہوں نے یہ اشعار پڑھے[2]:

لا یغلون علیک الحمد فی ثمن — فلیس حمد وان اثمنت بالغال

الحمد یبقی علی الایام ما بقیت — والدھر یذھب بالاحوال والمال

ایک دوسری روایت کے مطابق قاضی ترمذ نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ ایک اور موقع پر انہوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

جفاء جری جھرا لدی الناس انبسط — وعذر اتی سرا فاکد ما فرط

ومن ظن ان یمحو جلی جفائہ — خفی اعتذار فھو فی اعظم الغلط

ایک اہم واقعہ | ۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ بعض شیعہ نے قرآن مجید کے ایک نئے نسخہ کے متعلق کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مصحف ہے اور یہی صحیح ہے، مذکورہ نسخہ قرآن مجید کے مروجہ نسخہ سے بالکل مختلف تھا، اہل سنت اسے دیکھ کر سخت ناراض ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ میں شدت آگئی، اس موقع پر تمام علماء اور قضاۃ ایک مجلس میں جمع ہوئے، انہوں نے اس معاملہ کا جائزہ لیا اور پھر فیصلہ کے لیے امام ابو حامد کے سامنے مصحف شیعہ پیش

---

[1] انساب ج ۱ ص ۳۴ [2] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۶

گیا گیا، انہوں نے اسے دیکھ کر فیصلہ دیا کہ اسے جلا دیا جائے، چنانچہ تمام لوگوں کی موجودگی میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ شیعہ یہ دیکھ کر مشتعل ہوگئے اور ان کے چند نوجوانوں نے امام ابو حامد کے گھر پر حملہ کر دیا، وہ اگرچہ بچ گئے لیکن کچھ عرصہ کے لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا، حکومت نے جب اس فتنہ کو پوری طرح فرو کیا تو پھر وہ واپس گھر تشریف لائے۔[1]

ایک وہم کا ازالہ | علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں ان فلاسفۂ اسلام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حکمت کی کتابوں کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا ہے اور جن کی زیادہ تر رائیں ارسطاطالیس کی رایوں کے موافق ہیں، ان فلاسفۂ اسلام میں حنین بن اسحاق، ابو الفرج المفسر، ابو سلیمان سنجری، یحیی نحوی، یعقوب کندی، محمد بن معشر مقدسی، فارابی اور ابن سینا وغیرہ کے ساتھ ابو حامد احمد بن محمد اسفزاری کا نام بھی ہے، امام سبکی کے سامنے ایک نسخہ میں بجائے اسفزاری کے اسفرائینی لکھا تھا۔ جس سے بہتوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ امام ابو حامد اسفرائنی ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ہمارے امام اسفرائنی کو فلسفہ سے کوئی مس نہ تھا، چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسفرائنی کی جگہ اسفزاری ہی صحیح ہے، یہ امام ابو حامد کے ہم نام شہر اسفزار سے تعلق رکھتے تھے جو ہرات اور سجستان کے درمیان واقع ہے، اس وہم کے ازالہ کے محقق ہو جانے کے بعد امام سبکی کو اطمینان ہوا۔[2]

تقریباً چالیس سال تک علم و فضل کی روشنی سے ایک عالم کو منور کرنے کے بعد یہ آفتاب علم قیامت تک کے لیے روپوش ہوگیا، ۱۷ برس کی عمر سے انہوں نے اپنے

---

[1] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۶ [2] طبقات کبری ج ۳ ص ۷

علم کا فیضان عام کرنا شروع کیا اور تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا، پھر بھی جب وفات کا وقت قریب آیا تو یہ بلیغ جملہ ارشاد فرمایا کہ ہم تو ابھی تن بھی سمجھ نہ پائے تھے۔

۱۹ رشوال ۴۰۶ھ سنیچر کی شب میں ان کا انتقال ہوا، اگلے روز باب حرب کے پیچھے ایک نہایت وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں شرکت کے لیے ایک خلقت امنڈ پڑی تھی، بے شمار لوگ تھے[1] اور شدتِ غم سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے بقول ابن ہدایہ تاریخ کے صفحات میں یہ دن لوگوں کی کثرت اور گریہ وبکا اور رنج والم کی شدت کی وجہ سے یاد کیا جائے گا۔[2] اسی سے ہی امام اسفرائنی کی مقبولیت اور ان کی شخصیت کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم اور صفات حمیدہ کی بنا پر ہر خاص و عام کے دل میں جاگزیں تھے۔ امامت ابو عبداللہ بن مہتدی (مہدی) خطیب جامع منصور نے کی، امام خطیب بغدادی بھی اس نماز میں شریک ہوئے، تدفین بجائے قبرستان گھر ہی میں ہوئی لیکن وجہ نہ معلوم ہو سکی کہ ایسا کیوں ہوا پھر چار برس کے بعد ۴۱۰ھ میں مقبرہ باب حرب میں دوبارہ تدفین ہوئی، امام یافعی کہتے ہیں کہ چار برس کے بعد بھی ان کی میت پر کسی قسم کی بوسیدگی کے آثار نہیں تھے بقول امام یافعی اسے ان کے حق میں کرامت کا ظہور ہی کہیں گے۔[3]

تصنیفات ہم امام سبکی کا یہ قول اوپر نقل کر چکے ہیں کہ تلامذہ کی کثرت، اقوال کی وسعت، اور تصنیفات کی شہرت کے لحاظ سے امام ابن سریج کے بعد سرفہرست امام ابو حامد اسفرائنی ہیں، ان کی تصنیفات تعداد میں گرچہ نسبتاً کم ہیں، تاہم شہرت اور قدر وقیمت

۱؎ طبقات کبری ج ۳ ص ۲۷ ۲؎ طبقات ابن ہدایہ ص ۱۲۴ ۳؎ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۷

۴؎ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳

گیا گیا، انہوں نے اسے دیکھ کر فیصلہ دیا کہ اسے جلا دیا جائے، چنانچہ تمام لوگوں کی موجودگی میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ شیعہ یہ دیکھ کر مشتعل ہو گئے اور ان کے چند نوجوانوں نے امام ابو حامد کے گھر پر حملہ کر دیا، وہ اگرچہ بچ گئے لیکن کچھ عرصہ کے لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا، حکومت نے جب اس فتنہ کو پوری طرح فرو کیا تو پھر وہ واپس گھر تشریف لائے۔[1]

ایک وہم کا ازالہ علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں ان فلاسفۂ اسلام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حکمت کی کتابوں کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا ہے اور جن کی زیادہ تر رائیں ارسطاطالیس کی رایوں کے موافق ہیں، ان فلاسفہ اسلام میں حنین بن اسحاق، ابو الفرج المفسر، ابو سلیمان سنجری، یحیی نحوی، یعقوب کندی، محمد بن معشر مقدسی، فارابی اور ابن سینا وغیرہ کے ساتھ ابو حامد احمد بن محمد اسفزاری کا نام بھی ہے، امام سبکی کے سامنے ایک نسخہ میں بجائے اسفزاری کے اسفرائینی لکھا تھا۔ جس سے بہتوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ امام ابو حامد اسفرائنی ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ہمارے امام اسفرائنی کو فلسفہ سے کوئی مس نہ تھا، چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسفرائنی کی جگہ اسفزاری ہی صحیح ہے، یہ امام ابو حامد کے ہم نام شہر اسفزار سے تعلق رکھتے تھے جو ہرات اور سجستان کے درمیان واقع ہے، اس وہم کے ازالہ کے محقق ہو جانے کے بعد امام سبکی کو اطمینان ہوا۔[2]

تقریباً چالیس سال تک علم و فضل کی روشنی سے ایک عالم کو منور کرنے کے بعد یہ آفتاب علم قیامت تک کے لیے روپوش ہو گیا، ۱۷ برس کی عمر سے انہوں نے اپنے

[1] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۶ [2] طبقات کبری ج ۳ ص ۱۷

علم کا فیضان عام کرنا شروع کیا اور تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا، پھر بھی جب وفات کا وقت قریب آیا تو یہ بلیغ جملہ ارشاد فرمایا کہ ہم تو ابھی تن بھی سمجھ نہ پائے تھے۔

۱۹ شوال ۴۰۶ھ سنیچر کی شب میں ان کا انتقال ہوا، اگلے روز باب حرب کے پیچھے ایک نہایت وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں شرکت کے لیے ایک خلقت امنڈ پڑی تھی، بے شمار لوگ تھے[1] اور شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے بقول ابن ہدایہ تاریخ کے صفحات میں یہ دن لوگوں کی کثرت اور گریہ و بکا اور رنج و الم کی شدت کی وجہ سے یاد کیا جائے گا۔[2] اسی سے ہی امام اسفرائنی کی مقبولیت اور ان کی شخصیت کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم اور صفات حمیدہ کی بنا پر ہر خاص و عام کے دل میں جاگزیں تھے۔ امامت ابو عبداللہ بن مہتدی (مہدی) خطیب جامع منصور نے کی، امام خطیب بغدادی بھی اس نماز میں شریک ہوئے، تدفین بجائے قبرستان گھر ہی میں ہوئی لیکن وجہ نہ معلوم ہو سکی کہ ایسا کیوں ہوا پھر چار برس کے بعد ۴۱۰ھ میں مقبرہ باب حرب میں دوبارہ تدفین ہوئی، امام یافعی کہتے ہیں کہ چار برس کے بعد بھی ان کی میت پر کسی قسم کی بوسیدگی کے آثار نہیں تھے بقول امام یافعی اسے ان کے حق میں کرامت کا ظہور ہی کہیں گے[3]۔

تصنیفات | ہم امام سبکی کا یہ قول اوپر نقل کر چکے ہیں کہ تلامذہ کی کثرت، اقوال کی وسعت، اور تصنیفات کی شہرت کے لحاظ سے امام ابن سریج کے بعد سرفہرست امام ابو حامد اسفرائنی ہیں، ان کی تصنیفات تعداد میں گرچہ نسبتاً کم ہیں، تاہم شہرت اور قدر و قیمت

---

[1] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۷ [2] طبقات ابن ہدایہ ص ۲۴۱ [3] مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۷

[4] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۳

کے لحاظ سے وہ نہایت اہم ہیں، امام ابن خلکان نے لکھا کہ انھوں نے مختصر المزنی پر ایک تعلیق مرتب کی ہے، اس کے علاوہ انہوں نے **التعلیقہ الکبری** اور کتاب البستان کا ذکر کیا ہے[1]۔ صاحب العبر نے لکھا کہ ان کی تعلیق ۵ جلدوں میں ہے[2]۔ اصول فقہ میں بھی ان کا ایک رسالہ تھا[3]۔

تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ چلپی نے التعلیقہ الکبری فی الفروع کے مکمل نام سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلک شافعی میں یہ عظیم کتاب ہے[4]۔ اس اجمال کی شرح امام نووی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جمہور فقہاء خصوصاً عراق وخراسان کے فقہائے شافعیہ کی کتابوں کا دار و مدار امام اسفرائنی کی اسی تعلیق پر ہے جو کم و بیش پچاس جلدوں پر محیط ہے، اس میں اصول و فروع، فقہاء کے مسالک، ان کے [illegible]مل دلائل اور اعتراضوں کے جواب پر مشتمل نہایت عمدہ بحثیں جمع کر دی گئی ہیں، بے شبہ اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں ہے، یہ بے مثل ہے[5]۔ البتہ اس کتاب کے چند نسخوں میں بعض مسائل کی عبارتوں میں باہم اختلاف تھا جن کو امام نووی نے شرح مہذب میں یکجا کر دیا تھا[6]۔ یہی بات امام سبکی نے بھی لکھی ہے کہ انہوں نے دمشق کے مدرسہ ناصریہ کے کتب خانہ میں اس کتاب کے اکثر حصے سلیم رازی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے تھے، جن پر امام بندنیجی کے ہاتھ کے تعلیقات موجود تھے، کچھ اور نسخے بھی تھے جن میں قدرے تفاوت تھا[7]۔ ابن شہبہ

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲ [2] العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۹۲ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳
[4] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۹۵ [5] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۱۰ [6] ایضاً۔ [7] طبقات کبری ج ۳ ص ۲۸

نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا کہ اس میں فقہار کے اختلاف، اور ان کے اقوال، ماخذ اور مناظرے جمع کیے گئے تھے۔[۱]

مختصر المزنی پر ان کی تعلیق کا ذکر کئی لوگوں نے کیا لیکن اس پر تبصرہ کسی نے نہیں کیا، البتہ امام ابو اسحٰق شیرازی نے یہ ضرور لکھا کہ اس تعلیق پر بھی کئی اور تعلیقات لکھی گئیں۔[۲]

یہی حال کتاب البستان کا ہے جس کا پورا نام علامہ چلپی نے بستان فی النوادر والغرائب تحریر کیا ہے۔[۳] صرف امام یافعی نے اتنا اور لکھا کہ یہ ایک مختصر حجم کی کتاب تھی جس میں غرائب اقوال و مسائل تھے۔[۴]

امام سبکی نے ایک کتاب رونق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ کتاب بھی امام اسفرائنی سے منسوب ہے۔[۵] علامہ چلپی نے مزید تصریح کرتے ہوئے لکھا کہ یہ امام محاملی کی مشہور کتاب الالباب کے طرز پر تھی، مختصر تھی اور اس میں فروع مسائل پر گفتگو تھی لیکن یقین سے انہوں نے بھی اس کتاب کو ان سے منسوب نہیں کیا اور یہ لکھا کہ یہ ابو حاتم قزوینی کی تصنیفات میں بھی شمار ہوتی ہے اور یہ بات یوں بھی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ابو حاتم قزوینی، امام محاملی کے شاگرد تھے اور رونق کے مسائل میں امام محاملی کا رنگ صاف نمایاں ہے۔[۶] صاحب اعلام نے البتہ مطلقاً اسے امام اسفرائنی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔[۷]

---

۱ طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۱ ۲ طبقات شیرازی ص ۱۰۳ ۳ کشف الظنون ج ۱ ص ۱۹۷
۴ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵ ۵ طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۲ و طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۲۸
۶ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۸۸ ۷ اعلام ج ۱ ص ۶۵

مسائل و فوائد وغیرہ | اس قدر اہم کتابوں کے مصنف ہونے کے باوجود ہم براہ راست ان کے علمی تبرکات کے استفادہ سے محروم ہیں کہ اب یہ کتابیں عموماً دستیاب نہیں نہیں، ممکن ہے کسی کتب خانہ میں ان کے نسخے محفوظ ہوں لیکن سر دست وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں، امام سبکی نے حسب عادت ان کے چند اقوال و مسائل کو نقل کیا ہے جو زکوٰۃ، طلاق، عتاق اور باب الشہادت سے متعلق ہیں، لیکن وہ مختصر اور غیر اہم ہیں، اس لیے ان کو یہاں نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

امام ابو علی الدقاق

لسان وقت، امام عصر، فقیہہ زاہد و عارف، اور شیخ الصوفیہ اور استاذ ابو القاسم قشیری کے حالات ہمیں تلاش بسیار کے بعد بھی بہت کم ملے ہیں، لیکن ہم ان کے ذکر سے گو وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں، ان صفحات کو خالی نہیں رکھنا چاہتے۔

نام ونسب حسن بن علی بن محمد بن اسحاق بن عبد الرحیم بن احمد، پورا نام و نسب ہے، ابو علی کنیت اور دقاق نسبت ہے، وطن نیشاپور ہے اس لیے نیشاپوری بھی کہلائے۔ شہرت ابو علی دقاق کے نام سے ہوئی، دقاق کے متعلق سمعانی کی تحقیق یہ ہے کہ آٹے کی تجارت اور کاروبار کرنے والوں کو دقاق کہا جاتا تھا، اہل علم کی ایک جماعت اسی پیشہ سے متعلق رہی جن میں محدث ابو القاسم عیسیٰ بن ابراہیم الدقاق زیادہ نامور ہیں[1]۔

تعلیم ابتدائی تعلیم اور خاندانی حالات کا ذکر نہیں ملتا، البتہ حدیث میں انہوں نے ابو عمرو بن حمدان، ابو الہیثم محمد بن مکی الکشمہینی، ابو علی محمد بن عمر شبوی[2] سے سماعت روایت کی، عربی زبان و ادب اور علم اصول کی تحصیل کی، امام عبد الغافر نے لکھا کہ اس کے بعد وہ مرو چلے گئے جہاں انھوں نے امام ابو القاسم ابراہیم بن محمد نیشاپوری متوفی ۳۶۷ھ سے علم فقہ کی تحصیل کی[3]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عربیت اور علم الاصول وغیرہ کے علوم اپنے وطن نیشاپور ہی میں حاصل کیے اور بعد میں انہوں نے فقہ شافعی کی تعلیم کے لیے مرو کا سفر کیا، جہاں امام قفال و امام خضری کے سے یگانہ روزگار فقہا موجود تھے، اور ایک خلقت کو فیضیاب کر رہے ہیں۔

---

[1] انساب ج ۱ ص ۲۲۸، اللباب ج ۱ ص ۱۲۱۴ [2] بعض جگہ محمد بن عمرو النسوی بھی لکھا ہے مگر صحیح شبوی ہے (طبقات کبریٰ جدید ۴ ص ۳۲۹) [3] طبقات کبریٰ، ایضاً۔

سب سے پہلے وہ امام قفال کی مجلس میں شامل ہوئے، بعد میں وہ امام خضری کے حلقہ درس میں شریک ہوتے جو اپنے زمانہ میں علم و حال دونوں کے لحاظ سے مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور امام شبلی اور امام ابو علی الروذباری جیسے اہل تقوی کے فیض یافتہ تھے۔[1]

بعد میں وہ پھر امام قفال کے دامن علم سے وابستہ ہوئے ان دونوں نامور فقہاء سے استفادہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فقہ میں اس درجہ تبحر حاصل کیا کہ طالبانِ علم کے قافلے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، حتی شدت الیہ الرحال فی ذلک۔[2]

تصوف | ان کی علمی شہرت تو فقہ میں ان کے تبحر و مہارت کی رہین منت ہے، لیکن اصل شہرت ان کو تصوف کے تعلق سے ملی، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شروع سے زہد و معرفت اور طریق صوفیہ سے رغبت رکھتے تھے، امام خضری سے تعلق کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ علم و حال دونوں کے جامع تھے اور شبلی و ابو علی روذباری شاگرد جنید بغدادی جیسے اکابر صوفیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ حدیث و فقہ میں درجہ کمال کو پہنچنے کے بعد بقول ابن حماد حنبلی انہوں نے اپنی توجہ عمل پر مرکوز کی اور طریق تصوف کے سالک ہوئے۔[3] یہی رائے امام سبکی کی بھی ہے وہ لکھتے ہیں۔[4]

ولما استمع ما یحتاج الیہ من العلوم اخذ فی العمل و سلک طریق التصوف۔	جب اپنی ضرورت کے علوم کو سیکھ لیا تو وہ عمل میں لگ گئے اور طریق تصوف پر گامزن ہوئے۔

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۹ [2] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰ [3] ایضاً۔

[4] طبقات کبریٰ جدید ج ۵ ص ۳۲۹، یہی الفاظ حافظ ابن عساکر دمشقی کے بھی ہیں۔ دیکھئے تبیین کذب المفتری ص ۲۲۶۔

تصوف میں ان کے مرکزِ فیض اور شیخِ طریقت امام ابو القاسم نصر آبادی شاگرد شبلی تھے، ان کے طریق تصوف کو اختیار کیا اور پھر حال و مقال دونوں کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے، ان کا شہرہ دور دور تک عام ہوا اور ایک مخلوق خدا نے ان سے فیض اٹھایا۔ ان کی مجلس ناموروں کے وجود سے معمور رہوئی، جن میں شیخ ابو القاسم قشیری صاحب الرسالہ سب سے نمایاں ہوئے۔[1]

امام قشیری کو اچانک ان کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور پہلی ہی مجلس میں ان کی باتوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ امام ابو علی دقاق نے ان کی اس خواہش کو قبول تو کر لیا لیکن یہ مشورہ دیا کہ ابھی وہ تعلیم میں اپنا وقت لگائیں، چنانچہ امام قشیری، اکتسابِ علم کے لئے امام ابو بکر طوسی، امام ابو بکر بن فورک اور پھر امام ابو اسحاق اسفرائینی کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوتے رہے لیکن ساتھ ہی وہ امام ابو علی دقاق کی مجلسوں میں بھی برابر حاضر ہوتے رہے، ان کے آثار سعادت کو دیکھ کر امام ابو علی دقاق نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اس طرح شیخ و مرید کا یہ رشتہ اور زیادہ مضبوط ہوا۔[2]

جلالت شان | تذکرہ نگاروں نے ان کو الاستاذ، الزاہد العارف، شیخ کبیر[3]، عارف باللہ، شہیر وحید عصر، بے مثل[4]، شیخ الاستاذ، لسان وقت اور امام عصر جیسے القاب و آداب سے یاد کیا ہے، ابن العماد حنبلی نے شیخ عبد الرؤف منادی کے توصیفی کلمات نقل کیے ہیں، جنہوں نے لکھا ہے کہ وہ:- کان فارھاً فی العلم، متوسطاً فی الحلم محمود السیرۃ، مجھود — وہ علم میں ماہر، حلم میں میانہ رو، سیر خوش خصال، صاف دل و پاک نیت تھے[5]

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۹ طبقات کبریٰ جدید ج ۴ ص ۳۲۹ [2] تبیین کذب المفتری ص ۲۷۳

[3] مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵۵ [4] العبر ج ۳ ص ۹۳ [5] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰

السریرة، جنیدی الطریقة، سری الحقیقة[۱] الخ — طریقت میں جنیدی، حقیقت کے سری سقطی تھے۔

امام غزالی نے لکھا کہ وہ زاہد زمانہ اور عالم وقت تھے[۲]۔

ابن شہبہ نے لکھا کہ وہ صاحب کرامات و مکاشفات تھے[۳]۔ انہوں نے اگرچہ کسی کرامت کا ذکر نہیں کیا ہے، تاہم امام قشیری کی ایک روایت سے امام دقاق کی فراست بلکہ کشف صدر کا اندازہ ہوتا ہے، امام قشیری فرماتے ہیں کہ امام ابو علی دقاق سے میرے تعلق کی ابتدار تھی اس زمانہ میں میں مسجد مطرز میں درس دیا کرتا تھا، مجھے نسا (نیشاپور و مرو کے درمیان ایک بستی) جانا ہوتا تھا، ایک بار جب میں استاذ دقاق کے ساتھ چل رہا تھا تو دل میں خیال آیا کہ کاش میری غیر موجودگی میں وہ میری مجلس کو سرفراز کر دیا کریں یہ بات ابھی میرے دل میں تھی کہ وہ میری جانب مڑے اور فرمایا کہ تمہاری غیر حاضری میں میں تمہاری قائم مقامی کر دیا کروں گا، چند قدم چلنے کے بعد پھر مجھے خیال آیا کہ وہ علیل ہیں اور ہفتہ میں دو بار اگر وہ میری مجلس کو دیکھیں گے تو زحمت ہوگی، اس لئے اگر وہ ایک ہی بار آجائیں تو بہتر ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ پھر رکے اور فرمایا کہ اگر ہفتہ میں دو بار ممکن نہ ہوا تو میں ایک ہی بار آجایا کروں گا، اس کے بعد پھر میرے دل میں کوئی بات آئی اور انہوں نے از خود اس کے متعلق جواب دیدیا[۴]۔

اقوال و احوال فقہ شافعی میں ان کو تبحر حاصل تھا اور ان کے درس سے بے شمار طالبان فقہ نے علم فقہ کو حاصل کیا تھا، مگر افسوس ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کی کسی فقہی تصنیف یا مسائل و غرائب اقوال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی فقہی حیثیت پر ان کی صوفیانہ

۱؎ شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً و طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۹
۴؎ تبیین کذب المفتری ص ۲۲۷

شان غالب آگئی تھی، اسی لیے تذکرہ نگاروں نے ان کے جو چند اقوال نقل کیے ہیں وہ حکمت و معرفت کے موتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اذکرونی اذکرکم (مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا) اس کی تشریح میں امام دقاق نے فرمایا کہ مجھے یاد کرو جب کہ تم زندہ ہو میں تمہیں اس وقت یاد رکھوں گا جب تم مر چکے ہوگے اور مٹی کے نیچے ہوگے اور تمہارے احباب و اقارب اور دوست ساتھی سب تم سے چھوٹ چکے ہوں گے۔[1]

حدیث شریف ہے کہ "من اکرم غنیاً لغناہ ذھب ثلثا دینه" (جس شخص نے کسی مالدار کی محض اس کی تونگری کی وجہ سے عزت و تکریم کی اس کا دو تہائی دین ضایع ہو گیا) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان تین حیثیتوں سے مانا جاتا ہے، ایک تو قلب دوسرے زبان اور تیسرے نفس، تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کی ثروت کے سامنے زبان و نفس سے خود کو حقیر ثابت کیا تو اس کا دو تہائی دین کا حصہ ضایع ہو گیا اور اگر مالدار کی مالداری کا زبان و نفس کے ساتھ دل سے بھی معترف و مقر ہوا تو پھر اس کا تمام کا تمام دین جاتا رہا۔[2]

ایک دوسری مشہور حدیث شریف میں ہے کہ "حفت الجنة بالمکارہ" (جنت کو مکروہات سے گھیر دیا گیا ہے) اس کی تشریح میں انہوں نے یہ نکتہ پیش کیا کہ جنت تو خالق کائنات کی قدرت خلق کا ایک مظہر ہے، جب اس کی رسائی، مشقتوں اور دشواریوں کے بعد ممکن ہے تو خدائے لم یزل کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس تک رسائی کیسی دشواریوں اور مشقتوں کے بعد ہوگی۔[3] ایک اور حدیث شریف کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں کہ "جبلت القلوب علی حب من احسن الیها" (لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے طبعی محبت رکھ دی گئی ہے جو ان سے حسن سلوک کرتے ہیں) اس کے متعلق فرمایا کہ تعجب ان پر ہے جو اللہ کے علاوہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۳ و تبیین کذب المفتری ۲۳۰ [2] [3] البدایہ ج ۱۲ ص ۱۲

کسی اور کو حسن نہیں جانتے پھر بھی وہ کامل طور پر اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ امام ابن اثیر نے اس قول کے متعلق لکھا کہ اس حدیث پر یہ کلام نہایت خوب ہے گر حدیث کی صحت میں کلام کیا گیا۔[1]

ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ایک بڑے صاحب ریاست امیر آئے اور ان کے سامنے وزانو ہوکر عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے، انہوں نے فرمایا کہ میں کچھ دریافت کروں گا اس کا جواب بغیر نفاق کے دیجئے، انہوں نے کہا آپ دریافت فرمائیں، اس پر امام دقاق نے فرمایا کہ آپ کو دولت زیادہ محبوب ہے یا دشمن، جواب دیا کہ دولت۔ فرمایا کہ :-

کیف تترك ما تحبه بعدك	کیسے جس سے تم کو محبت ہے اس کو اپنے بعد
وتستصحب العدو الذی	نہیں چھوڑ جاؤ گے جبکہ تمہارا دشمن جس کو ہم
لا تحبه معك.	پسند نہیں کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ رہے گا

یہ سن کر وہ میر کبیر رو پڑے اور کہا کیا خوب نصیحت ہے۔[2]

ایک بار فرمایا کہ جو شخص حق بات کے اظہار میں سکوت اختیار کرتا ہے وہ گونگا شیطان ہے۔[3]

فرمایا کہ لقائے رب کے اشتیاق کی علامت یہ ہے کہ بساط نعمت وعشرت پر موت کی آرزو کی جائے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو جب کنویں میں ڈھکیلا گیا اور جب داخل زنداں کیا گیا تو انہوں نے توفنی (اے اللہ مجھے موت دے کی دعائیں کی لیکن جب عیش وعشرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے تو فرمایا توفنی مسلما۔[4]

وہ یہ اشعار اکثر پڑھتے تھے :-

احسنت ظنك بالایام اذ حسنت ولم تخف شر ما یاتی به القدر

---

[1] البدایہ والنہایہ بحوالہ مذکورہ [2] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰ [3] ایضاً [4] ایضاً۔

زمانہ کے حوادثات

وسالمتك الليالي فاغتررت بها   وعند صفو الليالي يحدث الكدر

وقت اگر سازگار و خوشگوار ہے تو خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہو، حالانکہ قضاد قدر کی ناگوار باتیں مخفی نہیں ہیں، شب و روز بے خطر ہیں تو تمکو اس سے دھوکا نہ ہو کہ ہر صبح کی شام اور ہر چاندنی

فرماتے تھے کہ صاحب الحزن (دل دردمند) ایک مہینہ میں طریق معرفت کی جو مسافت طے کر لیتا ہے وہ دوسرے ایک برس میں نہیں کر سکتے۔[۱]

فرمایا کہ جس نے آداب اسلام میں سے کسی کو بھی حقیر و معمولی خیال کیا اسے سنت سے محرومی کی سزا دی گئی، اور جس نے کسی سنت کو ترک کیا وہ ادائے فرض سے محروم ہوا، اور جس نے فرائض کو اہمیت نہ دی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مبتدع کو مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے پاس باطل کا ذکر کرتا ہے اور اس طرح وہ اس شخص کے قلب میں شک و ریب کی تخم ریزی کرتا ہے۔ فرمایا کہ لوگ بحث کرتے ہیں کہ ثروت و علم میں کون افضل ہے، میرے نزدیک سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان کو بقدر کفاف مال حاصل ہو اور پھر وہ اسی میں محفوظ رہے۔[۲]

سماع سے متعلق ابن عماد حنبلی نے ان کا یہ قول نقل کیا کہ:

سماع عوام کے لئے حرام ہے کہ ان کے نفوس سیئہ کی بقا کا سامان ہے، زاہدوں کے لئے یہ مباح ہے کہ یہ ان کے مجاہدوں کے حصول میں مددگار ہے اور ہمارے اصحاب کے لیے یہ مستحب ہے کہ ان کے دلوں کی حیات کا سبب ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی شہر سے کسی ولی اللہ کا گزر ہوتا ہے تو اہل بلدہ کو برکات حاصل ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ برکتیں کسی جاہل و عامی شخص کے لئے مغفرت کا سبب بن جاتی ہیں۔[۳]

---

[۱] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰ [۲] طبقات کبریٰ جدید ج ۳ ص ۳۳۰ [۳] شذرات الذہب بحوالہ مذکور

ایک بار فرمایا کہ کسی شخص نے جناب سہل سے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں، اس درخواست کے جواب میں حضرت سہل نے فرمایا کہ جب ہم میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو باقی رہنے والے کے ساتھ کون رہتا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اللہ، فرمایا بس اسی کی مصاحبت و رفاقت اختیار کرو۔[1]

ایک مرتبہ فرمایا کہ سب سے بڑی آزمائش وابتلاء یہ ہے کہ تم محض مرید بن کر رہو مراد نہ بن سکو، تم قربت کے آرزو مند ہو اور تم کو بتلائے ہجر و فرق رکھا جائے۔

ایک بار جب اس آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے تھے "فتولیٰ عنہم و قال یا اسفیٰ علی یوسف" تو یہ شعر پڑھا۔

حبنا بلیلی دھی جنت بغیرنا ۔۔۔ وازری بنا جنونہ لا نرمینھا

ان کے اقوال کی تاثیر میں ان کے احوال کا بڑا دخل ہے۔ بقول امام قشیری "استاذ محترم" نے مسند و تکیہ کا کبھی سہارا نہیں لیتے تھے، وہ خود کو ترک رفاہیت کا عادی بنا چکے تھے۔[2]

وفات | ذی الحجہ ۲۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا، ابن تغری بردی نے سال وفات ۲۸۳ھ لکھا ہے مگر دوسرے تمام تذکرہ نگاروں نے اول الذکر سن وفات ۲۸۶ھ کو ہی ترجیح دی ہے۔[3]

[1] شذرات الذہب بحوالہ مذکورہ [2] تبیین بحوالہ مذکورہ [3] النجوم الزاہرہ بحوالہ طبقات کبریٰ جدید۔

امام ابو اسحٰق اسفرائینی

فقہ، اصول فقہ اور علم کلام میں امام زمانہ اور قاضی ابو الطیب طبری، امام ابو القاسم قشیری اور امام بیہقی جیسے نادرۂ روزگار اہل علم و فضل کے استاد، امام ابو اسحٰق اسفرائینی کے سوانح کے بغیر فقہائے شافعیہ کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔

نام و نسب ان کا پورا نام و نسب اس طرح ہے: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران، ابو اسحٰق کنیت اور رکن الدین لقب ہے، اور اسفرائنی، آبائی وطن اسفرائن[1] کی نسبت ہے، اور اسی سے وہ مشہور ہوئے۔

---

[1] اسفرائن، نیشاپور کے نواح میں صوبہ خراسان کی ایک بستی ہے، نیشاپور سے جرجان کے راستہ میں یہ ٹھیک نصف فاصلہ پر ہے، امام سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر ہے اور ہر دور میں یہ بڑا مردم خیز رہا ہے، یاقوت حموی نے لکھا کہ یہ چھوٹا مگر مضبوط شہر ہے، اس کا پرانا نام مہرجان تھا، کسی بادشاہ نے یہاں کی سرسبزی، شادابی اور تازگی کو دیکھ کر یہ نام رکھا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو اسفندیار نے اپنے نام پر بسایا تھا جو بعد میں بدلتے بدلتے اسفرائن ہو گیا۔

ابو الحسن علی بن نصر فندورجی نے اسفرائن کے متعلق یہ اشعار کہے تھے:

سقی اللہ فی ارض اسفرائین عصبتی　　فما تنتھی عن العلیاء الا الیھم

وجربت کل الناس بعد فراقھم　　فما ازددت الا فرط فیں علیھم

ائمہ اعیان میں ہمارے ابو اسحٰق اسفرائنی کے علاوہ ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق (۳۱۶ھ) محمد بن علی ابو علی ۳۴۲ھ، اور ابو حامد اسفرائنی ۴۰۶ھ کے نام نمایاں ہیں، معجم البلدان ج ۱ ص ۲۲۸-۲۲۹۔ ان کے علاوہ دوسرے مشاہیر میں کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں عادل بھی یہیں پیدا ہوا اور محمود غزنوی کے مربی ابو العباس فضل بن احمد بھی اسی شہر کے فرزند ہیں۔ روضات جنات ص ۲۷

تعلیم وتربیت | ابتدائی حالات کا ذکر تو نہیں ملتا، مگر گمان غالب ہے کہ وہ جلد ہی نیشاپور گئے اور وہاں امام ابوبکر اسماعیلی اور ان کے معاصر علمائے حدیث و فقہ سے تعلیم حاصل کی۔[1] بعد میں مزید تعلیم کے لیے عراق کا سفر کیا اور وہاں امام ابوبکر محمد بن عبداللہ شافعی اور امام ابومحمد دعلج بن احمد سنجری اور ان کے ہم عصر علماء و فقہاء سے اکتساب فیض کیا، ان کے علاوہ جن دوسرے علماء سے انہوں نے استفادہ کیا، ان میں ابوبکر محمد بن یزداد بن مسعود، ابوجعفر محمد بن علی جرسقانی، ابواحمد محمد بن احمد عطریسفی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔[2]

عراق میں انہوں نے طلب علم کے لیے جو وقت گزارا وہ اس درجہ کامیاب رہا کہ بقول سمعانی انہوں نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو دوسرے حاصل نہ کر سکے تھے۔[3] چنانچہ جب وطن واپسی کا وقت آیا تو اس وقت عراق و خراسان دونوں علاقوں کے علماء و فضلاء ان کی فضیلت اور تقدم و اولیت کے معترف ہو چکے تھے۔[4]

نیشاپور میں قیام | عراق سے واپسی پر وطن اسفرائن کو مستقل رہائش کے لیے پسند کیا، کچھ مدت وہ یہاں رہے، قاضی ابوالطیب طبری جو ان کے خاص شاگرد اور نہایت نامور فقیہہ ہیں انہوں نے اسفرائن ہی میں ان سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔[5] لیکن نیشاپور والے مصر تھے کہ وہ نیشاپور میں قیام کریں، وہ لوگ بار بار آئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا آخر جب اصرار زیادہ ہوا تو نیشاپور تشریف لے گئے اور پھر تادم آخر وہیں رہے۔

---

[1] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۱۱۱ [2] ایضاً وتہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۶۹، انساب ج ۱ ص ۳۴
[3] انساب حوالہ سابقہ [4] وفیات ج ۱ ص ۶، تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۶۹ وطبقات شہبہ ج ۱ ص ۱۵۸ [5] طبقات شیرازی ص ۱۰۰۔

مدرسہ نیشاپور ان کی سوانح میں یہ بات بڑے فخر کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ نیشاپور میں ان کے لیے خاص طور سے ایک مدرسہ بنایا گیا تھا یہ اس شان کا تھا کہ کم از کم نیشاپور میں اس سے پہلے کوئی اور مدرسہ ایسا نہ بنا تھا، اسی میں انہوں نے حدیث و فقہ کے علوم کے چشمے جاری کیے جن سے نیشاپور کے تقریباً تمام طالبین علم حدیث و فقہ سیراب ہوئے[1]

نیشاپور میں ایک مسجد، مسجد عقیل نامی تھی، اس میں ان کی خاص مجلس منعقد ہوتی جس میں احادیث املا کرائی جاتیں[2]۔ اس مسجد میں انہوں نے سب سے پہلے پنجشنبہ کے روز محرم ۱۱۴۱ھ میں حدیث کا املا شروع کیا، یہ ان کی زندگی میں املا حدیث کا پہلا موقع تھا، انہوں نے سب سے پہلے جس حدیث کا املا کرایا وہ یہ ہے[3]۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت علی اثر ثمانیۃ آلاف بنی منھم اربعۃ آلاف من بنی اسرائیل۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد بھیجا گیا ان میں چار ہزار نبی، بنی اسرائیل سے ہیں۔

اس کے علاوہ امام سبکی نے ان کے سلسلہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

مثل المومن کمثل الخامۃ
من الزرع یمیلھا الریاح
مرۃ ھکذا و مثل المنافق
کمثل الارزۃ المجذیۃ علی

---

[1] طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۵۸ [2] طبقات کبری ج ۳ ص ۳-۲ [3] ایضاً۔

الارض حتی یکون اجمعا فیہا

تلامذہ اور رواۃ | ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں یوں تو خراسان اور خاص طور پر نیشاپور کے تقریباً تمام صاحبان علم شامل ہیں مگر جن شاگردوں کی وجہ سے ان کی اہمیت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوا ان میں امام بیہقی، قاضی ابوالطیب طبری اور امام ابوالقاسم قشیری جیسے یگانۂ روزگار اور فخر اماثل محدثین و فقہا شامل ہیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کو زیادہ تر امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام ابوالقاسم قشیری ان کی مجلس میں برابر آتے جاتے تھے۔ امام ابو اسحق شیرازی نے لکھا کہ ہمارے شیخ ابوالطیب، طاہر بن عبداللہ طبری نے ان سے علم و کلام و اصولِ حدیث کا درس لیا۔ ان کے علاوہ ابوالسائب ہبۃ اللہ بن ابی الصہبار اور محمد بن ابی الحسن بالوی کا شمار بھی ان کے نمایاں تلامذہ میں ہوتا ہے۔

منزلت علمی | علم و فضل میں وہ جس بلند مقام پر فائز تھے اس کی بنا پر تمام تذکرہ نگاروں نے ان کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا، ابن خلکان نے الاستاذ کے خاص لفظ سے ان کے ذکر کی ابتدا کی اور فقیہ، اصولی اور متکلم کے توصیفی الفاظ سے ان کو یاد کیا۔

سمعانی نے بھی استاذ امام سے ان کو تعبیر کیا، حاکم ابو عبداللہ نے اپنی تاریخ میں امام ابو اسحق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ فقہ، اصول فقہ اور علم کلام کے عالم ہیں، اور ان علوم میں ان کو دستِ سبقت حاصل ہے، حاکم ابو عبداللہ کا انتقال، امام اسفرائنی کی حیات ہی میں ہو گیا تھا لیکن یہ امام اسفرائنی کی جلالت شان تھی کہ ان کے معاصر بلکہ پیش رو نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا۔[1] امام ذہبی اور قاضی ابن شہبہ نے

---

[1] انساب سمعانی۔ بحوالہ سابقہ

ان کو شیخ اہل خراسان لکھا۔[1] امام یافعی نے ان کی شان میں الامام الکبیر الاستاذ الشہیر اور اسد الاعلام کے الفاظ استعمال کیے۔[2] امام نووی نے امام ابو الحسن عبد الغافر بن اسمٰعیل فارسی کا قول نقل کیا کہ استاذ ابو اسحٰق کا شمار ان علماء میں ہے جو درجہ اجتہاد پر فائز ہیں، علوم فقہیہ میں ان کو تبحر حاصل تھا اور ان میں امامت کی تمام شرطیں یعنی عربیت، فقہ، کلام، اصول اور معرفت کتاب و سنت وغیرہ موجود تھیں۔[3] امام نووی لکھتے ہیں کہ استاذ اسفرائنی ان تین ہم عصر علماء میں ہیں جنہوں نے حدیث وسنت کے کلامی مسائل میں مسلک اشعری کو تقویت پہونچائی، باقی دو حضرات امام ابوبکر باقلانی صاحب اعجاز القرآن واسرار الباطنیہ اور متکلم ابوبکر ابن فورک ہیں۔[4] صاحب ابن عباد معتزلی ہیں اور ان حضرات کے مخالف بھی ہیں تاہم ان تینوں کی توصیف میں انہوں نے انصاف سے کام لیا، انہوں نے ان تینوں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ ابن الباقلانی بحر مغرق (بحر بیکراں) اور ابن فورک صل مطرق (تیغ براں) ہیں اور اسفرائنی نار محرق (آتش سوزاں) ہیں۔[5]

امام سبکی نے بھی ان کو الاستاذ اور علم کلام و اصول و فروع کے امام اور کئی علوم کے جامع کی حیثیت سے یاد کیا ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا کہ تمام ائمہ ان کی تعظیم و تکریم پر متفق ہیں اور ان میں امام کی جملہ شرائط پائے جانے کے معترف ہیں۔[6] یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔[7] ابن ہدایہ نے ان کو صاحب الاجتہاد والورع والعلوم الشرعیہ والعقلیہ واللغویہ لکھا۔[8]

---

[1] طبقات ابن شہبہ و شذرات الذہب والعبر ج ۳ ص ۱۲۸ [2] مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۱ [3] تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۶۹ [4] تہذیب الاسماء بحوالہ سابقہ [5] طبقات ابن شہبہ و طبقات کبریٰ۔
[6] طبقات کبریٰ [7] ایضاً [8] طبقات ابن ہدایہ ص ۴۵

ابوعمرو بن الصلاح فرماتے تھے کہ استاذ ابواسحٰق نے اصول فقہ میں فقہائے شافعیہ کے مسلک کو بڑی مدد دی، اصول فقہ کے بعض مسائل ایسے تھے جو بہت سے متکلمین فقہاء شافعیہ کے لیے پیچیدہ اور مشکل تھے، اور اسی لیے ایسے مسائل میں ان متکلمین فقہاء نے امام شافعی کی موافقت اور تائید سے پہلو تہی کی تھی مگر ان مسائل کو استاذ ابواسحٰق نے فقہائے شافعیہ کے اصولوں کی روشنی میں حل کیا، ان .... میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ کیا قرآن کے حکم کو سنت کے ذریعہ منسوخ کیا جا سکتا ہے؟ ایک بحث یہ بھی تھی کہ جب اجتہاد کرنے والے متعدد ہوں گے تو راہ صواب پر ایک ہی ہوگا، کیوں کہ یہ قول ان فقہاء میں بہت مشہور تھا کہ ہر مجتہد، مصیب ہے (راہ صواب پر ہے) خواہ ان میں سے پہلا مجتہد غلط استدلال اور قیاس باطل پر ہو اور آخری زندیق ہو، لوگوں نے اس قول کی نسبت امام شافعی سے کی تھی، حالانکہ یہ درست نہیں[1]۔

امام عبدالغافر کا یہ قول بھی نقل کرنے کے لائق ہے کہ امام ابواسحٰق صرف نیشاپور ہی نہیں بلکہ پورے مشرق کے لیے مایہ ناز و افتخار تھے[2]۔

عبادت وتقویٰ | علم کی دولت کے ساتھ ساتھ وہ عمل کی نعمت سے بھی سرفراز تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کی عبادت و ریاضت اور تقویٰ و انابت کا بھی ذکر کیا ہے، امام نوذی نے ان کو زاہد لکھا یہ بھی لکھا کہ وہ نہایت عبادت گزار اور تقویٰ و ورع میں حد کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔ (من المجتہدین فی العبادۃ، المبالغین فی الورع) یہی بات امام سبکی نے بھی لکھی ہے۔

سب سے عمدہ بات امام نوذی کی ہے جنہوں نے لکھا کہ امام ابواسحٰق کے فوائد و

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات [2] طبقات کبریٰ و وفیات الاعیان ج ۱ ص ۶

وفضائل، اقوال و تصانیف کے بیان کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔[1]

سفارت | ایک روایت کے مطابق عباسی خلیفہ نے ان کو ملک روم کے پاس بھیجا تھا لیکن اس واقعہ کی تفصیلات نہ معلوم ہو سکیں، اگرچہ صاحب روضات الجنات نے یہ اشارہ ضرور کیا کہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھا جائے، مگر ہماری نظر سے اور کہیں یہ واقعہ یا اس کے متعلق تفصیلات نہیں گزریں۔[2]

تصنیفات | امام ذہبی اور ابن عماد حنبلی نے لکھا کہ ان کی کئی تصانیف ہیں، ابن کثیر نے ان کو صاحب التصانیف فی الاصلین لکھا۔[3] قاضی ابن شہبہ نے ان کو کثیر التصانیف کے الفاظ سے یاد کیا۔ امام یافعی نے ان کو صاحب تصانیف جلیلہ لکھا اور ابن خلکان نے فرمایا کہ یہ کتابیں جلیل القدر ہیں۔ اور امام سبکی نے لکھا کہ ان کی کتابیں اعلیٰ درجہ کی ہیں مگر ہم ان کی چند ہی کتابوں کے نام سے واقف ہو سکے، ان کی سب سے عمدہ کتاب جس کا ذکر تقریباً ہر تذکرہ نگار نے کیا ہے وہ جامع الحلی فی اصول الدین والرد علی الملحدین ہے، ابن خلکان نے اسی نام کے ساتھ اس کا ذکر کیا اور لکھا کہ انہوں نے اس کی پانچ جلدیں دیکھی تھیں مگر علامہ چلپی نے اس کا پورا نام جامع[4] الجلی والخفی فی اصول الدین والرد علی الملحدین لکھا ہے اس کتاب کے علاوہ اصول فقہ میں ان کے ایک رسالہ کا بھی ذکر ملتا ہے جو دراصل امام ابن الحداد کی کتاب الفروع کی تعلیق اور شرح ہے، ان سے پہلے کتاب الفروع کی ایک شرح امام قفال شاشی نے لکھی تھی بعد میں قاضی ابوالطیب طبری، امام فورانی اور امام حیدلانی نے بھی اس کی شرحیں لکھیں۔[5] اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب تھی جس

---

[1] تہذیب الاسماء ج ا ص ۱۶۹ [2] روضات الجنات، ص ۲۴۰۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲۴ [4] کشف الظنون ج ا ص ۳۶۱ [5] ایضاً۔

کی تخریج حاکم ابو عبداللہ نے دس حصوں میں کی تھی[1]۔ مگر اس کتاب کا اصل نام کسی نے نہیں لکھا۔

مناظرے | ان کی علمی زندگی میں دوسرے علوم وفنون کے ساتھ مناظروں کا بھی ذکر ملتا ہے، دوسرے تذکرہ نویس تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ معتزلہ سے ان کے مناظرے ہوئے[2] لیکن امام سبکی نے مشہور معتزلی قاضی عبدالجبار سے ان کے ایک مناظرہ کا مختصر ذکر کیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خالص علم کلام کی بنیاد پر یہ مناظرہ ہوا تھا، مثلاً جب مناظرہ شروع ہوا تو قاضی عبدالجبار نے کہا کہ سبحان من تنزہ عن الفحشاء (پاک ہے وہ ذات جو برائیوں سے منزہ ہے) جواب میں امام ابو اسحٰق نے فرمایا کہ سبحان من لا یقع فی ملکہ الا ما یشاء (پاک ہے وہ ذات جسکے جہاں میں اسکی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا) یہ سن کر قاضی معتزلی نے کہا کہ افیشاء ربنا ان یعصی (تو کیا ہمارے رب کی مرضی یہ بھی ہے کہ اسکی نافرمانی کی جائے) تو امام اسفرائنی نے استفہامی جواب دیا کہ ایعصی ربنا قہراً (کیا خدا کی نافرمانی بجبر کی جا سکتی ہے) جواب میں قاضی صاحب نے کہا کہ افرأیت ان منعنی الھدی وقضی علی بالردی أحسن الی أم أساء ؟ (کیا خیال ہے آپکا اگر خدائے تعالیٰ مجھکو ہدایت سے محروم کر دے اور میرے لیے تباہی کا فیصلہ کر دے تو میرے لیے یہ فیصلہ اچھا ہے یا برا) اس کا جواب امام صاحب نے کہا کہ ان کان منعک ماھو لک فقد اساء وان منعک ماھو لہ فیختص برحمتہ من یشاء (اگر خدا نے تم کو تمہارے اختیار کے استعمال سے روکا ہو تو برا کیا اور اگر اپنے فضل خاص سے محروم رکھا تو اپنی رحمت کا وہ خود مالک ہے جسکو چاہے دے) اس بلیغ اور مسکت جواب کے بعد قاضی عبدالجبار خاموش ہو گئے[3]۔

وفات | نیشاپور میں طویل قیام وسکونت کی وجہ سے ان کو اس شہر سے خاص الفت

---

[1] شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۰۹ [2] اعلام ج ۱ ص ۲۰

[3] طبقات کبریٰ ج ۳ ص ۱۱۳

تھی، فرماتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ آخری بار اپنی آنکھیں یہیں بند کروں، تاکہ یہاں کے تمام باشندے میری نمازِ جنازہ میں شریک ہوں، ٹھیک پانچ مہینوں کے بعد ان کی یہ آرزو پوری ہوئی، عاشورار کے دن ۴۱۸ھ میں وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے، اس دن بارش ہو رہی تھی، لیکن ظہر کے بعد سورج نکل آیا، ان کے جسدِ خاکی کو مقبرہ نیرہ لے جایا گیا، امام موفق نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر ابو بکر طوسی کے قبرستان میں تدفین ہوئی، بعد میں ان کے صاحبزادے اسفرائن سے آئے، ان کے ساتھ اسفرائن کے باشندوں کی ایک بڑی جمعیت تھی، ان لوگوں کا اصرار تھا کہ ان کی قبر اسفرائن ہی میں بنے، چنانچہ تین دنوں کے بعد میت کو قبر سے پھر نکالا گیا، اور میدان حسین میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی، اس کے بعد اسفرائن کے آبائی قبرستان میں دوبارہ تدفین ہوئی[1]. امام سمعانی متوفی ۵۶۲ھ نے ان کی قبر کی زیارت کی تھی، اور مشہور تھا کہ امام ابو اسحٰق کی قبر کے پاس دعائیں مستجاب ہوتی ہیں[2].

وفات کے وقت عمر تقریباً ۹۰ برس یا کچھ زیادہ کی تھی[3].

مسائل امام سبکی نے ان کے بعض اقوال و مسائل نقل کیے ہیں، جن کا تعلق باب العتق سے ہے، امام نودی نے بھی ایک دو مسئلے نقل کیے ہیں:

---

[1] تہذیب الاسمار، وفیات، شذرات اور انساب بحوالہ سابقہ [2] انساب بحوالہ سابقہ
[3] شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۱۰

کتابیات

تذکرۃ الفقہاء حصہ اول

۱۔ احمد بن حنبل والمحنۃ — والٹر، ایم پیٹن

۲۔ اختلاف الفقہاء — امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ تحقیق ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، معہد البحوث الاسلامیہ، پاکستان ۱۹۷۱ء

۳۔ اعلام — خیر الدین زرکلی، مطبعۃ العربیہ مصر ۱۹۲۷ء۔

۴۔ اللباب فی تہذیب الانساب — عز الدین ابو الحسن علی بن محمد ابن الاثیر م ۶۳۰ھ۔ مکتبۃ القدسی قاہرہ، مصر ۱۹۲۰ء

۵۔ الانتقاء — امام ابو عمر بن عبد البر قرطبی م ۴۶۳ھ، مکتبۃ القدسی مصر ۱۳۵۰ھ۔

۶۔ الانساب — ابو سعید عبد الکریم سمعانی م ۵۶۲ھ طبع ۱۹۱۲ء

۷۔ البدایہ والنہایہ — ابو الفدا اسمٰعیل بن عمر ابن کثیر م ۷۷۴ھ مطبعۃ علمیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۸۔ بستان المحدثین — شاہ عبد العزیز دہلوی

۹۔ تاریخ بغداد — حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی م ۴۶۳ھ مکتبہ خانجی قاہرہ مصر ۱۹۳۱ء۔

۱۰۔ تاریخ التراث العربی — فواد سزگین، الہیئۃ المصریہ العامہ ۱۹۷۷ء۔

۱۱۔ تاریخ التشریع الاسلامی — محمد الخضری، دار الکتب، مصر ۱۳۳۱ھ۔

۱۲۔ تاریخ جرجان — ابو القاسم [illegible] ۴۲۷ھ، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء۔

۱۳۔ تبیین کذب المفتری — ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر دمشقی م ۵۷۱ھ۔ مطبعۃ التوفیق، دمشق ۱۳۴۷ھ۔

۱۴۔ تذکرۃ الحفاظ — علامہ شمس الدین ذہبی م ۷۴۶ھ، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

۱۵۔ تقریب التہذیب۔ — ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ، دار نشر الکتب الاسلامیہ پاکستان ۱۹۷۳ء۔

۱۶۔ توالی التاسیس — ابن حجر عسقلانی، مطبعہ المیریہ مصر ۱۳۰۱ھ۔

۱۷۔ تہذیب الاسماء واللغات — ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی م ۶۷۶ھ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر۔

۱۸۔ تہذیب التہذیب — ابن حجر عسقلانی، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔

۱۹۔ الحاوی فی سیرۃ الطحاوی — محمد زاہد الکوثری، مطبع الانوار، مصر۔

۲۰۔ حسن المحاضرہ — شیخ جلال الدین ابوسعید بن السیوطی م ۹۱۱ھ مطبعہ شرفیہ مصر، ۱۳۲۷ھ۔

۲۱۔ خطط مقریزی — تقی الدین مقریزی م ۸۴۵ھ مطبع النیل، مصر ۱۳۲۴ھ

۲۲۔ روضات الجنات — محمد باقر بن زین الدین موسوی، ۱۳۰۴ھ۔

۲۳۔ الشافعی حیاتہ وعصرہ — عبدالرزاق باشا۔

۲۴۔ شذرات الذہب — ابوالفلاح عبدالحئی بن العماد حنبلی م ۱۰۸۹ھ، مکتبۃ القدسی مصر ۱۳۵۰ھ

۲۵۔ ضحی الاسلام — احمد امین، مطبعۃ الاعتماد، ۱۳۵۲ھ۔

۲۶۔ طبقات ابن شہبہ — ابوبکر بن احمد تقی الدین ابن قاضی شہبہ دمشقی، تصحیح و تعلیق ڈاکٹر حافظ عبد العلیم خاں، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۷۸ء۔

۲۷۔ طبقات ابن ہدایہ — ابوبکر بن ہدایۃ اللہ الحسینی لمقب بالمصنف م ۱۰۱۴ھ مکتبہ بغداد ۱۳۵۶ھ۔

۲۸۔ طبقات اسنوی — مخطوطہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

۲۹۔ طبقات سبکی — تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی، مطبعۃ الحسینیہ مصر

۳۰۔ طبقات سبکی — تحقیق محمود محمد الطناحی، عبد المفتاح محمد الحلو، مطبعۃ عیسی البابی ۱۹۶۴ء۔

۳۱۔ طبقات شیرازی — ابواسحٰق ابراہیم بن علی شیرازی م ۴۷۶ھ، مکتبہ العربیہ، بغداد ۱۳۵۶ھ۔

۳۲۔ العبر فی خبر من غبر — امام ذہبی م ۷۴۸ھ، دائرۃ المطبوعات والنشر کویت ۱۹۶۱ء

۳۳۔ العقد المذہب — مخطوطہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

۳۴۔ الفہرست — ابوالفرج محمد بن اسحٰق الندیم م ۳۸۵ھ مطبعۃ الرحمانیہ مصر

۳۵۔ کتاب الولاۃ والقضاۃ۔ — ابوعمر محمد بن یوسف کندی مصری، مطبع ابار الیسوعین بیروت، ۱۹۰۸ء۔

۳۶۔ کشف الظنون — مصطفیٰ بن عبد اللہ ملا کاتب جلبی حاجی خلیفہ، مطبعۃ العالم

۳۷۔ لسان المیزان — ابن حجر عسقلانی، م ۸۵۲ھ، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۱ھ

٣٨- مدارک التنزیل — ابوالبرکات نسفی، مطبعہ حسینیہ، مصر ١٣٤٤ھ

٣٩- مراۃ الجنان — ابو محمد عبداللہ الیافعی م ٧٦٨ھ، دائرۃ المعار
النظامیہ، حیدرآباد دکن ١٣٣٨ھ

٤٠- معجم البلدان — شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت حموی بغدادی م ٦٢٦
مطبعۃ سعادۃ، مصر ١٣٢٣ھ

٤١- معجم المصنفین — شیخ محمود حسن ٹونکی، مطبعہ وزنکوغراف طبا
بیروت ١٣٤٤ھ

٤٢- معجم المطبوعات — جوزف الیان، سرکیس، قاہرہ ١٩٢٨ء

٤٣- المغنی — نفتی، مطبع فاروقی الدھلوی

٤٤- المنتظم — ابوالفرج ابن الجوزی، م ٥٩٧ھ، دائرۃ المعار
العثمانیہ، حیدرآباد دکن ١٣٥٧ھ

٤٥- المنجد — دار المشرق، بیروت ١٩٧٣ء

٤٦- میزان الاعتدال — امام ذہبی، مطبعۃ سعادۃ، مصر ١٣٢٥ھ

٤٧- وفیات الاعیان — شمس الدین ابو العباس احمد بن خلکان م ٦٨